شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

خاص ایڈیشن

انوارِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دینی، سماجی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ

سہ ماہی

انوارِ رضا

جوہرآباد

ملک محبوب الرسول قادری حفظہ اللہ

2017ء

جلد نمبر 11 شمارہ نمبر 1

قیمت فی شمارہ

500 روپے

سالانہ رکنیت فیس

2000 روپے

انٹرنیشنل غوثیہ فورم زاویہ قادریہ سیدنا غوث اعظم سٹریٹ (نزد چونگی نمبر 1) جوہرآباد 41200

0300/0321/0313-9429027 Mahboobqadri787@gmail.com

فہرست مضامین

☆☆☆

اپنی بات

موسمِ میلاد میں انوارِ سیرت النبی ﷺ کی بہار

اللہ کریم کے آخری نبی سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ ازکی التحیۃ والثناء کی پاکیزہ زندگی انسان کے لیے انفرادی و اجتماعی، خانگی و ازدواجی، قومی و بین الاقوامی، معاشرتی و معاشی، سیاسی و حکومتی، دعوتی و تبلیغی، ظاہری و باطنی، مذہبی و اخلاقی اور دینی و روحانی ہر ہر گوشہ اور پہلو میں جس طرح ایک بہترین اور کامل نمونہ اور نور ہدیت ہے اس پر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (بیشک تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے) کے الفاظ میں خود خالق کائنات کی گواہی کے علاوہ انسانی تاریخ بھی گواہ ہے۔ انسانی زندگی کا کونسا ایسا شعبہ یا میدان ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے سارے انسانوں بالخصوص اپنے ماننے والوں کے لیے واضح ہدایات اور عملی نمونہ نہ چھوڑا ہو۔

اللہ نے اہل اسلام کو دنیا کے ہر چیلنج، ہر مسئلے اور ہر پریشانی کے حل کا نسخہ کیمیا درج بالا آیت میں بتا دیا ہے۔ مگر من حیث الامت ہمارا المیہ یہ ہے کہ اس نسخہ کو پڑھ اور سن کر سر دھن رہے ہیں، نعرے لگا رہے ہیں، جلسے کر رہے ہیں، جلوس نکال رہے ہیں، بڑے ذوق شوق عقیدت و محبت اور اہتمام سے سرکاری اور پرائیویٹ سطح پر کانفرنسوں اور محافل کا انعقاد کیا جا رہا ہے، شیریں بیان واعظین اور خوش الحان نعت خوانان۔ سامعین کا ایمان تازہ اور وجد کی کیفیت طاری کر رہے ہیں، بازاروں اور گلیوں کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے مگر ہم ایسے کج فہم ہیں کہ اپنے گوناں گوں سیاسی معاشی اور معاشرتی مسائل اور اخلاقی و روحانی بیماریوں کا اس نسخہ کیمیا کے مطابق علاج کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسائل کے حل کے لیے کئی دوسری تدابیر، سکیمیں اور ایجاد بندہ نسخے آزمائے جا چکے ہیں اور ہر آئے دن آزمائے جا رہے ہیں مگر ان تمام مساعی اور تگ و دو کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج امت مسلمہ ہمہ جہت زوال کے جس دہانے پر کھڑی ہے اس سے نکلنے کا راستہ اور شرعی و عقلی اعتبار سے واحد حل یہی ہے کہ

مقام خویش گر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

انوارِ رضا کی پیشِ نظر اشاعت خاص "انوارِ سیرت النبی ﷺ" میں انسانی معاشرے خصوصاً اہل اسلام کو درپیش چند مسائل کے حل کے لیے رسول اکرم ﷺ کی نورانی سیرت طیبہ سے ہدایت و روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے مطابق عمل کی دعوت دی گئی ہے۔ دراصل یہ اشاعت خاص کچھ مقالات سیرت النبی ﷺ اور ایک دو عظمت نبوی کے مضامین پر مشتمل ہے جو مختلف اوقات میں مختلف اداروں کے لیے نامور اہل قلم جناب ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ نے سپردِ قلم کیے۔ ان منتشر مقالات کو یکجا کر دیا گیا ہے جو بجائے خود ایک خدمت ہے۔

محترم ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ نے ساری زندگی علم و تحقیق کی دنیا کی سیاحت میں صرف کی ہے۔ سیرت طیبہ کے نور سے روشن ان کے یہ مقالات ہمیں عطا ہوئے جس پر میں ان کے ساتھ ساتھ السنہ فاؤنڈیشن کے بانی چیئرمین اور اپنے برادر بزرگ پیر طریقت حضرت علامہ محمد اسلم شہزاد قادری صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کمپوز شدہ مواد ہی عنایت فرما دیا جو میرے لئے بہت زیادہ خوشی و مسرت اور قلبی و روحانی شادمانی کا باعث بنا۔ رب کریم دارین میں ہر دو حضرات کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور ہماری اس اشاعت خاص کو ہمارے اور قارئین کرام کے لئے حصولِ فیض کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

ملک محبوب الرسول قادری

(چیف ایڈیٹر)

24 نومبر 2016ء

السنہ فاؤنڈیشن

اغراض ومقاصد اور خدمات کا جائزہ

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قائم شدہ ایک فورم ہے جس کے پیش نظر اشاعت دین اور خدمت خلق کے بہت سے اغراض ومقاصد کا ایک جہان ہے لیکن جس کی راہِ عمل بس ایک ہی ہے سنت نبوی ﷺ کی پیروی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ خدمتِ خلق کا فریضہ۔۔۔۔۔اس طرح ہم اللہ کے فضل وکرم سے ایک ایسا نظامِ کار تشکیل دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں جو عہدِ رواں کی الجھنوں میں گھرے نوجوانوں کو تسکین روح کی شادابی سے ہم کنار کرنے کی سبیل پیدا کرتا دکھائی دیتا ہے۔

السنہ فاؤنڈیشن کی شبانہ روز کاوشوں اور اس کے ساتھ کام کرتی مخلص، رفقاء کی فعال اور دردمند ٹیم فاؤنڈیشن کے اغراض ومقاصد کی تشکیل سے لے کر تعمیر کی منزلیں طے کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہی۔

ذرا دیکھیئے تو اس نئی اٹھتی ہوئی تنظیم کے چند اغراض ومقاصد جن کے دائرے میں آپ کو زندگی کے اکثر شعبوں کا احاطہ محسوس ہوگا۔

قرآن وحدیث کے انوار سے تعمیر سیرت وکردار۔۔۔۔۔۔مسلک محبت رسول ﷺ اور مشرف اولیاء کے ابلاغ وترویج کی جدوجہد۔۔۔۔۔۔علم کے نور سے بدی اور بدعقیدگی کا خاتمہ۔۔۔۔۔۔السنہ فاؤنڈیشن کے پلیٹ فارم سے عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ''ماہنامہ میگزین'' اصلاحی و فلاحی اور محبت رسول ﷺ سے لبریز لٹریچر کی فراہمی کو ممکن

بنانا۔۔۔۔معاشرے کا انتہائی نظر انداز شدہ خانہ بدوش طبقہ جو غربت وافلاس کے ساتھ ساتھ جہالت کے سبب انتہائی انسانیت سوز زندگی گزار رہا ہے اور بجا طور امداد واصلاح اور دینی راہنمائی کا خصوصی مستحق ہے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے آفاقی پیغام کو پرحکمت انداز میں ان تک پہنچانا۔۔۔مبلغین، واعظین، آئمہ اور حفاظ کی خدمت واعانت اور ورکشاپ کا اہتمام۔۔۔۔۔ نومسلموں کو مسلم سماج میں آباد کاری اور اعتقادی نشو ونما کا انتظام۔۔۔۔۔۔معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لئے حتی المقدور عملی اقدامات۔۔۔۔۔بیمار، لاچار، بے سہارا اور مستحق طبقات کی ہر ممکن امداد۔۔۔۔نسلِ نو کو دعوت وترغیب کے ذریعے احکاماتِ الٰہیہ کا پابند ہونا۔۔۔۔۔حفظانِ صحت کے اُصولوں کے مطابق متعدی اور پیچیدہ بیماریوں کے خلاف جنگ میں سماج کی امداد نیز فری ڈسپنسریز، فری آئی کیمپس، ڈینٹل کیمپس کا انعقاد۔۔۔۔۔۔فری لیگل ایڈوائزری۔۔۔ کونسل کا قیام۔۔۔۔۔۔ناگہانی آفات کے مواقع پر متاثرہ علاقوں میں انسانی ہمدردی کے تقاضوں کے مطابق بھرپور ریلیف ورک۔۔۔۔۔جادہ زیست کی ان الیبلی راہوں میں ہمیں اُمت مسلمہ کے ہر فرد وخواتین اور نوجوان نسل کی پرخلوص رفاقت درکار ہے۔لہٰذا آپ بھی السنہ فاؤنڈیشن کی ٹیم کا حصہ بنیں۔(ہر انگریزی مہینے کی پہلی اتوار کو حمد ونعت، اصلاحی خطاب اور ذکر وفکر پر مشتمل گیارہویں شریف کی محفل منعقد ہوتی ہے)۔

آستانہ عالیہ قادریہ

9 چمن زار سٹریٹ لالہ زار فیز II ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

0300-4270964, 0322-4344442

0321-9443547, 0321-4363541

بسم اللہ والحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

بین التہذیبی اور بین الثقافتی تقارب وہم آہنگی

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)☆

تہذیب وثقافت کا مفہوم

سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں زیرنظر موضوع کا جائزہ لینے سے قبل تہذیب اور ثقافت کا مفہوم جان لینا ضروری ہے تاکہ بات واضح ہوسکے۔ چنانچہ اختصار کے پیش نظر تہذیب وتمدن اور ثقافت وکلچر کے الفاظ کے لغوی واصطلاحی مفہوم کی تفصیل میں جائے بغیر اتنی وضاحت کافی ہے کہ یہ چاروں الفاظ معمولی اصطلاحی فرق کے باوجود باہم مترادف معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں اوران کے مفہوم میں کسی قوم کے عقائد و نظریات، اندرونی جذبات واحساسات اور ذہنی وفکری سوچ کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی، سماجی رویے اور معاشی ومعاشرتی اور سیاسی طرز زندگی شامل ہے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ کسی بھی قوم کی تہذیب وتمدن اور ثقافت وکلچر میں اس کے عقائد ونظریات اور باطنی جذبات واحساسات بنیاد اور انداز بودوباش، طرز معاشرت، طرز معیشت، نظام حکومت وسیاست، علوم وفنون اور عبادات ومعاملات ظاہری رویے ہوتے ہیں اور یہی ظاہری رویے، طرز بودوباش، معاشرتی وسماجی واخلاقی روایات، عادات، طرز سلام وکلام اور وضع قطع جیسی چیزیں ہی اسے دوسری قوموں سے ممتاز و جد اٹھہراتی ہیں ورنہ شکل وشباہت میں اور اعضاوجوارح کے اعتبار سے تو سارے انسان ایک ہی جیسے اور سب آدم وحوا کی اولاد ہیں (۱) آج اگر ہم ایشیائی اور یورپین اور مشرقی ومغربی

☆ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیراہتمام سالانہ قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۸/۱۴۲۹ھ کے موقعہ پر مقالہ ہذا کو انعامی مقابلہ مقالات سیرت میں بحمداللہ صوبائی سطح پر اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

اقوام میں فرق کرتے اور انہیں الگ الگ قومیں تصور کرتے ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ جو خصوصیات اور عناصر ترکیبی ایک قوم کی تہذیب وثقافت میں پائے جاتے ہیں وہ دوسری قوم میں نہیں پائے جاتے۔اس لیے ایک قوم دوسری قوم سے جدا اور الگ شمار کی جاتی ہے۔

پس جس طرح ایک عیسائی اپنے مخصوص عقائد اور الگ تہذیب وثقافت کی بنیاد پر ایک یہودی اور بت پرست سے ممتاز ہے۔ایک یہودی اپنے خصائص ملت ومذہب کی بنا پر ایک نصرانی اور بت پرست سے جدا ہے اسی طرح ایک مسلمان بھی اپنے مخصوص مذہبی عقائد، اعمال وحرکات اور تہذیب وثقافت کی بدولت قرآن مجید کی رو سے غیر مسلم اقوام کے افراد سے اسی طرح ممتاز ہے جس طرح بینا نابینا سے، نور ظلمت سے، تڑپتی ہوئی دھوپ سایہ سے اور زندہ مردہ سے۔(۲)

اسلام کی وسعت ظرفی

بعدازیں یہ بات اہل علم ودانش سے مخفی نہیں کہ سلام از روئے قرآن انسانیت کے لیے مکمل ضابطہ حیات، نعمت الٰہی اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔اس کی اپنی پاکیزہ اور شرم وحیاء کی نمائندہ تہذیب وثقافت ہے۔ مستقل تمدن اور روشن اخلاقی ومعاشرتی روایات ہیں۔ معیشت ومعاشرت، کھیل، تفریح، حکومت وسیاست، عبادات ومعاملات، لین دین، قومی وبین الاقوامی امور وتعلقات، تعلیم وتعلم، خوشی غمی، شادی بیاہ، نشست وبرخواست، گفت وشنید، کھانا پینا، رہن سہن، وضع قطع، لباس، بودوباش حتیٰ کہ جسمانی طہارت ونظافت سمیت مرد وخواتین کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں اسلام نے وحی الٰہی سے اپنے ماننے والوں کے لیے واضح دوٹوک اور دنیا وآخرت میں فلاح واطمینان کی ضامن ہدایات اور اصول وضوابط اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اس میں کامل نمونہ نہ چھوڑا ہو۔اس کے باوجود اسلام ایسے مذہبی وقومی تعصب، شدت اور مخالفت کا قائل نہیں کہ کسی دوسری قوم کی اچھی اور نفع بخش چیز کو بھی حاصل اور قبول نہ کرے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے وسعت ظرفی کا ثبوت

دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا"(۳)

حکمت ودانش کی بات ایک مؤمن کی گمشدہ متاع ہے۔ لہٰذا اسے جہاں بھی پائے تو وہ اسے اپنانے کا زیادہ حقدار ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے متعدد مواقع پر دوسری اقوام کی مفید چیزوں اور تہذیبی روایات کو قبول فرمایا۔ مثلاً غزوہ خندق کے موقعہ پر مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ نے جب یہ مشورہ دیا کہ اہل فارس ایسی صورت حال میں خندق کھود کر اپنے شہروں کی حفاظت ودفاع کرتے ہیں تو اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے شہر کے ایک طرف خندق کھودنے کا حکم دیا(۴) اسی طرح ہرقل روم اور شاہان عجم کو خط لکھتے ہوئے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ خطوط کو مہر کے بغیر قبول نہیں کرتے تو "محمد رسول اللہ" کے الفاظ پر مشتمل اپنی مستقل مہر بنوائی (۵) علیٰ ہذا القیاس حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا(۶) وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی روشن خیالی اور اعتدال پسندی اور اتنی رواداری کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ وحی الٰہی پر مبنی ہزاروں حکمتوں اور بے شمار دنیوی واخروی فوائد وبرکات کی حامل اور پاکیزہ اسلامی تہذیب وثقافت اور اپنی اخلاقی ومعاشرتی روایات کو چھوڑ کر محض جدت پسندی اور روشن خیالی کے جنون میں یا مداہنت کے طور پر ہمہ جہتی نحوست، بے برکتی، بے اطمینانی، بے سکونی اور بے شرمی کی نمائندہ اور عفت وعصمت اور حلت وحرمت کے تصور سے عاری غیر اسلامی اور مغربی تہذیب وثقافت کو اپنالیں۔

تہذیب وثقافت کے معاملے میں اسلام کی غیرت

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے عقیدہ ومذہب کے بنیادی اختلاف کے باوجود انسانیت کے ناطے غیر مسلم اقوام بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہمدردی خیر خواہی نیکی اور

عدل وانصاف کی تعلیم دی ہے۔ (۷) اورس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی طبعی رافت ورحمت اور رحمۃ للعالمین ہونے کی بنا پر مشرکین مکہ، یہود ونصاریٰ، منافقین مدینہ اور دیگر معاندین ومحاربین سے جس مذہبی رواداری، انسانی ہمدردی، وسعت ظرفی، فیاضانہ برتاؤ، عفوو درگزر، تحمل وبرداشت اور حسن سلوک کا عملی طور پر مظاہرہ فرمایا (جس کی تفصیل سے کتب حدیث وسیرت بھری پڑی ہیں) اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے آپ ﷺ سے پہلے دیکھی تھی نہ اب تک دیکھ سکی ہے۔ مگر اس کے باوجود اسلام اپنے عقائد اور تہذیب و تمدن کے معاملے میں انتہائی غیرت مند واقع ہوا ہے۔ اس نے اہل اسلام کو غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایسی نام نہاد رواداری، ایسی دین کش روشن خیالی اور اس قدر نرمی اور اتنی لچک کی بھی اجازت نہیں دی کہ کفر واسلام کو امتیاز ختم ہوجائے، شرک وتوحید گڈمڈ ہوجائے، ایمان و الحاد کا اساسی فرق مٹ جائے، نیا "دین اکبری" پیدا ہوجائے، اور اسلام دشمن اقوام کے سامنے اپنے آپ کو روشن خیال ثابت کرنے کے شوق میں اسلامی شعائر اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلام کی پاکیزہ اقدار وروایات کی نفی ہونے لگے، مخلوط میراتھن ریس کے نام پر احکام ستر وحجاب کا مذاق اڑایا جائے، ماتھے پر "تلک" لگوانے لگیں، "ہولی" کی تقریب میں ہندوؤں کی طرح جسم ولباس پر رنگ ڈلوانے لگیں۔ جشن بہار کے نام پر ساری اسلامی حدود پھلانگ جائیں اور ان کی دینی حمیت وغیرت اتنی مردہ ہوجائے کہ مسجد کا سنگ بنیاد بھی ان کے ناپاک ہاتھوں سے رکھوانے کے لیے تیار ہوجائیں۔

چنانچہ کفار مکہ کی ایک جماعت نے جب نبی اکرم ﷺ کو معاشرے میں "امن و امان" کی خاطر اس قسم کے تہذیبی سمجھوتے، سودے بازی یا باہمی قرب وہم آہنگی کے نام پر یہ پیشکش کی کہ "تعبد الھتنا سنۃ ونعبد الھک سنۃ" (۸) (ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں گے) تو اس پیشکش کے جواب میں اللہ کریم نے سورۃ الکافرون نازل کرتے ہوئے اپنے محبوب

مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ کفار کے دین باطل سے مکمل براءت و بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے برملا اعلان فرمادیں کہ:

''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ''

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔

اس سورہ کے شانِ نزول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے:

''اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مذہبی رواداری کی تلقین کے لیے نازل نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج کل کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ اس لیے نازل ہوئی تھی کہ کفار کے دین اور ان کی پوجا پاٹ اور ان کے معبودوں سے قطعی برأت بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کر دیا جائے اور انہیں بتا دیا جائے کہ دین کفر اور اسلام بالکل ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے باہم مل جانے کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات اگرچہ ابتداء قریش کے کفار کو مخاطب کر کے ان کی تجاویز مصالحت کے جواب میں کہی گئی تھی۔ لیکن یہ انہی تک محدود نہیں بلکہ اسے قرآن میں درج کر کے تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لیے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دین کفر جہاں جس شکل میں بھی ہے ان کو اس سے قول اور عمل میں برأت کا اظہار کرنا چاہیے اور بلا رعایت کہہ دینا چاہیے کہ دین کے معاملہ میں وہ کافروں سے کسی قسم کی مداہنت یا مصالحت نہیں کر سکتے۔''(۹)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ نومسلماں نے حضور ﷺ سے جب یہ درخواست کی ہمیں اسلامی نظامِ حیات میں رہتے ہوئے اس بات کی بھی اجازت دی جائے

کہ ہم یہودی مذہب وعقیدہ کے مطابق ہفتہ کے روز کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز اور تورات کی بھی تلاوت کرتے رہیں تو اللہ کریم نے اس طرح کی رواداری اور وفاداری سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: "اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور (سابق مذہبی روایات کو اپنا کر) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بیشک وہ تو تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے" (۱۰)

علیٰ ہذا القیاس غیر مسلم کی طرف کسی بھی قسم کے قلبی میلان اور جھکاؤ سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (سورۃ ھود: ۱۱۳)

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے (کفر کے باعث اپنی جانوں پر) ظلم کیا۔ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی۔

علماء محققین کی تصریح کے مطابق بلا ضرورت کفار کی وضع قطع اختیار کرنا۔ ان کی تعظیم و توقیر کرنا۔ بلا ضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت و مجالست اختیار کرنا اور دین کے معاملے میں ان کے سامنے مداہنت سے کام لینا وغیرہ یہ سب اس نہی کے تحت آ جاتا ہے اور یہ سب مثالیں "رکون الی الکفار" کی ہیں۔ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں:

"فاقتضى ذالک النهى عن مجالسة الظالمين و موانستهم والانصات اليهم" (۱۱)

اس آیت کے مطابق ظالموں (غیر مسلموں) کے ساتھ باہمی مجلس، ان کی محبت اور ان کے سامنے (خلاف شرع حرکات پر) خاموشی اختیار کر لینا ممنوع ہے۔

اسی طرح مفسر ابن کثیر نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۴ "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا" کی تفسیر میں لکھا ہے:

ترجمہ: "اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال، افعال، لباس،

تہواروں، اور عبادات وغیرہ ایسے تمام امور میں جو ہمارے لیے مشروع نہیں کیے گئے۔ تشبہ اختیار کرنے پر شدید نہی، تہدید اور وعید پر دلالت موجود ہے"۔ (۱۲)

صحبت کی تاثیر

انسانی زندگی میں اچھی صحبت ومجلس کا اثر ایک مسلمہ حقیقت اور فطری امر ہے۔ اس لیے قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر (جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں) نیک صحبت اختیار کرنے اور بری صحبت خصوصاً کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی دوستی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور مختلف پیرایوں میں سمجھایا گیا ہے کہ:

صحبت صالح ترا صالح کند　　　صحبت طالح ترا طالح کند

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم رسول کے بیٹے نے برے لوگوں کی مجلس اختیار کی تو اپنے خاندان نبوت کا اعزاز ووقار کھو بیٹھا اور اس کے مقابلے میں ایک کتے نے اصحاب کہف جیسے کامل الایمان لوگوں کو لازم پکڑا تو اس صحبت کی برکت سے اس کا حشر انسانوں کے ساتھ ہوگا۔ شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو یوں شعری جامہ پہنایا ہے۔

پسر نوح بابداں بنشست　　　خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند　　　پئے نیکاں گرفت مردم شد

صحبت انسانوں اور جاندار چیزوں سے آگے غیر جاندار چیزوں میں بھی مؤثر ہوتی ہے۔ جس کی طرف شیخ سعدیؒ نے ایک خوشبودار مٹی کے ساتھ مکالمہ میں اس کی زبان حال سے یوں جواب دیا ہے کہ:

بگفتا من گلے ناچیز بودم　　　ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد　　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ظاہری مشابہت کا اثر باطن پر

علاوہ ازیں انسانی وجود میں ظاہر و باطن کا گہرا تعلق ہے۔ ظاہری وحسی اعمال باطنی سوچ وعقیدہ اور نیت وارادہ کے مظہر ہوتے ہیں اور باطن ظاہر سے لامحالہ متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر غسل کے ذریعے بدن کو پاک صاف کیا جائے تو روح بھی بشاشت محسوس کرتی ہے اور اگر جسم کو مکدر وگندہ رکھا جائے تو روح میں بھی یہی تکدر سرایت کرنے لگتا ہے۔ اگر صاف ستھرے کپڑے پہنیں تو روح میں انبساط کی کیفیت جوش مارنے لگتی ہے جبکہ میلے کچیلے کپڑوں سے روح میں انقباض کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ظاہری یا خارجی طور پر ہم غیر اسلامی تہذیب وثقافت کو اختیار کریں گے تو اس کے اثرات دل ودماغ پر ضرور مرتب ہوں گے اور پھر آہستہ آہستہ اس غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کی تہہ میں پنہاں گمراہ کن عقائد ونظریات بھی دل میں جاگزیں ہو جائیں گے۔

باطن پر ظاہر کی یہ قدرتی تاثیر بھلا نگاہ نبوت سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی۔ اس لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے تعلیم امت کے لیے اور اسلامی تشخص اور امتیاز کی حفاظت کی خاطر ''سد ذریعہ'' کے طور پر نہ کہ کسی قسم کے قومی تعصب اور غیر مسلم اقوام سے نفرت کی بنا پر، ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اغیار کی تہذیب و ثقافت، ان کے طور اطوار اور معمولات وعادات کی مخالفت گویا اپنا مستقل معمول اور مشن بنا لیا تھا۔ یہ مخالفت اس قدر شدید تھی کہ بالآخر یہود چلا اٹھے کہ اس آدمی نے تو قسم اٹھا رکھی ہے کہ وہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرے گا۔ صحیح مسلم کے مطابق یہود کہنے لگے:

''مایرید هذا الرجال ان یدع من امرنا شیئا الاخالفنا فیه''(۱۳)

اس آدمی نے گویا ارادہ کر رکھا ہے کہ ہمارے معاملے میں سے کسی بھی چیز میں ہماری مخالفت کیے بغیر نہیں رہے گا۔

غیر مسلم اقوام کے طور اطوار اپنانا اور ان کی مشابہت اختیار کرنا پیغمبر اسلام ﷺ

کی دور بین نگاہوں میں معمولی چیز نہیں تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اہل اسلام کو متنبہ فرمایا:

"من تشبه بقوم فهو منهم" (۱۴)

جس آدمی نے (طور اطوار میں) کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے شمار کیا جائے گا۔

تہذیب اغیار کی مخالفت ۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا مطالبہ

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ، اسوہ حسنہ اور تعلیمات نبوی کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں غیر مسلم اقوام کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، بھلائی اور عدل وانصاف کی تاکید فرمائی ہے وہاں ان کے طور اطوار، عادات، بود و باش اور وضع قطع میں ان کی شعوری اور ارادی مخالفت کا بھی امت سے مطالبہ فرمایا ہے اور کسی بھی صورت میں ان کی مشابہت یا تقارب وہم آہنگی کو گوارا نہیں فرمایا۔ چنانچہ صحیحین میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"ان اليهود و النصارىٰ لا يصبغون فخالفوهم" (۱۵)

بے شک یہود و نصاریٰ بالوں کو خضاب نہیں لگاتے۔ پس تم ان کی مخالفت کرو۔

علامہ ابن تیمیہ اور قاری محمد طیب کی صراحت کے مطابق صاحب جوامع الکلم ﷺ کے ان الفاظ کی ترکیب، پیرائیہ بیان اور نظم الفاظ بتاتا ہے کہ صرف خضاب کے معاملے میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت مقصود نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہاں "فخالفوهم" کی جگہ "فاصبغوا" کے الفاظ ہوتے۔ دوسرے علماء اصول کا مشہور قاعدہ ہے کہ "العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص الذكر" یعنی لفظ کے عام مفہوم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ مخصوص الفاظ کا۔ لہٰذا حدیث کے ان الفاظ سے مقصود یہود و نصاریٰ کی تمام تہذیبی و ثقافتی اقدار میں ان کی مخالفت کرنا شریعت کا مقصود اور اس خاص حکم کی علت ہے۔ (۱۶)

علامہ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر لکھی جانے والی اپنی مایہ ناز کتاب کا نام بھی یقیناً اسی لیے "اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة اصحاب الجحيم" تجویز کیا تھا۔

درج بالا دعویٰ کی دلیل وثبوت کے طور پر ذیل میں ہم ''مشتے از خروارے'' کے طور پر چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے طور اطوار یا تہذیب وتمدن میں سے ایک ایک چیز میں مخالفت کس قدر مطلوب تھی اور اس مخالفت کا باعث العیاذ باللہ ان کے ساتھ کوئی ذاتی عناد یا مخالفت برائے مخالفت نہیں تھا بلکہ اس کا واحد سبب اسلامی وغیر اسلامی تہذیب وتمدن کا اساسی فرق ہے۔ دوسرے امت مسلمہ کو ان مذہبی روحانی معاشرتی اخلاقی اور دنیوی واخروی نقصانات سے بچانا ہے جو کفار کی تہذیبی وتمدنی مشابہت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جنہیں ظاہر میں عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں۔

پاکی وطہارت کے کلچر میں مخالفت

عربوں میں رواج تھا کہ مرد حضرات انسانی وقار وشرافت کے منافی کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اور خواتین بیٹھ کر ہی قضائے حاجت کیا کرتی تھیں۔ معلم انسانیت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے غیر معقول اور بہیمانہ طریقہ کی جگہ بیٹھ کر پیشاب کرنا پسند فرمایا جس پر عرب بطور تعجب کہنے لگے: اس آدمی کو دیکھو! یہ تو اس طرح پیشاب کرتا ہے جس طرح عورت پیشاب کرتی ہے۔ (۱۷)

اسی طرح یہودی لوگ عورتوں سے ان کی ماہواری کے ایام میں کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر کھاتے نہ ایک ساتھ مکان میں رہتے۔ اس معاملے میں صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے جنسی تعلق رمجامعت کے سوا دیگر تمام تعلقات باقی رکھنے کی اجازت دی۔ (۱۸)

علی ہذا القیاس یہودی لوگ اپنے گھروں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں مشابہت سے بچنے کی یوں ہدایت فرمائی:

ترجمہ: ''بیشک اللہ طیب (ہر نجاست سے پاک) ہے پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے،

نظیف (صاف ستھرا) ہے نظافت کو پسند فرماتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے گھروں رحویلیوں کو صاف ستھرا رکھو اور اس معاملے میں یہود کے مشابہ نہ بنو" (۱۹)

یہود و نصاریٰ کے اس گندے کلچر کے مقابلے میں آپ ﷺ نے طہارت و صفائی کو اتنی اہمیت دی کہ اسے ایمان کا جزو بلکہ نصف قرار دیا اور فرمایا:

"الطھور شطر الایمان" طہارت وصفائی ایمان کا نصف حصہ ہے۔ رواہ مسلم (۲۰)

عبادت کے طور طریقوں میں مخالفت

نماز کے لیے اعلان یا بلاوے کے حوالے سے منعقدہ میٹنگ میں جب نبی اکرم ﷺ کے سامنے نرسنگا کی تجویز رکھی گئی تو آپ ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد ناقوس کی تجویز سامنے آئی تو آپ ﷺ نے اسے بھی نصاریٰ کا طریقہ کہہ کر رد فرما دیا اور مروجہ اذان کا حکم فرمایا۔ (۲۱)

حضور ﷺ نے اوقات عبادت میں بھی غیر مسلموں کی مخالفت فرمائی۔ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت سورج کے پجاری لوگ چونکہ سورج کو سجدہ کرتے تھے۔ اس لیے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے ان اوقات میں نماز کو ممنوع قرار دیا۔ (۲۲)

یہودی پاک جوتوں اور موزوں میں بھی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے مگر آپ ﷺ نے حکم دیا:

"خالفوا الیھود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم" (۲۳)

یہود کی مخالفت کرو۔ کیونکہ وہ اپنے (پاک) جوتوں میں نماز پڑھتے ہیں نہ اپنے موزوں میں۔

نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی جنازہ میں تشریف لے جاتے تو اس وقت تک نہ بیٹھتے جب تک کہ میت کو لحد میں نہ رکھ دیا جاتا۔ ایک مرتبہ ایسے موقعہ پر ایک

یہودی عالم آیا اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ) ہم بھی اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ بات سنی تو بیٹھ گئے اور صحابہ کرامؓ سے بھی فرمایا کہ سب بیٹھ جاؤ اور اس طرز عمل میں یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (۲۴)

حضرت قیس بن سعد نے اہل حیرہ کی طرز پر حضور ﷺ کو تعظیمی سجدہ کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنی ظاہری زندگی اور وصال کے بعد بھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا اگر میں کسی آدمی کو دوسرے آدمی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔ رواہ ابوداؤد (۲۵)

نماز کے بہت سے مسائل کی طرح روزوں کے بارے میں بھی آپ ﷺ کا طرز عمل یہود کی مخالفت نظر آتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب عاشوراء کا روزہ رکھا اور ہمیں بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ بھی کرتے (اس دن روزہ رکھتے) ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے (یہ عندیہ ظاہر) فرمایا کہ: جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔ مگر آئندہ سال (محرم) کی آمد سے پہلے ہی آنجناب ﷺ کا وصال ہو گیا۔ (۲۶) جبکہ ایک روایت میں نویں محرم کے روزے کی وجہ یہود کی مخالفت کو قرار دیا۔ (۲۷)

اسی طرح اہل کتاب اپنے روزوں میں سحری نہیں کھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے سحری کی فضیلت و برکت واضح کرتے ہوئے امت کو سحری کھانے کی ترغیب دی اور بتایا کہ ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں میں مابہ الامتیاز سحری میں کوئی چیز کھانا ہے۔ (۲۸)

یہود و نصاریٰ افطاری میں بڑی تاخیر کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کے برعکس افطاری میں جلدی کرنے کا حکم دیا اور اسے غلبہ دین کا سبب قرار دیا۔ (۲۹)

ہفتہ وار مذہبی عبادت کے لیے دوسرے مذاہب کے طور اطوار اپنانا اور قرب و ہم

آہنگی اختیار کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ حضور ﷺ نے دن کی مماثلت بھی گوارا نہیں فرمائی بلکہ یہودیوں کے متبرک دن ہفتہ اور عیسائیوں کے متبرک دن اتوار کی جگہ آپ ﷺ نے اپنے لیے جمعۃ المبارک کا دن منتخب فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ اہل مدینہ دو دن (یوم النیروز اور یوم المہرجان) بطور عید اور تہوار مناتے ہیں جس میں کھیل کود کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دور جاہلیت میں ہم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے دور جاہلیت کے ان دو تہواروں کے بدلے تمہیں عید الضحیٰ اور عید الفطر کا دن عطا فرما دیا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں زیر بحث موضوع کے حوالے سے مشہور فقیہ و محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ کا تشریحی نوٹ قابل ملاحظہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نیروز اور مہرجان (اہل مدینہ کے دو تہوار) وغیرہ یعنی کفار کے تہواروں کی تعظیم ممنوع ہے۔ ابوحفص الکبیر الحنفی کہتے ہیں کہ جس آدمی نے نیروز کے تہوار کے دن اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے کسی مشرک کو ایک انڈا بطور ہدیہ دیا تو اس نے (گویا) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس کے سارے (نیک) اعمال ضائع ہو گئے۔ جبکہ قاضی ابوالمحاسن حسن بن منصور الحنفی کا کہنا ہے کہ جس آدمی نے اس دن کوئی چیز خریدی جسے وہ کسی دوسرے دن بھی خرید سکتا تھا یا اس دن میں کسی دوسرے آدمی کو کوئی ہدیہ دیا تو اس کام سے اگر اس کی نیت اس تہوار کی تعظیم تھی جس طرح کفار اس کی تعظیم کرتے ہیں تو اس نے کفر کیا اور اگر اس دن کوئی چیز خریدنے سے مقصود محض اپنی امارت کا اظہار اور ضرورت پوری کرنا تھا اور ہدیہ

دینے سے مقصود عمومی عادت کے مطابق باہمی محبت پیدا کرنا تھا تو یہ
کفر تو نہیں ہو گا مگر کفار کے ساتھ تشبہ کی بنا پر مکروہ ضرور ہے۔ لہٰذا
اس وقت اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ (۳۱)

ملاقات کے آداب میں مخالفت

سیرتِ طیبہ میں اغیار کی تہذیبی وثقافتی اقدار کی مخالفت کا رنگ ہمیں ہر چیز میں نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ سلام دعاء اور ملاقات کے عام آداب میں بھی آپ ﷺ نے اغیار کی موافقت کو پسند نہیں فرمایا۔ ارشاد ہوا:

"لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکف" (۳۲)

وہ آدمی ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے غیر کے ساتھ تشبہ اختیار کیا۔ لہٰذا یہود کے ساتھ تشبہ اختیار کرو نہ نصاریٰ کے ساتھ۔ بیشک یہود کا طریقہ سلام انگلیوں کے اشارہ سے سلام کرنا ہے اور نصاری کا طریقہ سلام ہتھیلی کے ساتھ اشارہ کرنا ہے (جبکہ ہمارا طریقہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہنا ہے)

حضور ﷺ نے بوقت ملاقات سلام کے حوالے سے اپنے مخصوص تہذیبی شعار "السلام علیکم" کو یہود ونصاریٰ کے لیے پسند نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا:

"لاتبدؤا الیھود و النصاریٰ بالسلام" (۳۳)

یہود ونصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو۔

گویا آپ ﷺ کو اپنے وضع کردہ مخصوص اسلامی کلچر کی اہانت گوارہ نہ تھی
اسی طرح عجمی طرز استقبال (جس میں بڑے لوگ ازراہ کبر ونخوت اپنے سامنے

لوگوں کے احتراماً کھڑے رہنے کو پسند کرتے تھے) بھی حضور ﷺ نے پسند نہ کیا اور تعلیم امت کے لیے ہدایت فرمائی:

"لاتقوموا کمایقوم الاعاجم یعظم بعضها بعضا" (۳۴)

تم لوگ (کسی بڑے آدمی کی آمد پر) اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

اگرچہ شریعت میں احتراماً کھڑے ہونا جائز ہے اور حضور ﷺ سے حضرت سعد بن معاذ، عکرمہ بن ابی جہل، عدی بن حاتم اور اپنی بیٹی سیدۃ الزہراءؓ کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ اس کے باوجود ازراہ تواضع و تعلیم آپ ﷺ اس امر کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ لوگ عجمی بادشاہوں کی طرح آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں حتیٰ کہ ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ (۳۵)

وضع قطع، لباس اور خوردونوش کے طریقوں میں مخالفت

کسی بھی قوم کی تہذیبی و ثقافتی پہچان اور امتیاز میں اس کی عمومی وضع قطع کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ عیسائی اور مجوسی لوگ عموماً تمدنی حیثیت سے جبکہ مشرکین مذہبی حیثیت سے داڑھی منڈوانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ دوسری طرف سکھوں، یہودیوں اور جوگیوں کا عمومی شعار داڑھی لمبی چھوڑ دینا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس معاملے میں ہر دو طبقوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے پہلے طبقہ کے مقابلے میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے اور دوسرے کے مقابلہ میں داڑھی کی کچھ حد بندی کر دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب" (۳۶)

مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ

طول اور عرض میں اپنی ریش مبارک کے (مٹھی بھر سے زائد) بال لے لیا (کاٹ دیا) کرتے تھے" رواہ الترمذی (۳۷)

دور جاہلیت میں سر کے کچھ بال چھوڑ دینے اور کچھ منڈوا دینے (قزع) کا بھی رواج تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بالوں کی ایسی وضع (قزع) سے بھی منع فرما دیا۔ (۳۸) اسی طرح یہود و نصاریٰ سر اور داڑھی کے بالوں پر خضاب نہیں لگایا کرتے تھے مگر آپ ﷺ نے (جیسا کہ اوپر گزرا) ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ (۳۹)

غیر مسلموں کے لیے مخصوص اور امتیازی ملبوسات کے معاملے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے کس قدر ان کی مخالفت اور ان کی مشابہت سے بچنے کی تاکید و تہدید فرمائی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل روایات سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم پر زعفرانی رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ کفار کے کپڑے ہیں۔ لہٰذا انہیں مت پہنو اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس ارشاد نبوی پر میں نے عرض کیا: کیا انہیں دھو ڈالوں؟ فرمایا بلکہ انہیں جلا ڈالو۔ (۴۰)

۲۔ حضرت رکانہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے باندھنا ہے۔ یعنی ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ بلا ٹوپی۔ (۴۱)

۳۔ حضرت ابوریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے ممانعت فرمائی ہے کہ آدمی عجمیوں کی مثل اپنے کپڑوں (قمیص وغیرہ) کے نیچے ریشم کا استر رکھے یا عجمیوں کی طرح اپنے دونوں مونڈھوں پر ریشم کے نشان رکھے جائیں۔ (۴۲)

۴۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب

حاضر ہوا تو اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں تو اس نے اسے پھینک دیا۔ پھر حاضر ہوا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں تو اس نے اسے بھی پھینک دیا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ فرمایا: چاندی کی اور اس کا وزن مثقال سے کم ہی ہو۔ (۴۳)

خورد و نوش کے آداب اور طریقے کسی قوم کی تہذیب و کلچر کا اہم ترین حصہ ہوتے ہیں اور یہ بات چنداں محتاج دلائل نہیں کہ غیر مسلم اقوام کے نزدیک اشیاء خورد و نوش میں حلت و حرمت کا کوئی تصور نہیں جبکہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے پاک یعنی حلال و طیب کھانے کی تاکید فرمائی ہے اور حرام و خبیث اشیاء کی طرف سوائے حالت اضطرار کے، ہاتھ بڑھانے کی قطعی ممانعت کر دی ہے۔ علاوہ ازیں غیر مسلم اقوام کے برعکس رزق الٰہی کی تعظیم و تکریم، کھڑے ہو کر کھانے کی بجائے بیٹھ کر کھانے اور تواضع کی صورت میں دستر خوان پر بیٹھنے کا کلچر رواج دیا۔ ساتھ ساتھ میلے کچیلے ہاتھ منہ کے ساتھ کھانے پر جانوروں کی طرح جھپٹ پڑنے کی بجائے ہاتھ دھو کر، بسم اللہ پڑھ کر، اپنے سامنے سے انتہائی اطمینان و سکون اور غیر حریصانہ انداز میں کھانے کے انتہائی مہذب اور شایان شان آداب تعلیم فرمائے۔ جن کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ (۴۴)

معاشرتی اقدار و اطوار میں مخالفت

کسی قوم کی معاشرت، رہن سہن کا انداز، گھریلو ماحول، عائلی نظام اور باہمی انسانی تعلقات کا عام طریق کار اس قوم کی تہذیب و ثقافت کا نمایاں اور امتیازی پہلو ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان مسائل میں بھی غیر مسلم اقوام کی انسانی شرافت سے عاری اور ہر

قسم کے شرم وحیاء اور حدود و قیود سے آزاد معاشرتی اقدار اور روایات کی جگہ انسانی عظمت و شرافت کی حامل و محافظ اقدار و اطوار کو رواج دیا۔ اس اجمال کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں۔ البتہ معاشرتی اعتبار سے اسلامی تہذیب و تمدن اور اغیار خصوصاً مغرب کے تہذیب وتمدن میں جو تضاد اور فرق پایا جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں اس کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ زیر غور مسئلہ کی وضاحت ہو سکے۔ چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں:

"اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے، اسلامی تمدن عفت نظر، عفت قلب، عفت خیال کا قائل اور داعی ہے، مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے زیادہ عرفی حدود کا احترام کرتا ہے، اور اگر عرف، ماحول اور متعلقہ فریق کو اس پر اعتراض نہیں ہے تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر مستحسن اور غیر عفیفانہ نہیں، اسلامی تمدن حجاب وستر کا حامی ہے اور وہ شریعت کی دی ہوئی اجازتوں اور استثناؤں کے دائرہ کے اندر شدت سے اس کا پابند ہے، مغربی تمدن حجاب وستر کے ابتدائی حدود و مفہوم سے بھی ناآشنا ہو چکا ہے اور اس نے اپنے آغاز سفر ہی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اسلامی تمدن مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے، اور اس کو معاشرہ کے لیے مضر اور بہت سی اخلاقی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔

ان اصولی اختلافات کے علاوہ تصویر، کتے، مردوں کے لیے سونے

چاندی اور ریشم کے استعمال، ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کا فرق، اور بہت سی
جزئیات میں دونوں کے موقف اور نقطۂ نظر نہ صرف مختلف بلکہ
متضاد ہیں، اسلام (خواہ کتنی ہی علمی تاویلیں کی جائیں) تصویر کو
بنظر استحسان نہیں دیکھتا، اور شارع اسلام کو اس سے تنفر اور توحش
تھا، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''جس گھر میں تصویر، کتا اور مجسمے
ہوتے ہیں، اس میں فرشتے نہیں آتے'' اور مغربی تمدن میں تصویر
کے بغیر لقمہ توڑنا بھی مشکل ہے''۔ (۴۵)

خلاصۂ بحث

گزشتہ بحث اور معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس اور عناصر ترکیبی میں بنیادی تضاد بلکہ بعد المشرقین ہے۔ اس کے باوجود اسلام غیر مسلم اقوام کے ساتھ انسانی ہمدردی، خیر خواہی، بھلائی، مذہبی رواداری اور ہر قسم کے جائز تعاون کا تو قائل ہے مگر حفظ ما تقدم اور سد ذریعہ کے طور پر۔ نیز اپنے ملی و مذہبی تشخص کی بقا اور اپنی مخصوص و امتیازی، پاکیزہ اور انسانی عظمت و شرافت کی حامل تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لیے ''بین التہذیبی اور بین الثقافتی تقارب و ہم آہنگی'' کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔ کیونکہ اس تقارب و ہم آہنگی کا قدرتی نتیجہ و انجام بالآخر اپنی تہذیب و ثقافت سے ہاتھ دھونا ہے۔ غالباً اسی لیے حکیم الامت اور شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے ہر مسلمان کو یہ نصیحت کی تھی کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر   خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

دراصل اس قسم کی سوچ کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات اور اپنے روشن ماضی سے نابلد، مغربی تہذیب و ثقافت سے مرعوب، جدت و اباحت پسند، روشن خیالی کا داعی اور مداہنت پیشہ نام نہاد دانشور اور دستر خوانی قبیلہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس غلط فہمی یا خوش

فہمی کا شکار ہے کہ دنیا میں عزت وترقی مغربی تہذیب وثقافت اور مغربی نظام حیات اختیار کرنے کے ساتھ مشروط ہے جبکہ ایمانی وملی غیرت کا تقاضا اور مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ دوسرے عقل ونقل اور اسلامی تاریخ کی گواہی یہ ہے کہ اہل اسلام کی عزت وعظمت اور ترقی کا راز خلوص دل سے اور کسی قسم کے احساس کمتری کے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر اسلامی تہذیب وثقافت کو اختیار کرنے میں ہے نہ کہ اغیار کے تہذیبی اطوار اپنانے میں۔ چنانچہ معروف خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ خلافت میں پیوند شدہ کپڑوں میں ملبوس اور اونٹنی پر سوار جب شام تشریف لائے اور بعض صحابہؓ نے اس سادہ وعام ہیئت کی بجائے دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح شاہانہ انداز اختیار کرنے کا مشہورہ دیا تو دوراندیش خلیفہ نے اس سوچ پر تنبیہ کرتے ہوئے ان صحابہ سے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو آب زر سے لکھنے کے قابل اور مغربی تہذیب وثقافت کے شیدائیوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ المستدرک للحاکم میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

"انا کنا اذل قوم فاعزنا الله بالاسلام فمهمانطلب العزبغیر مااعزنا الله به اذلنا الله" (۴۶)

بلاشبہ ہم لوگ (دنیا کی) ذلیل ترین قوم تھے۔ پھر اللہ کریم نے اسلام کے ذریعے ہمیں عزت عنایت فرمائی۔ لہٰذا جب بھی ہم اس راستے سے ہٹ کر عزت طلب کریں گے جس کی برکت سے اللہ نے ہمیں عزت دی، تو اللہ ہمیں ذلیل وخوار کردے گا۔

جبکہ ابونعیم اصفہانی نے حضرت عمرؓ کا یہ تاریخی جملہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"انکم کنتم اذل الناس فاعزکم الله برسوله فمهما تطلبوا العزبغیره یذلکم الله" (۴۷)

بے شک تم سارے لوگوں ردنیا میں سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے۔ اللہ

کریم نے تمہیں اپنے رسول ﷺ کی (ذات اور تعلیمات کی) برکت سے دنیا میں عزت دی۔ لہٰذا تم لوگ جب بھی رسول اللہ ﷺ کے راستے سے ہٹ کر عزت طلب کرو گے تو اللہ تمہیں ذلیل وخوار فرما دے گا۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد اس کی حقیقت واصلیت سے مختلف مواقع پر یوں پردہ اٹھایا تھا:

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پایدار ہو گا

لہٰذا ایمان کا تقاضا ہے کہ اغیار کی غیر عفیف، جھوٹی چمک دمک کی حامل اور ناپائیدار تہذیب وثقافت کے ساتھ تقارب وہم آہنگی کی بجائے اسلامی تہذیب وثقافت کو پورے یقین وشرح صدر کے ساتھ دنیا میں عزت وکامیابی کا ذریعہ سمجھا جائے اور اسے اپنانے میں کسی قسم کا عار محسوس کرنے کی بجائے علامہ موصوف کی طرح فخریہ کہا جائے کہ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سورۃ النساء:۱

۲۔ اس فرق کو قرآن مجید میں یوں واضح کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''اور نہیں برابر ہو سکتے اندھا اور دیکھنے والا اور نہ تاریکیاں اور روشنی اور نہ (ٹھنڈا) سایہ اور (جلتی ہوئی) دھوپ اور نہ زندہ اور مردہ لوگ'' (سورۃ فاطر:۱۹۔۲۲)

۳۔ جامع ترمذی (ابواب العلم۔ آخری حدیث) ص ۳۸۵ طبع کلاں نور محمد کراچی

۴۔ دیکھیے (الف) ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک ۵۶۶/۴، دار المعارف مصر ۱۹۶۱ء۔

(ب) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ از مولانا ہدایت اللہ ندوی) ۱۳۵/۲ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

۵۔ دیکھئے (الف) صحیح بخاری (کتاب الجہاد، باب دعوۃ الیہود والنصاریٰ الخ) ۱/۴۱۱ طبع کلاں ایچ سعید کمپنی کراچی۔ نیز ج ۲ ص ۸۷۳ (کتاب اللباس باب اتخاذ الخاتم)

(ب) جامع ترمذی (ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی ختم الکتاب) ص ۳۸۸۔۳۸۹

۶۔ جامع ترمذی (ابواب الاستیذان والآداب (باب فی تعلیم السریانیۃ) ص ۳۸۸۔

۷۔ دیکھیے سورۃ الممتحنہ:۸۔ سورۃ الانعام:۱۰۸۔ سورۃ آل عمران:۶۴ وغیرہ۔

۸۔ تفسیر جلالین ودیگر تفاسیر تحت سورۃ الکافرون۔

۹۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ۵۰۱/۶، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۸۱۔

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: (تحت سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر ۲۰۸)

(الف) امام سیوطی، الدر المنثور ۴۳۳/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۱۴۲۱ھ۔

(ب) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۲۴/۳، دار الکتب مصر ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

(ج) علامہ آلوسی، روح المعانی ۹۷/۲، دار الاحیاء التراث العربی۔ بیروت۔ لبنان۔

۱۱۔ جصاص، ابوبکر احمد الرازی، احکام القرآن۔ ۲۴۳/۳، قدیمی کتب خانہ کراچی (طبع جدید)

۱۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱۴۸/۱، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۷۲ء۔

۱۳۔ صحیح مسلم (کتاب الطہارۃ، باب جواز غسل الحائض فی راس زوجھا) ۱/۱۴۳، طبع کلاں، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۱۴۔ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس باب فی لبس الشہرۃ) ۲/۵۵۹ طبع کلاں اصح المطابع کراچی۔

۱۵۔ (الف) صحیح بخاری (کتاب اللباس باب الخضاب) ۲/۸۷۵۔

(ب) صحیح مسلم (کتاب اللباس والزینۃ باب استحباب خضاب الشیب الخ) ۲/۱۹۹۔

۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (الف) (علامہ ابن تیمیہؒ، اقتضاء الصراط المستقیم (اردو ترجمہ اسلام اور غیر اسلامی تہذیب) ص ۲۶۔۲۷۔ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۸ء

(ب) قاری محمد طیب، التشبہ فی الاسلام، ص ۱۲۷ تا ۱۲۹، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور ۱۹۸۰ء

۱۷۔ زرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح مواہب اللدنیہ للقسطلانی ۴/۲۳۳، مطبعہ الازہریہ، مصر ۱۳۲۷ھ۔

۱۸۔ صحیح مسلم (کتاب الطہارۃ باب جواز غسل الحائض فی راس زوجھا) ۱/۱۴۳

۱۹۔ جامع ترمذی (ابواب الآداب باب ماجاء فی النظافۃ) ص ۳۹۷

۲۰۔ (الف) صحیح مسلم (کتاب الطہارۃ۔ باب فضل الوضوء) ۱/۱۱۸

(ب) مشکوۃ المصابیح، کتاب الطھارۃ۔ الفصل الاول

۲۱۔ دیکھئے: (الف) سنن ابی داؤد (کتاب الصلوۃ باب بدء الاذان) ۱/۷۱

(ب) صحیح مسلم (کتاب الصلوۃ باب بدء الاذان) ۱/۱۶۴

۲۲۔ دیکھئے: (الف) صحیح مسلم (کتاب المساجد، باب اوقات الصلوۃ الخمس) ۱/۲۲۳

(ب) جامع ترمذی (ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی تعجیل العصر) ص ۵۰

(ج) الکاسانی، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ۱/۱۹۷، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور

۲۳۔ سنن ابی داؤد (کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی النعل) ۱/۹۵

۲۴۔ دیکھئے: (الف) سنن ابی داؤد (کتاب الجنائز، باب القیام للجنازہ) ۲/۴۵۲

(ب) جامع ترمذی (ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الجلوس قبل ان توضع) ص ۱۲۶

۲۵۔ دیکھئے: مشکوۃ المصابیح (باب عشرۃ النساء) ص ۲۸۲

۲۶۔ دیکھئے: (الف) صحیح مسلم (کتاب الصیام، باب صوم عاشورہ) ۱/۳۵۹۔

(ب) سنن ابی داؤد (کتاب الصیام باب ان عاشورہ الیوم التاسع) ۱/۳۳۲

(ج) مشکوۃ المصابیح (باب صیام التطوع) ص ۱۷۸۔۱۷۹

۲۷ مسند احمد بحوالہ ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم، (اردو ترجمہ) ص ۴۶

۲۸ دیکھئے: (الف) سنن ابی داؤد (کتاب الصیام باب فی توکید السحور) ۳۲۰/۱

(ب) جامع ترمذی (ابواب الصیام باب ماجاء فی فضل السحور) ص ۱۲۵

۲۹ دیکھئے: سنن ابی داؤد (کتاب الصیام باب مایستحب من تعجیل الفطر) ۳۲۱/۱

۳۰ مشکوٰۃ المصابیح باب صلوٰۃ العیدین۔ الفصل الثانی

۳۱ ملا علی قاری۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (باب صلوٰۃ العیدین۔ الفصل الثانی۔ ۲۹۳/۳، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

۳۲ جامع ترمذی (ابواب الاستیذان، باب فی کراھیۃ اشارۃ الید فی السلام) ص ۳۸۶

۳۳ دیکھئے: (الف) صحیح مسلم (کتاب السلام باب النھی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام) ۲۱۴/۲

(ب) سنن ابی داؤد (کتاب الادب، باب فی السلام علی اہل الذمہ) ۷۰۷/۲

(ج) جامع ترمذی (ابواب الاستیذان باب ماجاء فی کراھیۃ التسلیم علی الذمی) ص ۳۸۷۔ نیز ابواب السیر ص ۲۴۹

۳۴ سنن ابی داؤد (کتاب الادب، باب الرجل یقوم للرجل یعظمہ بذالک) ۷۱۰/۲

۳۵ مشکوٰۃ المصابیح (باب القیام) ص ۴۰۳

۳۶ مشکوٰۃ المصابیح (باب الترجل) ص ۳۸۰

۳۷ ایضاً ص ۳۸۱

۳۸ ایضاً ص ۳۸۰

۳۹ دیکھئے (الف) صحیح بخاری (کتاب اللباس باب الخضاب) ۸۷۵/۲

(ب) صحیح مسلم (کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب خضاب الشیب) ۱۹۹/۲۔

۴۰ دیکھئے: (الف) صحیح مسلم (کتاب اللباس والزینۃ باب النھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر) ۱۹۳/۲۔

(ب) مشکوٰۃ المصابیح (کتاب اللباس) ص ۳۷۴

۴۱ دیکھئے: (الف) سنن ابی داؤد (کتاب اللباس باب فی العمائم) ۵۶۴/۲

(ب) مشکوٰۃ المصابیح (کتاب اللباس) ص ۳۷۴

۴۲ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الحریر) ۵۶۱/۲

۴۳ دیکھئے (الف) سنن ابی داؤد (کتاب الخاتم، باب ماجاء فی خاتم الحدید) ۵۸۰/۲۔
(ب) سنن نسائی (کتاب الزینۃ باب مقدار ما یجعل فی الخاتم من الذھب) ۲۴۹/۱ طبع کلاں نور محمد کراچی۔

۴۴ حدیث وفقہ کی کتابوں میں کتاب الاطعمہ اور کتاب لاشربہ کے اندر ان تمام مثالی آداب کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

۴۵ سید ابوالحسن علی ندوی، دستور حیات، ص ۲۰۹، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء

۴۶ المستدرک للحاکم (کتاب الایمان) ۶۱/۱۔۶۲، حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ

۴۷ ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء ۴۷/۱، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۳۲ء۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

استحکام پاکستان کا حصول

(سیرت طیبہ کی روشنی میں) ☆

پاکستان یا کسی بھی ملک میں داخلی خارجی حقیقی اور پائیدار استحکام، اس کی بنیادی فطری اور اولین ضرورت ہے۔ پھر انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ یہ استحکام رب کریم کے اس پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (۱) (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں (۲) جو اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب انبیاء علیہم السلام کی معرفت سارے انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح کے لیے عنایت فرمایا (۳) اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر رحمت اور رسول کریم کے ذریعے فرمادی (۴) پھر یہ بھی عقلاً نقلاً اور تجربتاً ضروری ہے کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے اس کے واسطے متعین راستوں کو اپنایا جائے۔ (۵)

ترجو النجاۃ ولم تسلک مسالکھا
ان السفینۃ لاتجری علی الیبس

ورنہ

ترسم کایں راہ تو میروی
بکعبہ نرسد اے اعرابی!

والی بات ہوگی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اپنے استحکام اور بقاء کے لیے دین اسلام (اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ) کو کلی طور پر (نہ کہ جزوی طور پر) اختیار کرنا بوجوہ لازمی ہے۔

☆ یہ مقالہ بفضلہ تعالیٰ وزارتِ مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیر اہتمام سالانہ قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء کے موقعہ پر انعامی مقابلہ مقالات سیرت (پنجاب) میں دوسرے انعام کا مستحق قرار پایا۔

اولاً: یہ اس کی بنیادی اور فطری ضرورت ہے۔

ثانیاً: بحیثیت مسلمان ایمانی و مذہبی تقاضا ہے

ثالثاً: قیام پاکستان کا مقصد ہی لا الہ الا اللہ (اسلامی نظام کا نفاذ) تھا اور اس چیز کی صراحت بانیان پاکستان نے تحریک پاکستان کے دوران اور بعد میں کئی مرتبہ فرمائی۔(۵)

رابعاً: پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ نمبر۲ (جزء نمبر۱) میں ہے:

Islam shall be the state religion.

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع "استحکام پاکستان کا حصول سیرت طیبہ کی روشنی میں" کی طرف آتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ پاکستان میں پائیدار اور حقیقی استحکام، داخلی و خارجی امن، معاشرتی سکون، عوام کی جان و مال کا تحفظ، سرحدوں کی حفاظت، سیاسی معاشی خود مختاری، اقتصادی ترقی اور خوشحالی کے لیے حکومت پاکستان کو ریاست مدینہ منورہ کے نبوی طرز حکومت پر خلوص دل، ایمانداری، دیانتداری ملک وقوم کی تعمیر و ترقی کے واقعی جذبہ کے تحت (نہ کہ سیاسی بلیک میلنگ، ذاتی شہرت اور ڈنگ ٹپاؤ طرز پر) درج ذیل اقدامات پر عمل کرنا ہوگا ورنہ یہ مقالات سیرت اور قومی سیرت کانفرنس "نشستند و گفتند و برخاستند" کے سوا کچھ نہیں۔ دل میں خلوص اور ملک وقوم کی خدمت کا واقعی جذبہ ہوگا تو انشاء اللہ استحکام پاکستان کی منزل چند قدم پر ہے۔

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام بڑھوں اور منزل سامنے آ جائے

جرءتمند اور مخلص قیادت کی ضرورت

کسی بھی ملک کی داخلی و خارجی سلامتی کے لیے چند لازمی عناصر ہوتے ہیں جن کا گراف جس قدر اونچا ہوتا ہے ملک اسی قدر مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور جتنا گراف نیچے آتا

ہے ملک اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی چیز یا راس العناصر جرء تمند، نڈر اور مخلص قیادت ہے جو نا مساعد حالات میں بھی قوم میں مایوسی پیدا نہ ہونے دے۔ قوم کے سامنے ایسا بلند نصب العین پیش کرے جو اتنا واضح ہو کہ قوم کو اس کی حقانیت میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ پھر قیادت اس نصب العین کے ساتھ اتنی مخلص ہو کہ قوم کا کوئی فرد اس کے اخلاص پر انگلی نہ رکھ سکے۔ قیادت میں اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو قوم کی طرف سے وفا ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور قوم و قیادت کے درمیان اس طرح کا وفادارانہ تعلق ملکی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اعلان نبوت کے بعد کونسی ایسی اذیت اور مصیبت ہے جو مکہ مکرمہ میں آپ کو پیش نہیں آئی۔ مگر آنجنابؐ نے ان کٹھن حالات میں بھی نہ خود ہمت ہاری نہ پستی دکھائی نہ اپنے مشن سے پیچھے ہٹے (۶) نہ اپنے ماننے والوں (صحابہ) کا حوصلہ پست ہونے دیا بلکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے انہیں عرب و عجم کے باجگوار ہونے کا مژدہ سنایا۔ (۷) لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی خیر خواہی اور غمخواری کی چشم دید گواہی آپ کی قریب ترین شخصیت یعنی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے دی ہے۔ (۸) اپنی قوم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا بے مثال طرز عمل آپ نے اس وقت بھی نہ چھوڑا جب آپ دس لاکھ مربع میل کے واحد حکمران تھے (۹) اور جب رب کریم نے آپ کے واسطے زمین کے خزانے کھول دیے بلکہ زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت فرمادی تھیں (۱۰) جب آپ کے سامنے ہدایا خمس جزیہ اور مال غنیمت کا ڈھیر لگ جاتا تھا (۱۱) اور جب آپ کے لیے پہاڑوں کو سونا بنادیئے کی پیشکش کی گئی تھی۔ (۱۲)

اپنی لیڈری چمکانے کے لیے عوام کی ہمدردی خیر خواہی اور خدمت کے نعرے لگانے والے بہت مل سکتے ہیں مگر چشم فلک نے آج تک ایسا قائد نہیں دیکھا جس پر ہن برس رہا ہو، اقتدار قدم چوم رہا ہو، عیش و آرام کے تمام مواقع میسر ہوں مگر وہ یہ دعا کر رہا ہو۔

اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (۱۳)

المختصر پاکستان کے استحکام کے لیے سب سے پہلے جرءت ایمانی اور اخلاص کی حامل قیادت کی ضرورت ہے جو ملک وقوم کے لیے عملی طور پر اخلاص کا ثبوت دے۔

عوام کی ذہن سازی

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے محض قانون اور ڈنڈے کے زور سے لوگوں کی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ آپ نے سب سے پہلے لوگوں کے ذہن، سوچنے کے انداز اور ان کے غور وفکر کے اسلوب کو بدلا ہے یہ چیز آپ کے فرائض نبوت میں بھی داخل تھی (۱۴) اور یہی چیز ایمان ہے۔ اس ذہن سازی یا تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ ہر فرد آسمان ہدایت کا درخشندہ ستارہ قرار پایا (۱۵)

اسی انداز میں پاکستانی قوم کو اپنی اصلیت کی پہچان کرانے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اغیار کے مقابلے میں احساس کمتری اور مرعوبیت کو ختم کر کے احساس برتری یا احساس خودشناسی اور خوداعتمادی پیدا کرنا ضروری ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
میری آنکھ کا سرمہ ہے خاک مدینہ ونجف

باہمی اتحاد واتفاق اور بھائی چارہ کی ضرورت

ملک کے اندرونی اور بیرونی استحکام کے لیے عوام کے درمیان اتحاد واتفاق اور بھائی چارہ کا ہونا لابدی امر ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو قومی اتحاد اور

یکجہتی کی طرف متوجہ کیا گیا اور انتشار کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔(۱۶)

نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔(۱۷)

ایک دوسرا ارشاد یوں ہے:

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی (۱۸)

عام مشاہدہ ہے کہ جس مکان یا دیوار کی اینٹیں باہم مربوط نہ ہوں لوگ وہ اینٹیں ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ عرب قبائل میں جنگ وجدال اور پشت در پشت عداوت تاریخ انسانی کا ایک تاریک باب ہے مگر نبی رحمت ﷺ نے ان کی باہمی عداوتوں اور نفرتوں کو ختم کر کے بھائی بھائی بنایا (۱۹) اور ان کے درمیان ایسی مؤاخات قائم فرمائی جس کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔

پاکستان کا قیام کسی ایک صوبے کسی ایک مکتبہ فکر اور مسلک کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں۔ تحریک پاکستان میں تمام مکاتب فکر اور جملہ مسالک کے لوگ آزادی کی جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر قیام پاکستان کے بعد بعض خودغرض اور مفاد پرست عناصر نے صوبائی لسانی اور پھر مذہبی ومسلکی جزوی وفروعی اختلافات کو ہوا دے کر تشدد وتعصب اور فرقہ واریت کو جنم دیا ہے۔ اتمام حجت کے طور پر ایسے لوگوں کو حکومت سمجھائے اور انہیں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی طرف توجہ دلائے اس کے باوجود اگر کوئی فتنہ پرداز ملی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے تو بلاخوف وخطر اس کی زبان کو گدی سے کھینچ لیا جائے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ایما رجل خرج یفرق بین امتی فاضربوا عنقہ رواہ النسائی (۲۰)

(جو آدمی بھی میرے امت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے

اس کی گردن ماردو)

تقریباً اسی مفہوم کا دوسرا ارشاد نبوی ہے:

من اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضر بوه بالسیف کائنا ما کان (۲۱)

دیانتدار، اہل اور خادم انتظامیہ کا تقرر

ملکی استحکام کے لیے حکومت کے چھوٹے بڑے تمام عہدوں پر انتہائی دیانتدار، اہل، باصلاحیت اور خادم (نہ کہ حاکم) بن کر قوم کی خدمت کرنے والے افراد کا تقرر از بس ضروری ہے۔ (۲۲) بددیانت کرپٹ اور نااہل لوگ نہ صرف ملک کا وقار بلند نہیں کر سکتے بلکہ ملکی سالمیت و بقاء کو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اسلام میں کوئی بھی حکومتی عہدہ ایک امانت اور انتہائی ذمہ داری کی چیز ہے۔ دوسرے لفظوں میں کانٹوں کی سیج ہے نہ کہ پھولوں کی (۲۳) کوئی حکومت اگر کسی نااہل آدمی کو کسی منصب پر فائز کرتی ہے تو قرآن مجید اسے خیانت قرار دیتا ہے۔ (۲۴) ابن تیمیہ نے زیادہ اہل اور مستحق شخص کے مقابلے میں کسی بھی وجہ سے دوسرے آدمی کے تقرر کو اللہ ورسول اور مؤمنوں کے ساتھ غداری اور بے وفائی قرار دیا ہے۔ (۲۵)

عہد نبوی میں عمال اور حکومتی کارندوں کا تقرر ہمیشہ ان کی ذاتی اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا۔ حضور عمال کی تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر بنا کے روانہ فرمانے لگے تو پوچھا تم کس طرح لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے حسب منشا جواب دیا تو انہیں شاباش دی۔ (۲۶) آگے چل کر خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظمؓ نے تو عمال کو تقرری سے قبل کئی چیزوں کا پابند بنایا۔ (۲۷)

پاکستان میں اب تک سرکاری ملازمتیں میرٹ اور ذاتی اہلیت کی بجائے زیادہ تر اقرباء پروری، جماعتی وسیاسی وابستگی، ذاتی پسند وناپسند، سفارش اور رشوت کی بنیاد پر دی گئیں اور ایسے نااہل لوگوں کو دی گئیں جن کی نااہلی کیوجہ سے سرکاری ادارے تباہ ہو گئے۔ ملک میں

لوٹ مار اور کرپشن اتنی عروج پر پہنچی کہ پاکستان دنیا کے کرپٹ ممالک میں دوسرے نمبر پر آ گیا (اداریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۹ جولائی ۹۶ء) اور یہ دوسرا نمبر بھی مک مکا کر کے کرایا گیا ورنہ پاکستان کرپشن میں پہلے نمبر پر تھا (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۲ دسمبر ۹۶ء) مختلف بڑے بڑے حکومتی اداروں میں دو ارب روپے کی روزانہ کرپشن خورد برد اور ان کی زیرو بلکہ نقصان دہ اور خسارہ زدہ کارکردگی کا اعتراف وزیر اعظم پاکستان جیسے باخبر اور ذمہ دار نے علی الاعلان کیا ہے۔ (۲۸) لہٰذا ملکی استحکام کے لیے ناگزیر ہے کہ حکومتی عہدوں پر صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر اہل اور ایسے بے لوث لوگوں کا تقرر کیا جائے جو "حاکم اور محکوم" کی سامراجی ذہنیت کی جگہ "خادم اور مخدوم" کی اسلامی سوچ رکھتے ہوں۔

تعیّشات پر پابندی

ملکی عدم استحکام بلکہ زوال کا ایک بڑا سبب وہاں کی رعایا بالخصوص اہل حکومت و اقتدار کا تعیشات اللوں تللوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا تھا

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتی کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بود و باش کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ (۲۹) Vip اور VV.I.P کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت سے بڑھ کر کون دنیا میں VIP ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی (۳۰) آپ کے لیے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ (۳۱) دس لاکھ مربع میل کے حکمران (۳۲) کی رہائش جس "ایوان صدر" یا "وزیر اعظم ہاؤس" میں تھی اس کا طول و عرض آج بھی "گنبد خضریٰ" سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب والعجم کی رہائش گاہ کے

"سامان تعیش" اور "کل دنیا" کی تفصیل اور چشم ہے گواہی آج بھی پڑھی جاسکتی ہے۔(۳۳)

اس کے بالکل برعکس اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمران عوامی نمائندے، نوکر شاہی اور بیوروکریسی تو سامراجی دور کی یادگار کوئی "آسمانی مخلوق" نظر آتی ہے۔ ملک عزیز میں حکمرانوں عوام کے نمائندوں اور پبلک کے درمیان معاشی و معاشرتی حقوق کے اعتبار سے کتنا تفاوت پایا جاتا ہے اس کی تفصیل روزنامہ نوائے لاہور مؤرخہ ۱۳ جنوری ۹۶، مورخہ ۲۴ جنوری ۹۶ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۵ مارچ ۹۷ کے مطابق پرائم سنٹر سیکٹر ٹریٹ کے لیے پیچھے جو ایک فانوس منگوایا گیا اس پر ایک کروڑ روپیہ خرچ آیا۔ یہ خبر تو "مشتے از خروارے" کے طور پر ہے کیونکہ پاکستانی حکمرانوں کی شاہ خرچیوں اور خرستیوں کی تفصیل کا حامل یہ مضمون نہیں ہوسکتا جبکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا: ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیس بالمتنعمین (۳۴) ایک صحابی کے مکان پر بالاخانہ کو پسند نہ فرمایا (۳۵) پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔(۳۶)

بنابریں پاکستان میں VIP کلچر کا ختم کیا جانا انتہائی ناگزیر ہے۔ ورنہ حکمرانوں کے جداگانہ اور نمایاں طرز زندگی سے عوام کے ذہن میں ان کے خلاف حقارت اور نفرت میں مزید شدت آئے گی جس سے داخلی اتحاد متاثر ہوگا۔

معاشی واقتصادی ترقی

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔ اسلام جو ایک فطری مذہب ہے، نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے مال کو انسانوں کے لیے "مایہ زندگی" قرار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔(۳۷) فقہاء اسلام نے اس آیت سے حفظ مال وعدم تضیع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔(۳۸)

معاشی ترقی اور خود انحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں، کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یہ شکم

کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا معاشی و اقتصادی ترقی اور خود کفالت کے لیے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

(۱) زرعی ترقی

کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی زرعی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روزمرہ کی غزائی ضروریات زراعت اور باغبانی ہی کی مرہون منت ہیں۔ ملک عزیز میں آٹے کا حالیہ بحران اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے:

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (۳۹)

رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

حضور اکرم ﷺ نے بذات خود بھی مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی (۴۰) آپؐ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا۔ (۴۱) کیونکہ گھروں میں آلات زراعت کو بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں زراعت و باغبانی کے لیے متعدد اشارات ملتے ہیں۔ (۴۲)

زرعی ترقی کے لیے درج ذیل اصلاحات مفید ہو سکتی ہیں:

(الف) موات (بنجر اور بے کار سرکاری زمینیں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ کی جائیں جو انہیں آباد کریں۔ اسلام بنجر زمینوں کو کسی فرد کی ملکیت بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو حکومت کی ملکیت بھی تسلیم نہیں کرتا (۴۳) بلکہ وہ اسے اس شخص کی ملکیت قرار دیتا ہے جو اسے آباد کرے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

جو آدمی کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کی ہے۔ (۴۴)

حضور اکرم نے خود بھی کئی صحابہ کو آبادکاری کے لیے زمینیں (جاگیریں) عنایت فرمائیں۔ (۴۵)

(ب) جن جاگیرداروں کو انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے صلے میں ہزاروں ایکٹر اراضی ملی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کر کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

(ج) جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے یعنی وہ تین سال تک آباد نہ کرے تو وہ زمین اس سے واپس لے لیجائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

"اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اب متجر (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق نہیں (۴۶) حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بلالؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی اور مؤذن رسول سے وہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں خود حضور اکرم نے عطا کی تھی مگر دور فاروقی تک وہ اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔ (۴۷) یوں تمام غیر مزروعہ زمینیں آباد ہو سکتی ہیں اور جاگیرداری نظام کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(د) زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لیے نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے پانی کو سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا ہے۔ (۴۸) سمندروں دریاؤں قدرتی چشموں حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت نہیں (۴۹)

جن صورتوں میں پانی پر شخصی ملکیت کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی زائد از ضرورت پانی کو روک رکھنے اور بیچنے سے نبی اکرم نے منع فرمایا ہے۔(۵۰)

(ھ) زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لیے قرضے، آلات زراعت (ٹریکٹر وغیرہ) اور بیجوں کی فراہمی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی (۵۱) زرعی اجناس کی فروخت کے لیے آڑھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہیے۔

(۲) صنعت وحرفت

معاشی استحکام اور وسائل معیشت میں صنعت وحرفت کو کلیدی اہمیت حاصل ہے قرآن مجید میں صنعت وحرفت جو عمرانی اور تہذیبی لحاظ سے نہایت قابل اعتماد اور مستحکم ذریعہ معیشت ہے، کو ذریعہ معاش بنانے کے اشارات ملتے ہیں (۵۲) حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے: اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں (۵۳) آپ نے فرمایا اللہ اس مسلمان کو پسند کرتا ہے جو صنعت وحرفت کرتا اور کماتا ہے۔(۵۴)

غذائی اجناس اور ضروری مصنوعات میں دوسرے ملکوں کی محتاجی کسی حالت میں بھی کسی ملک کے لیے خوش آئند امر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے ہر ایسی چیز کی تعلیم اور اس کی تیاری (صنعت) کو فرض (فرض کفایہ) قرار دیا ہے جو مسلمانوں کی دنیوی ضروریات اور مادی زندگی کے لیے لابدی ہے۔(۵۵) موجودہ دور میں صنعتی ترقی اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہے اور جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام مسلمانوں کو دفاعی قوت و استحکام کے لیے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔(۵۶) چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی، فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کو فروغ دیے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لیے

ان چیزوں (صنعتوں) کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے" (۵۷) لہٰذا صنعتی یونٹ میں ترقی کے لیے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولت اور تحفظ فراہم کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات پر خریدار کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے مصنوعات کے معیار پر کڑی نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۳) تجارت میں فروغ

تجارت (تبادل منافع) (۵۸) تحصیل مال اور اقتصادی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے (۵۹) تجارت کے فروغ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کے بے شمار دنیوی فوائد اور برکات بتائی ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں "کتاب البیوع" وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔ حضورؐ نے خود بھی تجارت فرما کر اس پیشے کو اعزاز بخشا (۶۰)

اسلام میں تجارت سے مقصود محض نفع کمانا نہیں بلکہ انسانی ہمدردی باہمی تعاون اور خدمت خلق ہے۔ مادی منفعت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے نبی رحمت ﷺ نے تجارت میں ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن میں لوگوں کا استحصال ہوتا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا دھوکہ ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے صحاح ستہ اور مشکوٰۃ اور کتب فقہ میں "کتاب البیوع" کو دیکھا جا سکتا ہے۔

المختصر معاشی ترقی و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ

i۔ اندرون اور بیرون ملک تجارت کے فروغ کے لیے کاروباری لوگوں کو تمام ممکنہ مراعات اور تحفظ فراہم کیا جائے اور ان پر ناروا ٹیکس عائد کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ٹیکس کی زد بھی بالآخر صارفین پر ہی پڑتی ہے۔

ii۔ کاروباری معاشیات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے

لیے دیانتدار افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیوں کا ازالہ کرے۔ مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتکب افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

iii۔ ہر قسم کے معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعے بڑے صنعتکار اور تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں ہو پاتے۔

iv۔ سامان تعیش اور شرعی نقطہ نگاہ سے ناجائز اور حرام اشیاء کی تیاری اور درآمد پر پابندی عائد کی جائے۔

(۴) دولت کی منصفانہ تقسیم

معاشی ترقی واستحکام کے لیے لازمی ہے کہ ملک میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال و دولت خواہ کسی شکل میں ہو اللہ کا پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے (۶۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت، زمین اور گھر بار ہے اس میں اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خود مختار مالک کی (۶۲) پھر اللہ کریم نے معاش کے اندر جو تفاوت اور اونچ نیچ رکھی ہے اس کے اندر کئی تکوینی مصلحتیں اور بندوں کا امتحان ہے (۶۳) ایک روایت کے مطابق بعض لوگوں کی غربت اور تنگدستی اس لیے نہیں کہ (العیاذ باللہ) ان کے دینے کے لیے اللہ کے پاس کچھ بچا نہیں بلکہ اس سے مالداروں کی آزمائش مقصود ہے کہ وہ اپنے مال میں اللہ کی طرف سے عائد کردہ غرباء و مساکین کے حقوق کو کہاں تک پورا کرتے ہیں۔ (۶۴) پتہ چلا کہ مال کے اندر تفاوت تکوینی مصالح کے تحت ہے نہ کہ تشریعی حکم کے تحت اور ہم تکوینی نظام کے نہیں بلکہ تشریعی نظام کے مکلف ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ دولت کو کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ

جانا چاہیے (٦٥) بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی پہنچنی چاہیے جو پیدائش دولت کے عمل میں اگرچہ براہ راست تو حصہ نہیں لیتے مگر دولت کے حقیقی اور اصل مالک رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں (٦٥ الف) ایسے افراد میں ماں باپ اولاد قریبی رشتہ دار یتیم محتاج فقراو مساکین سائل مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں (٦٦)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے شریعت مصطفوی نے ایک طرف تو ان راستوں کو مسدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے۔ دوسری طرف زکوٰۃ صدقات نفقات کفارات وصیت وراثت وقف ہبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیے ہیں جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورتمندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔ یہ بات عدل وانصاف اور اسلامی مزاج کے خلاف ہے کہ انسانی معاشرے میں لوگوں کی صورت حال کچھ یوں ہو کہ

ہے ادھر بھی آدمی، ہے ادھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک، اس کے چہرے پر نہیں

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے ننگے پاؤں ننگے جسم اور افلاس زدہ لوگوں کو دیکھا تو پریشان ہو گئے اور اس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا اہتمام نہ ہو گیا (٦٧) آپ نے اس امر کو ایمان کے منافی قرار دیا کہ ایک آدمی خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی رات بھوکے ہی گزارے (٦٨) ایک دفعہ ایک ضرورتمند کو دیکھ کر فرمایا "جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادراہ ہے وہ اس بھائی کو دیدے جس کے پاس زادراہ نہیں۔ راوی (حضرت ابوسعید خدریؓ) کہتے ہیں: آپ نے اسی طرح مختلف اموال کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل ونرائد مال میں کوئی حق نہیں۔ (٦٩)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے دو کام بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

i۔ ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ۔ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود حرام اور اللہ و رسول سے جنگ تو ہے ہی (۷۰) عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت بلکہ ''ام الجنائث'' یا ایسا ''مردار'' ہے کہ جب تک اسے نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا ''کنواں'' پاک نہیں ہو گا۔ موجودہ اضطراری حالت میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر مستقلاً اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی نہ شرعاً نہ قانوناً نہ اخلاقاً۔

ii۔ دوسرا کام نظام زکوٰۃ کا مؤثر بھرپور اور دیانتدارانہ نفاذ ہے۔ لنگڑے لولے اور برائے نام نظام زکوٰۃ تھا کے نفاذ سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اس کو ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت افلاس تنگدستی اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج (یا اپریشن) ہے۔ ارشاد نبوی ہے: ''یہ زکوٰۃ اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور (اسی علاقے کے) فقراء پر خرچ کی جائے گی۔ (۷۱)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجہ معاشی تفاوت کو ختم کرنے اور ضرورتمندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام زکوٰۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے۔ باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اس لیے کہ

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف

ملکی استحکام میں قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف کو بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حکومت افراد کی نہیں بلکہ قانون کی ہونی چاہیے۔ قرآن مجید کے مطابق نفاذ

قانون میں مجرمین کی ذاتی اور معاشرتی حیثیت کو نہیں دیکھا جانا چاہیے (۷۲) ازدشیر شہنشاہ
ایران نے اپنے بیٹے سے کہا تھا۔

ان الملک والعدل اخوان لاغنی باحدھما عن الآخر
فالملک اس والعدل حارس (۷۳)

بے شک ملک اور عدل آپس میں بھائی ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے
ملک بنیاد ہے تو عدل نگران "**King can do no wrong**" انگریزی قانون کا
اصول ہے اسلامی قانون کا اصول نہیں۔ اسلام میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی اور عالی منصب
قانون سے بالاتر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی ذات کے خلاف ٹارٹ
اور دیوانی دونوں قسم کے متعدد مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے فرمائے۔ (۷۴)
نبی اکرمؐ نے مدینہ منورہ، ہجرت فرمانے کے بعد یہود اور دوسرے قبائل سے جو ایک تحریری
معاہدہ "میثاق مدینہ" مرتب فرمایا تھا اس کی دفعہ نمبر ۱۳ یہ تھی کہ "متقی ایمان والوں کے ہاتھ
ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا
تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر
ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو" (۷۵)

یہ دفعہ صرف کاغذی اور زبان کی حد تک نہ تھی بلکہ آپ نے زندگی بھر اس پر عمل
بھی فرمایا۔ فتح مکہ کے موقعہ قریش کی ایک معزز خاتون پر چوری کا جرم ثابت ہونے پر اسے
سزا سے بچانے کے لیے آپ کے محبوب ترین غلام زادے حضرت اسامہ نے سفارش کی تو
فرمایا تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ بڑوں کو قانون سے بالاتر سمجھا جاتا تھا
اور چھوٹے لوگوں کو پکڑ لیا جاتا تھا۔ پھر فرمایا۔

"**لوسرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدھا**" (۷۶) اگر میری بیٹی
فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدین اور خلفائے
اسلام نے قانون کی بالادستی اور قانونی مساوات کی کئی مثالیں قائم کیں۔ پاکستان میں بعض

حکام بالا کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ قانون شکن لوگ اپنے سیاسی منصبی یا مالی اثر ورسوخ سے قانون کی زد سے بچ جاتے ہیں جس کی وجہ سے مجرمین کی حوصلہ شکنی کی بجائے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک عزیز میں نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال نہ عزت۔ قتل ڈکیتی لوٹ مار اور عصمت دری کے واقعات سے روزانہ کے اخبارات بھرے ہوتے ہیں حالانکہ نبی پاک نے ان چیزوں کو اسی طرح قابل احترام قرار دیا ہے جس طرح بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کا شہر قابل احترام ہے۔ (۷۷)

اگر کوئی کسی طرح عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو حصول انصاف اتنا پیچیدہ مشکل مہنگا اور صبر آزما ہے کہ اس کے لیے مولانا حامد الانصاری کے الفاظ میں ''قارون کا خزانہ، جھوٹے گواہوں کی فوج، رشوت کی تھیلیاں، عمر نوح اور صبر ایوب کی ضرورت ہے'' (۷۸)

لہٰذا قانون کی بالادستی اور بے لاگ انصاف کے لیے عدالتوں میں جہاں دیانتدار اور جرءتمند ججوں کا تقرر ضروری ہے وہاں عدالتوں کو ہر قسم کے سیاسی دباؤ اور حکومتی مداخلت کے آزاد ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی بھی ضروری ہے اور عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کرنا اور کرانا بھی حکومت کا فرض ہے۔

مضبوط دفاعی وحربی قوت

کسی بھی ملک کے استحکام اور باعزت بقاء کے لیے اس کے نظام دفاع وحرب کا مضبوط ہونا ہر زمانے میں ایک لازمی تقاضا رہا ہے۔ کیونکہ انسانی نفسیات ہے کہ کسی حملہ آور انسان کو اگر یہ معلوم ہو کہ جس آدمی یا ملک پر وہ حمل کرنے لگا ہے، وہ غافل کمزور اور چوڑیاں پہن کے نہیں بیٹھا ہوا بلکہ پوری طرح مسلح مضبوط اور تیار ہے تو وہ حملہ کرنے سے پہلے دس بار سوچے گا اور اگر کوئی ملک دفاع کی ذاتی قوت وصلاحیت نہیں رکھتا تو اس کے لیے حکیم مشرقؒ کا فیصلہ ہے:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دفاعی میدان میں دشمن کے مقابلے میں بھرپور تیاری حفاظتی تدابیر اور تمام ممکنہ وسائل اپنانے کی تاکید کی ہے تاکہ کسی دشمن اسلام کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنے کی بھی جرءت نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

''يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ'' (۷۹)

(اے ایمان والو اپنی احتیاط کرلو یا اپنے ہتھیار تیار رکھو)

مفسرین کے مطابق ''حذر'' کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے۔ دفاع اور جنگی تیاری کے سلسلے میں حکم الٰہی ہے!

ترجمہ: ''اور ان (دشمنان اسلام) سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو۔ طاقت سے اور جہاد کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعے تم خوف زدہ رکھ سکو اللہ کے دشمنوں کو، اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو جن کو تم نہیں جانتے ہو مگر اللہ انہیں جانتا ہے'' (۸۰)

زمخشری، بیضاوی، رازی اور ابوبکر جصاص وغیرہ حضرات مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ''ما'' اور ''قوۃ'' کا لفظ عام ہے، جس میں قیامت تک تیار ہونے والے ہر زمانے کے جنگی تقاضوں کے مطابق جدید آلات اور سامان جنگ داخل ہے جو اپنے زمانے میں دشمن کے خلاف طاقت حاصل کرنے اور اس پر خوف طاری رکھنے کا ذریعہ بن سکے۔ اسی طرح ''رباط الخیل'' سے مراد وہ تمام اسباب و وسائل ہیں جن سے میدان جنگ میں دشمن کو نیچا دکھایا جا سکے۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے دس سال دشمنان اسلام سے عملاً جہاد یا جہاد کی تیاری میں گزرے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں:

''آپ ہمیشہ لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے تھے۔ نشانہ بازی کی مشق بھی کرواتے، خود بھی وہاں جاتے اور اپنے سامنے گھڑ دوڑ کراتے۔

مقریزی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پانچ اول آنے والے
گھوڑوں کو انعام دیا کرتے تھے......اس کے ساتھ آپ نے ہتھیاروں
گھوڑوں اور اونٹوں کے خریدنے کی طرف بھی توجہ فرمائی"(۸۱)

آپ نے اپنے زمانے کے جدید آلات حرب مثلاً دبابہ منجنیق اور حسق وغیرہ کا بھی استعمال فرمایا۔(۸۲)

دور جدید کے جنگی ہتھیاروں میں ایٹم بم سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔ ایٹمی طاقتیں بالخصوص امریکہ آج کل اپنے نیوورلڈ آرڈر کے تحت ایٹمی تجربات پر پابندی کے جامع سمجھوتہ (CTBT) پر تمام ممالک سے دستخط کرانے کی مہم چلا رہا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کو بھی دستخط کرنے پر سبز باغات دکھائے جا رہے ہیں جبکہ یہ دستخط درحقیقت قومی سلامتی اور ملکی ودفاعی تقاضوں کے پیش نظر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ پاکستان نے اگر ایٹمی طاقت بننے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے تو یہ کونسا جرم ہے؟ کیونکہ ایٹمی طاقت بننا اگر اصلاً جرم ہے تو امریکہ سب سے بڑا مجرم ہے۔ روس بھی مجرموں کی صف میں شامل ہے۔ اسرائیل بھی اسی کہٹرے میں کھڑا ہے۔ برطانیہ چین اور فرانس بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بھارت بھی ایٹمی تجربہ کر کے بیٹھا ہوا ہے۔ بھارت پاکستان پر تین مرتبہ جارحیت کا مرتکب ہو چکا ہے۔ بھارت کی کھلم کھلا جارحیت کے باوجود انسانی حقوق اور امن عالم کا کوئی چیمپین پاکستان کی مدد کے لیے نہ آیا۔ ایسے حالات میں "وٹہ سٹہ" کی طرح "بھارت دستخط کرے تو ہم بھی دستخط کر دیں گے" کی رٹ قطعاً قرین مصلحت نہیں۔ صاف اعلان کر دینا چاہیے کہ بھارت دستخط کرے یا نہ کرے پاکستان کسی صورت میں بھی CTBT پر دستخط نہیں کرے گا۔

درره منزل لیلیٰ که خطر هاست بجاں
شرط اول قدم آنست که مجنوں باشی

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سورہ آل عمران:۱۹

۲۔ سورۃ البقرہ:۸۵۔۲۰۸

۳۔ سورۃ الشوریٰ:۱۳۔سورۃ النساء۱۶۳۔۱۶۵

۴۔ سورۃ المائدہ:۳

5 (A)Muhammad Iqbal "Speeches and Statements of Iqbal" Lahore 1984, p-31.

(B) Muhammad Ali Jinnah "Some Recent Speeches and Writing of Mr Jinnah" Lahore p.18,366,367

۶۔ عامہ کتب سیرت، سیرت ابن ہشام، ابن کثیر ابن سعد وغیرہ

۷۔ (الف) ابن سعد الطبقات الکبری:۱:۲۰۲ بیروت ۱۹۶۰ء

(ب) تاریخ طبری:۲:۳۲۴ طبع مصر ۱۹۶۱ء

۸۔ صحیح بخاری:۱:۳ طبع کلاں کرزن پریس دہلی کراچی

۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۴۴ کراچی

۱۰۔ ''قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض'' صحیح بخاری:۲:۹۵۱ طبع دہلی

۱۱۔ (الف) خفاجی: نسیم الریاض شرح الشفاء:۱:۴۷۱ تا ۴۷۴ مصر

(ب) ماوردی: اعلام النبوہ:۲۱۱ طبع مصر

(ج) واقدی کتاب المغازی ۳:۹۴۳ آکسفورڈ

۱۲۔ ملاحظہ ہو: (الف) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد:۲۲:۲۸ بیروت

(ب) مشکوۃ المصابیح ص ۴۴۲ طبع کلاں سعید کمپنی کراچی

(ج) قسطلانی: المواہب اللدنیہ:۲:۳۸۹ بیروت

(د) طبقات ابن سعد:۱:۳۸۱ بیروت

۱۳ (الف) جامع ترمذی ص ۳۴۰ طبع کلاں نور محمد کراچی
(ب) قسطلانی، المداہب اللدنیہ ۲: ۳۸۹ بیروت

۱۴ سورۃ آل عمران: ۱۶۴ سورۃ الجمعہ: ۲

۱۵ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۴ طبع سعید کمپنی کراچی

۱۶ سورۃ آل عمران: ۱۰۳-۱۰۵- سورۃ الانعام ۱۶، سورۃ الانفال ۱۴۶- سورۃ الشوریٰ ۱۳

۱۷ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۴ طبع کراچی

۱۸ ایضاً ص ۳۲۴

۱۹ سورۃ آل عمران: ۱۰۳

۲۰ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۸ طبع سعید کمپنی کراچی

۲۱ ایضاً ص ۳۲۰

۲۲ ایضاً ص ۳۴۰ (سید القوم خادمہم)

۲۳ دیکھیے: (الف) صحیح مسلم (باب کراہۃ الامارۃ): ۲: ۱۲۱ طبع کلاں کراچی
(ب) امام ابو یوسف: کتاب الخراج: ص ۹ طبع بیروت
(ج) کنز العمال جلد ششم حدیث نمبر ۶۸-۱۲۲

۲۴ سورۃ الانفال: ۲۷

۲۵ ابن تیمیہ: سیاست الٰہیہ (اردو) ص ۱۷ لاہور طبع اول

۲۶ جامع ترمذی (کتاب الاحکام) ص ۲۱۰ طبع نور محمد کراچی

۲۷ کتاب الخراج لامام ابی یوسف: ۱۱۶ طبع بیروت

۲۸ ریڈیو ٹی وی پر قوم سے خطاب مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۹۷ء

۲۹ ابوعبید: کتاب الاموال (اردو): ۱: ۴۳۷ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
(ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبل کی تقریر۔ فتوح الشام ازدی ص ۱۰۵ کلکتہ)

۳۰ ملاحظہ ہو: (الف) صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶ طبع دہلی
(ب) صحیح مسلم: ۲: ۱۰۴ طبع کراچی
(ج) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳: ۲۴۹ طبع کراچی
(د) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان

۳۱ دیکھئے: (الف) سیرت نبویہ لابن کثیر: ۴: ۱۳۷ طبع قاہرہ

(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۴۵۱، ۴۵۲ طبع مصر

(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزہد: ص ۶۹ دار الفکر

(د) الماوردی: اعلام النبوہ: ص ۱۹۹ طبع ازھر، مصر

(ھ) ابن جوزی: کتاب الحدائق: ص ۲۹۷ بیروت

۳۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۳۴۴ طبع کراچی

۳۳ دیکھئے: (الف) صحیح بخاری: ۱: ۴۴۵ طبع دہلی

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰ طبع کلاں کراچی

(ج) امام احمد: کتاب الزہد: ص ۹۷ دار الفکر

(د) مسند ابی یعلی: ۱: ۱۱۱، ۱۱۲

(ھ) بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۲۵ بیروت، مکتبہ اثریہ لاہور

۳۴ مشکوۃ (باب فضل الفقراء: ص ۴۴۹ طبع کلاں کراچی

۳۵ سنن ابی داؤد (کتاب الادب) ۲: ۱۱۷ اصح المطابع کراچی

۳۶ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس) ۲: ۲۰۷ طبع کلاں کراچی

۳۷ سورۃ النساء: ۵

۳۸ جصاص: احکام القرآن تحت آیت

۳۹ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی (باب الکسب والتجارۃ والحث علی طلب الرزق)

۴۰ المبسوط للسرخسی: ۳۰: ۲۴

۴۱ بخاری کتاب الزراعۃ

۴۲ سورۃ الکہف: ۳۲۔ ۴۳ سورۃ الواقعہ ۶۳۔ ۶۴

۴۳ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸: ۵۸۶

۴۴ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری ۱: ۳۱۴ طبع کلاں کراچی

(ب) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص ۶۵۔ ۶۴ بیروت

(ج) المحلی لابن حزم: ۸: ۲۳۶ مسئلہ نمبر ۱۳۴۸ مصر

(د) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۷ طبع کلاں کراچی

(ھ) زیلعی: نصب الرایہ (کتاب الغصب)

۴۵ (الف) کتاب الخراج لیحییٰ ابن آدم ص ۹۳ طبع بیروت

(ب) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو) ۱:۴۶۱ طبع اسلام آباد

(ج) سنن ابی داؤد:۲:۴۳۵

۴۶ بدائع الصنائع للکاسانی:۶:۱۹۴

۴۷ (الف) سنن ابی داؤد:۲:۴۳۵

(ب) یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج ص ۹۳ بیروت

۴۸ (الف) سنن ابن داؤد:۲:۴۹۲

(ب) المبسوط للسرخسی:۱۲:۱۶۴

۴۹ کاسانی: بدائع الصنائع (کتاب الشرب) ج۶ ص ۴۵۲ دیال سنگھ لائبریری لاہور

۵۰ دیکھیے: (الف) صحیح مسلم:۲:۱۸ طبع کلاں کراچی

(ب) سنن ابی داؤد:۲:۴۹۲ طبع کلاں کراچی

(ج) جامع ترمذی ص ۲۰۴ طبع کراچی

(د) یحییٰ ابن آدم، کتاب الخراج ص ۱۰۷ بیروت

۵۱ طحاوی: شرح معانی الآثار:۲:۲۶۱ طبع دہلی

۵۲ سورۃ الحدید:۲۵ سورۃ الاعراف ۲۶ سورۃ النحل:۴۴ سورۃ سبا:۱۰-۱۱

۵۳ مشکوٰۃ ص ۲۴۱ طبع کلاں کراچی

۵۴ امام غزالی۔ احیاء علوم الدین (باب فضل الکسب) ۲:۶۳

۵۵ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (ابواب طلب الرزاق) جلد ۲

۵۶ سورۃ الانفال:۶۱

۵۷ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام:۱:۱۵۸

۵۸ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی عدد ۴۷ ص ۶ شوال ۱۴۱۵ھ

۵۹ سورۃ جمعہ:۱۵، سورۃ النساء:۲۹: سورہ فاطر:۱۲

۶۰ (الف) سیرت حلبیہ:۱:۱۲۱ تا ۱۲۳ طبع مصر

(ب) طبقات ابن سعد:۱:۱۲۱ طبع بیروت

۶۱ سورۃ المؤمنون:۸۴، ۸۵، ۸۸ سورۃ البقرہ:۲۸۴ سورہ نور:۳۳

۶۲ (الف) سورۃ حدید:۴

(ب) تفسیر کبیر للرازی:۲۹:۲۱۶ مصر

۶۳ سورۃ الانعام آخری آیت۔ سورۃ الزخرف:۳۲

۶۴ کنز العمال:۳:۲۹۳ حدیث نمبر ۶۸۶۱ حیدر آباد

۶۵ سورۃ الحشر:۷

۶۶ سورۃ البقرہ:۸۳،۱۷۷،۲۱۵، سورہ توبہ:۶۰

۶۷ صحیح مسلم:۱:۳۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

۶۸ مشکوۃ ص ۳۲۴ طبع سعید کمپنی کراچی

۶۹ صحیح مسلم:۲:۸۱، ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب حقوق المال

۷۰ سورۃ البقرہ:۲۷۹

۷۱ صحیح بخاری (کتاب الزکوۃ) ۱:۲۰۳ طبع دہلی

۷۲ سورۃ النساء:۱۳۵، سورۃ البقرہ:۱۷۸۔۱۷۹۔ المائدہ ۳۳۔۳۸

۷۳ ابن عبدربہ: العقد الفرید:۱:۲۷

۷۴ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۱۱۵،۱۱۶ طبع اردو اکیڈمی کراچی

۷۵ ایضاص ۱۰۱۔۱۰۰

۷۶ صحیح بخاری:۱:۴۹۴

۷۷ دیکھیے: (الف) سنن ابن ماجہ (ابواب الفتن) ص ۲۹۱ طبع کلاں دہلی

(ب) جامع ترمذی ص ۲۹۷

(ج) مشکوۃ ص ۲۲۵

۷۸ اسلام کا نظام حکومت ص ۳۸۶ مکتبہ الحسن لاہور

۷۹ سورۃ النساء:۱۷

۸۰ سورۃ الانفال:۶۰

۸۱ خطبات بہاولپور ص ۲۴۲۔۲۴۳ طبع اسلام آباد

۸۲ (الف) السہیلی روض الانف (فصل ذکر تعلیم اہل الطائف)

(ب) مقریزی امتاع الاسماع ص ۴۱۸ مطبعۃ التالیف ۱۹۴۱ء

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

حب رسول ﷺ اور اس کے عملی تقاضے ☆

حب رسول ﷺ کی دینی ضرورت ☆☆

اللہ کریم کے آخری نبی معظم و رسل محتشم سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کی دائمی و عالمی نبوت و رسالت پر جس طرح ایمان لانا فرض ہے اور جس کے بغیر کوئی آدمی شرعاً مومن کہلا سکتا اور نہ دائرہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے(۱) نیز جس طرح آپ ﷺ کی مطلق و غیرہ مشروط اطاعت و اتباع شرعاً لازم (۲) اور ہر لحاظ سے تعظیم و توقیر واجب ہے (۳) اور جو ایک مومن پر نبی رؤف رحیم ﷺ کا لازمی حق ہے، ٹھیک اسی طرح قرآن و حدیث کی رو سے رسول مقبول ﷺ کی

☆ یہ مقالہ ورلڈ وائڈ ویژن اسلام آباد کے زیر اہتمام منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی ۲۰۰۳ء (عشق رسول اور اس کے عملی تقاضے) کے لیے لکھا گیا اور بحمد اللہ اول انعام کا مستحق قرار پایا۔

☆☆ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ تعلق خاطر اور انتہائی قلبی میلان پر لغوی اعتبار سے اگرچہ "عشق" کا لفظ بولا جاسکتا ہے اور بہت سے علماء و شعراء نے "عشق رسول" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ تاہم اس کے لیے "حب رسول ﷺ" یا "محبت رسول ﷺ" کے الفاظ اولیٰ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ:

۱۔ ایک تو قرآن و حدیث کے علاوہ محدثین اور شارحین نے بھی بالعموم یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۲۔ دوسرے محبت اور عشق میں یہ فرق بھی ہے کہ محبت روح کے میلان صحیح کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے ظاہری و باطنی کمالات عالیہ کی وجہ سے محبت کیے جانے کے لائق ہو جبکہ معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو۔ محبوب بہر حال محبوب ہے خواہ اس کا کوئی محب ہو یا نہ ہو مگر معشوق اس وقت تک معشوق نہیں جب تک کہ کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔ مشہور مثل "لیلیٰ را بہ چشم مجنوں باید دید" شاید اسی چیز کی وضاحت کے لیے وضع ہوئی تھی۔ لہٰذا "لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا" کے قرآنی حکم کے پیش نظر رسول محتشم ﷺ کے لیے ایسا لفظ بولنے یا لکھنے سے اجتناب ہی مناسب ہے جس میں بے ادبی کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو۔

ذات والا شان کے ساتھ والہانہ اور ہر چیز سے زیادہ محبت رکھنا بھی واجب ہے(۴) کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ جب تک اس درجہ کی محبت اور اس قسم کا قلبی تعلق اور عزت وناموس رسالت ﷺ پر مر مٹنے کا حقیقی جذبہ و داعیہ پیدا نہ ہو، آدمی ایمان کی حلاوت پا سکتا ہے نہ کامل ایمان کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔(۵) نہ از روئے قرآن اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبت نبوی ﷺ ایمان کی روح ہے اور اس کے بغیر جملہ اعمال اور مقامات واحوال بے جان ڈھانچہ ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی چیز کو یوں خوبصورت شعری جامہ پہنایا ہے

مغز قرآں روح ایماں جان دیں

ہست حب رحمۃ للعالمین

علاوہ ازیں تاریخ شاہد ہے کہ محبت رسول ﷺ کے قدرتی اور فطری نتیجے میں ایک محب رسول ﷺ کے لیے ایمان کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ ورسول ﷺ کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ میں جان عزیز تک دینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس جس آدمی کے دل میں محبت رسول ﷺ کا کوئی جذبہ نہ ہو گا اس کے لیے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو جاتی ہے اور جتنا کچھ وہ کرتا بھی ہے تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی یا مجبوری کی سی ہوتی ہے جبکہ قران نبی اکرم ﷺ کے لیے اس اعزاز اور توقیر واکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو وہ آپ ﷺ سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے وہ آپ ﷺ کی صرف اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی وسول لیڈروں کے ساتھ عوام کا ایک رسمی یا مجبوری کا تعلق ہوتا ہے۔ قرآن صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی ادائیگی ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مطالبہ ہے:

"لِتُؤْ مِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (٦)

(تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور آپ ﷺ کی مدد کرو اور تعظیم کرو)

اس لیے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں آپ ﷺ کی عزت و حرمت کی حفاظت ہوتی ہو اور ہر اس چیز سے منع کر دیا جس سے آنجناب ﷺ کی ادنی بے ادبی یا بے ادبی کا شائبہ ہو اور جس سے (العیاذ باللہ) آپ ﷺ کی عزت مجروح آپ ﷺ کی رفعت شان گھٹتی اور آپ ﷺ کا "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" والا بلند مرتبہ کم ہوتا ہو۔

حب رسول ﷺ کی عقلی ضرورت (٧)

محبت نبوی ﷺ کی اس دینی، ایمانی، روحانی اور شرعی ضرورت و اہمیت اور حد درجہ افادیت و منفعت کے علاوہ اگر دنیا کے کسی بھی انسان کی آنکھوں پر فکری مذہبی اور نسلی تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے خدا واسطے کے بغض عناد اور مخالفت برائے مخالفت نے اس کے دل کے دریچے بند نہ کر دیے ہوں تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ عدل و انصاف اور عقل سلیم کا لازمی تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رحمت عالم ذات کے ساتھ ساری دنیا سے بڑھ کر اور ٹوٹ کر محبت کی جائے۔ کیونکہ محبت و پیار کی دنیا میں حسی ظاہری اور باطنی اعتبار سے محبت کے جتنے قدرتی و فطری عوامل محرکات اور اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً ظاہری حسن و جمال، باطنی اخلاقی اور علمی و فنی کمال اور نوال واحسان وغیرہ تو یہ سب اسباب و محرکات نبی کریم ﷺ کی جامع الصفات اور ہر جہت وزاویے سے بے عیب و محمود ذات میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ (٨) ان واقعی و حقیقی اسباب محبت یا کمالات نبوی ﷺ کی تفصیل سے ہماری حدیث، سیرت، تاریخ، فضائل و خصائص اور شمائل نبوی ﷺ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے باعث اہل اسلام کو دنیا میں جو ظاہری و باطنی انعامات ملے اور پھر آخرت میں ملنے

والے ہیں ان کی کوئی حد ہی نہیں۔ عہد نبوی ﷺ کی ایک نہیں بیسیوں ایسی مثالیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ظاہری حسن و جمال، چہرہ انور کے نور، اعضاء وبدن کے تناسب و خوبصورتی، حسن سیرت، حسن اخلاق، عفوودرگزر، ہمدردی، خیر خواہی، انصاف پسندی، جودو کرم اور احسان وایثار جیسے خداداد کمالات یا محرکات محبت نے اپنے تو اپنے بڑے بڑے جانی دشمنوں اور کٹر مخالفوں مگر انصاف پسند لوگوں مثلاً حضرت عمر فاروقؓ، عکرمہ بن ابی جہل، ثمامہ بن اثال، ابوسفیان بن حرب، سلمان فارسی، زید بن حارثہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) کو صرف آستانہ نبوت پر جھکایا ہی نہیں بلکہ انہیں ذات نبوی ﷺ کا ایسا گرویدہ اور جان نثار بنادیا کہ پھر دنیا کا کوئی حرص کوئی لالچ کوئی طمع، کوئی خوف، کوئی ڈر، کوئی رشتہ، کوئی تعلق ان کے ہاتھ سے حضور ﷺ کا دامن نہ چھڑا سکا۔

رسول کریم ﷺ کا مؤمنین کے ساتھ رشتہ

نبی کریم ﷺ کی سراپا رافت وشفقت ذات کا اہل ایمان کے ساتھ جو منفرد، بے مثال مخلصانہ خیر خواہانہ ہمدردانہ بے غرض بے لوث اور قریبی تعلق ہے، اس کا بھی فطری تقاضا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی محسن ذات سے ساری کائنات بلکہ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبت کی جائے۔ چنانچہ مؤمنین کے ساتھ اس تعلق کی وضاحت قرآن مجید نے یوں فرمائی ہے:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (الاحزاب:٦)

(نبی اکرم ﷺ کی ذات اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذاتوں پر بھی مقدم ہے)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تفصیلات کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ تاہم آیت کریمہ کی وضاحت کے لیے ایک تفسیری حاشیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> "یعنی نبی اکرم ﷺ کا مؤمنوں سے اور مومنوں کا نبی ﷺ سے جو تعلق ہے وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات سے ایک بالاتر نوعیت کا ہے۔ کوئی رشتہ اس رشتے سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو نبی اور

اہل ایمان کے درمیان ہے، ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے لیے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق و رحیم اور ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ ان کے ماں باپ، بیوی بچے ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، ان کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں، ان کو گمراہ کر سکتے ہیں، ان سے غلطیوں کا ارتکاب کرا سکتے ہیں۔ ان کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں۔ مگر نبی اکرم ﷺ ان کے حق میں صرف وہی بات کرنے والے ہیں جس میں ان کی حقیقی فلاح ہو۔ وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار سکتے ہیں، حماقتیں کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر سکتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ ان کے لیے وہی کچھ تجویز کریں گے جو فی الواقع ان کے لیے نافع ہو اور جب معاملہ یہ ہے تو نبی ﷺ کا بھی مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھیں۔ اپنی رائے پر آپ ﷺ کی رائے کو اور اپنے فیصلے پر آپ ﷺ کے فیصلے کو مقدم رکھیں اور آپ ﷺ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ (۹)

اس گہرے اور مخلصانہ تعلق کی مزید وضاحت ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

"میری اور میری امت کی حالت اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو پھر مختلف پتنگے اس میں گرنے کے لیے دوڑے چلے آ رہے ہوں۔ ٹھیک اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم ہو کہ اس (ہلاکت اور کفر کی آگ) میں گرے جا رہے ہو"۔ (۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ جو تعلق خاطر جو پیار و محبت جو شفقت جو خیر خواہی جو ہمدردی اور جو غمخواری حضور ﷺ کو تمام انسانیت اور اپنی امت سے رہی ہے اور جو اس وقت بھی جاری و ساری ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حب رسول ﷺ کا شرعی حکم

محبت نبوی ﷺ کی درج بالا دینی، دنیوی، عقلی ضرورت اور مؤمنین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے مذکورہ دائمی انمٹ اور دنیا و آخرت میں بے مثال مخلصانہ تعلق کی بنا پر ہی آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد بعض مسلمانوں سے چند موہوم اندیشوں کی وجہ سے جب ہجرت کر جانے کے حکم کی تعمیل میں کچھ کمزوری، کوتاہی، تاخیر اور سستی کا ارتکاب ہوا تو اللہ نے تنبیہ فرمائی:

> "(اے حبیب!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے (اولادیں) اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں (فاسقوں) کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (سورہ التوبہ: ۲۴)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مفسر قرطبیؒ نے لکھا ہے:

"وفی الایة دلیل علی وجوب حب اللہ ورسولہ ولاخلاف فی ذالک بین الامة" (۱۱)

(آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور اس مسئلے میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں)

آیت بالا میں تفصیل کے ساتھ خصوصاً ابتدائے اسلام کے حوالے سے ان جملہ عواقب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جو اسلامی زندگی اختیار کر لینے کے بعد غیر متوقع نہیں ہوتے، یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے، بھائی اپنے بھائی سے، شوہر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائے، کنبہ قبیلہ روٹھ جائے، اپنا جمع کیا ہوا مال ہاتھوں سے نکل جائے، چلتی ہوئی تجارت اور کاروبار رک جائے، اپنے رہائشی اور اچھے اچھے مکان ترک کرنے پڑ جائیں مگر بتلاؤ ایسے وقت میں تم کس کا ساتھ دو گے؟ اگر کہیں عزیزوں کا ساتھ دیا تو یہ اس امر کا ثبوت ہوگا کہ جو ایثار و قربانی کا عہد تم نے کلمہ پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے باندھا تھا وہ غلط تھا۔ لہٰذا عنداللہ اس عہد شکنی کی جو پاداش ہو اس کا تمہیں انتظار کرنا چاہیے۔

محبت رسول ﷺ کے اس وجوب اور ہر چیز پر مقدم ہونے کی صراحت خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ایک حدیث میں جسے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری و مسلم اور دیگر متعدد ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے، خود نبی کریم ﷺ نے بات کو قسم کے ذریعے مؤکد کرنے کے بعد یوں فرمائی ہے:

”لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین“ (۱۲)

(تم میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں بن جاتی)

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ محض اسلام اور اللہ و رسول ﷺ کی وجہ سے اسے اپنی اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کے لیے ایسا موقعہ ہو کہ انہیں اپنے والدین ترک کرنے پڑیں تو کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ یہ قربانی وایثار کر گزرے۔

جس ماحول میں اب ہم رہ رہے ہیں، یہ ماشاءاللہ اسلامی ماحول ہے اولاد بھی

مسلمان اور باپ بھی مسلمان۔ اس لیے اس طرف ذہن کم ہی جاتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی محبت کا والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تقابل ہو سکتا ہے لیکن ابتدائے اسلام میں جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام دنیا کو کفر کی تاریکی سے نور ہدایت کی طرف آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اس وقت خدا اور رسول ﷺ کی محبت والد و اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا اسے اپنے مال و اولاد کو چھوڑنا پڑتا اور جو اپنے مال اولاد کا ساتھ دیتا اسے خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت کرنا ہوتی۔

ایک دوسری روایت میں اپنی جان حضور ﷺ سے زیادہ محبوب رکھنے کو بھی ایمان کے منافی قرار دیا گیا۔ چنانچہ:

''حضرت عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ حضرت عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اس دوران حضرت عمرؓ نے (اپنی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے) کہا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ قرار پاؤں تم مومن نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔ فرمایا: اے عمر! تو اب تم پکے مومن ہو گئے'' (۱۳)

یہ حضرت عمر فاروقؓ کی صداقت تھی کہ انہوں نے اپنی اندرونی کمزوری یا باطنی کیفیت دربار رسالت میں صاف صاف بیان کردی۔ دوسری طرف نگاہ نبوت اور فیض نبوت کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپ ﷺ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انہیں طے کرادیے۔ وہ سینہ جو ابھی ابھی اپنی جان کو عزیز سمجھ رہا تھا دوسری ساعت آنے نہیں پائی کہ

رسول اکرم ﷺ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ کہنے کو تو یہ دو فقرے ہیں مگر آپ ﷺ کے فیض صحبت کی یہ برقی تاثیر عقل انسانی کے لیے موجب حیرت ہے۔ اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں وہاں ہفتوں، مہینوں اور کئی کئی سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔

ان احادیث کی شرح میں محدثین نے اگرچہ یہ بات لکھی ہے کہ یہاں طبعی جبلی اور فطری محبت مراد نہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ ایمانی عقلی اور اختیاری محبت رسول ﷺ مراد ہے لیکن کمال ایمان کا تقاضا ہے کہ اس محبت میں اس قدر ترقی ہونی چاہیے کہ یہ محبت طبعی محبت پر غالب آ جائے اور اتباع سنت میں وہ لذت محسوس ہو جو ہر تکلیف کو راحت اور ہر تلخی کو شیریں بنا دے۔ یہی محبت کا اعلیٰ اور مطلوب مقام ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی و غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہ روحانی ایمانی اور عقلی وجوہ سے ہوتی ہے مگر جب عقلی محبت کامل ہو جاتی ہے تو اس کے سوا دوسری تمام محبتیں جو طبعی خود غرضانہ، مفاد پرستانہ یا نفسیاتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں، اس سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔ حفیظ جالندھری مرحوم نے اسی لیے کہا تھا

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر مال جان اولاد سے پیارا

محبت رسول ﷺ اور ختم نبوت

نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر من جانب اللہ سلسلہ نبوت و رسالت ختم کر دینے کی ایک حکمت علماء نے یہ بتائی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مؤمنین کے قلبی تعلق و محبت میں کسی قسم کی کمی اور کمزوری واقع نہ ہو۔ چنانچہ سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ کے بارہ میں وہ ہدایات وتعلیمات اور آداب واحکام پڑھے گا جن کا سورۃ الاحزاب، الحجرات، التحریم، المجادلہ میں ذکر ہے اور ان انعامات الٰہیہ وامتیازات ومعاملہ خصوصی کا تذکرہ دیکھے گا، جن کی طرف سورۃ الفتح، الضحیٰ الانشرح میں ارشادات آئے ہیں، تو اس کی عقل اور اس کا ذوق سلیم اس کی شہادت دے گا کہ یہ صفات اس پیغمبر کی ہیں، جو تمام نسلوں اور زمانوں کے لیے مبعوث ہوا ہے، اور جس کے آفتاب اقبال کو کبھی گہن نہیں لگتا، اور جس کے عروج کا ستارہ کبھی ڈوبتا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کسی بھی نبی کی بعثت (خواہ وہ کوئی جدید شریعت لے کر نہ آئے) محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں، خدا کی زبان سے اس عطر آگیں تذکرے اور مشک بیز مدح وثنا کے منافی ٹھہرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ سے امت کے مضبوط، ابدی اور دائمی رشتہ کو کمزور کرتی ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات واسوہ حسنہ، آپ ﷺ کے اصحاب واہل بیت، آپ ﷺ کے مولد ومنشا (مکہ ومدینہ اور سرزمین عرب) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو نقصان پہنچاتی اور اس کو متاثر کرتی ہے، اس لیے کہ جو نبی بھی آپ ﷺ کے بعد مبعوث ہوتا، اس کا امت اور نبی ﷺ کے درمیان (دانستہ ونادانستہ) حائل ہو جانا، اور شعوری ولاشعوری طور پر رسول ﷺ کی ذات سے امت کے رشتہ اور تعلق کو کمزور بنا دینا ضروری تھا، ایسا ہونا قانون قدرت اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے کہ "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" (الاحزاب:۴۰) (اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے (A-۱۳)

صحابہ کرامؓ کی محبت رسول ﷺ کے چند مظاہر

محبت رسول ﷺ کے لیے قرآن وحدیث کی درج بالا نصوص بار بار تاکید اور وضاحت کے علاوہ خود نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات اپنی تمام تر رعنائیوں محبتوں اور بے پایاں شفقتوں کے ساتھ چونکہ صحابہ کرامؓ کے سامنے جلوہ فرما تھی۔اس لیے صحابہؓ کا زلف نبوی ﷺ کا اسیر ہو جانا اور ان کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کا ان کے اپنے ماں باپ، اولاد، اموال حتیٰ کہ شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ٹھہرنا ایک قدرتی امر تھا۔(۱۴) حضور اکرم ﷺ سے صحابہؓ کی اس قلبی محبت کا اظہار مختلف انداز میں ہوتا رہتا تھا۔ کیونکہ محبت کے اظہار کے لیے کوئی متعین ناپے تولے اور گنے ماپے طریقے نہیں ہوتے۔وہ اپنے اظہار کا راستہ خود بناتی ہے۔

یہاں صحابہؓ کی محبت رسول ﷺ کی تفصیل تو مشکل ہے تاہم چند ایمان افروز مظاہر کی طرف اشارہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔چنانچہ حضرت اسید بن حضیرؓ کا جسم نبوی سے لپٹ کر بوسے لینا (۱۵) بدوی صحابی حضرت زاہر کا اپنی پشت کو بار بار سینہ نبوی سے چمٹانا (۱۶) عبداللہ بن عمرؓ کا پاؤں سو جانے پر "یا محمدؐ" کہہ کر پکارنا (۱۷) حضور ﷺ کی تمنا کے باوجود صحابہ کا رات کو جنازہ کے لیے آپ ﷺ کو تکلیف نہ دینا (۱۸) ازواج مطہرات کے ساتھ حضور ﷺ کے ایلاء کے موقعہ پر سب صحابہ کا پریشان ہونا بلکہ مسجد میں آکر گریہ وزاری کرنا (۱۹) کاشانہ نبوی ﷺ پر بادشاہی میں فقیری کا منظر اور جسد اطہر پر چٹائی کے نشان دیکھ کر حضرت عمرؓ کا رو پڑنا (۲۰) غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کے گرم لو میں چلنے کو یاد کر کے حضرت ابوخیثمہ کا ٹھنڈے سایہ، پانی عمدہ غذا اور بیوی کو چھوڑ کر سفر تبوک پر روانہ ہو جانا (۲۱) غزوہ احد میں باپ بھائی اور شوہر کے شہید ہو جانے کے باوجود حضور ﷺ کی خیریت معلوم ہونے اور آپ ﷺ کے دیدار پر انصاری صحابیہؓ کا "کل مصیبة بعدک

جلــل ''پکار اٹھا (۲۲) حضرت ابوبکرؓ کا اپنے باپ ابوقحافہ کے اسلام سے غم نبوی حضرت ابوطالب کے اسلام کو زیادہ پسند کرنا (۲۳) حضرت زید بن دشنہ کا مکہ مکرمہ میں اپنی جگہ پر حضور ﷺ کا شہید کیا جانا تو کجا آپ ﷺ کے اپنے دولت خانہ میں ہوتے ہوئے کانٹا چبھنا بھی پسند نہ کرنا (۲۴) حضور ﷺ کے لعاب دہن اور وضوء کے مستعمل پانی تک کو زمین پر گرنے کی بجائے بڑھ بڑھ کر ہاتوں پر لینا (۲۵) صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ میں حضرت علی المرتضےؓ کا ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مٹانے کے لیے تیار نہ ہونا (۲۶) حضرت عمرؓ کا روضہ نبوی ﷺ میں دفن ہونے کی خواہش کرنا (۲۷) سفر ہجرت میں حضور ﷺ کے پانی پینے پر حضرت ابوبکرؓ کا خوش ہو جانا (۲۸) غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر حضرت جویریہ کے ام المؤمنین بن جانے کی اطلاع پر ان کے قبیلہ کے تمام قیدیوں اور غلاموں کو صحابہ کرامؓ کا بلا معاوضہ آزاد کر دینا (۲۹) وغیرہ وغیرہ۔

یہ چند مظاہر ''مشتے از خروارے'' کے طور پر ہیں ورنہ اس قسم کے بیسیوں نہیں سینکڑوں واقعات حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ جن سے صحابہ کرامؓ اور صحابیات حتی کہ ازواج مطہرات کی بھی ایک دوسرے سے بڑھ کر اور عجیب عجیب انداز میں حضور ﷺ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے (رضی اللہ عنهم اجمعین)

حب رسول ﷺ کے عملی تقاضے

محبت ایک قلبی میلان، جذبہ، تڑپ یا باطنی کیفیت کا نام ہے جس میں کمی بیشی بھی ممکن ہے، مگر کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا کہ یہ آدمی فلاں شخص یا فلاں چیز سے محبت رکھتا ہے اور کس قدر رکھتا ہے، تاہم حقیقی محبت کا ظہور کسی نہ کسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ جذبہ محبت کا فطری لازمی اور قدرتی تقاضا ہے کہ محبت کرنے والے کی ذات سے بعض ایسے اعمال افعال اور حرکات کا لامحالہ ظہور ہو جو محبوب سے محبت اور تعلق خاطر پر دلیل ہوتی ہیں ورنہ یہ دعوئے

محبت چوری کھانے والے مجنوں کی طرح محض زبانی حلق سے اوپر اوپر اور جھوٹا ہوگا۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی محبوب ذات کے ساتھ ایک مسلمان کی محبت کا تعلق ہے تو کلمہ طیبہ اور ایمان بالرسول ﷺ کی برکت سے اگرچہ کسی بھی کلمہ گو کا دل محبت رسول ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہوتا۔ تاہم بعض خوش نصیبوں کو اس کا وافر حصہ ملا ہوتا ہے اور درج بالا محبت کے فطری تقاضے کے مطابق ان سے بعض اعمال کا ظہور یا ارتکاب ہونا ضروری ہے۔ اسی چیز کو محبت کے عملی تقاضے یا محبت کی علامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محبت رسول ﷺ کے کچھ تقاضے تو حضور ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص تھے جن پر عمل اب ممکن نہیں مگر کچھ ایسے تقاضے ہیں جن کا تعلق قیامت تک کے لیے ہر محب رسول ﷺ سے ہے۔ اس قسم کے چند موٹے موٹے تقاضے درج ذیل ہیں:

(۱) خواہشات نفس کا شریعت محمدیہ ﷺ کے تابع ہو جانا

محبت رسول ﷺ کا اولین تقاضا ہے کہ حضور ﷺ پر ایمان لانے کے بعد شریعت محمدیہ ﷺ کے سامنے ذاتی پسند و ناپسند اور اپنی مرضی ختم ہو جائے۔ اسے متابعت شریعت میں وہ لطف و لذت محسوس ہونے لگے جو طبعی مرغوبات میں ہوتی ہے۔ سخت سردیوں میں فجر کی نماز کے لیے اٹھنا اور کڑاکے کی گرمی میں رمضان کے روزے رکھنے کی وہ خواہش ہو جو سردی میں گرم کپڑے پہننے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر حضور ﷺ کی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس امر کی صراحت یوں فرمائی گئی ہے کہ:

"لا یؤمن احد کم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ" (۳۰)

(تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لایا ہوں)

(۲) حضور ﷺ کی مرغوب چیز کا مرغوب اور ناپسند کا ناپسند ہو جانا

محبت رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی مرغوب اور پسندیدہ چیز آدمی کے نزدیک مرغوب اور پسندیدہ اور آپ ﷺ کی ناپسند، ناپسند قرار پائے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہمیشہ اس لیے سبتی جوتے پہننا کہ حضور ﷺ کو انہوں نے اس قسم کے جوتے پہنتے دیکھا تھا (۳۱) یا کدو کے سالن کا زندگی بھر کے لیے حضرت انسؓ بن مالک کی مرغوب غذا ٹھہرنا کہ ایک دعوت میں انہوں نے حضور ﷺ کو شوق سے کدو کھاتے دیکھا تھا۔ (۳۲)

عام محبت بھی جب کامل ہو جاتی اور رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو نفسیات وطبیعات بلکہ شکل وشبہات پر بھی اس کا اثر پڑنے لگتا ہے۔ جس محبت کا نام ایمان ہے اس میں چونکہ عقیدت بھی شامل ہوتی ہے اس لیے اس کی تاثیر بھی کچھ اور ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے:

> "ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت ﷺ کدو پسند فرماتے تھے اور اس کے مقابلے میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو کدو پسند نہیں، تو اس بے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے"۔ (۳۳)

(۳) حضور ﷺ کے محبوب سے محبت اور دشمن سے دشمنی رکھنا

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ محبت اور عداوت دونوں متعدی صفات ہیں۔ جب محبت پیدا ہوتی ہے تو اپنے اطراف میں بھی پھیلتی ہے۔ یہی حال عداوت کا ہے حتیٰ کہ ایک شخصیت کی وجہ سے تمام جہاں نظروں میں محبوب یا دشمن بن جاتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ان تمام لوگوں سے محبت رکھنا ضروری ہے جن سے آپ ﷺ محبت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً صحابہ کرامؓ مہاجرین وانصار، اہل بیت حتیٰ کہ تمام عرب۔ (۳۴) اسی طرح جو لوگ آپ ﷺ کے دشمن تھے یا ہیں ان سے عداوت رکھنا بھی محبت رسول ﷺ کا لازمی تقاضا

ہے چاہے وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں (۳۵) چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے اور مخلص صحابی حضرت عبداللہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا تھا کہ اگر حکم ہو تو باپ کا سر لاکر حاضر خدمت کردوں (۳۶) علاوہ ازیں متعدد مثالیں ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی محبت میں ان تمام اعزہ و اقارب اور دوست احباب سے قطع تعلقی کرلی تھی جو آپ ﷺ سے عقیدت و محبت نہیں رکھتے تھے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام سے یہود و نصاریٰ کی عداوت اور بغض کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ اس لیے امت مسلمہ خصوصاً مسلمان حکمرانوں کا محض اپنے ذاتی مالی اور سیاسی مفادات کی خاطر دشمنان اسلام اور دشمنان پیغمبر اسلام سے محبت کی پینگیں بڑھانا اور ضرورت سے زیادہ ان پر انحصار کرنا محبت رسول ﷺ کے قطعاً منافی ہے۔

(۴) فقیرانہ زندگی کو ترجیح دینا

دس لاکھ مربع میل کی حکمرانی (۳۷) اور زمین کے سارے خزانوں کی چابیاں عطا کیے جانے (۳۸) اور سونے کے پہاڑوں کی پیشکش کے باوجود (۳۹) حضور ﷺ کے گھروں میں دو دو ماہ آگ نہ جلنے (۴۰) اور دم وصال تک زہد و فقر اور درویشی اختیار کیے رکھنے (۴۱) کو دیکھتے ہوئے محبت رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آدمی عیش و عشرت کی زندگی کی بجائے فقیرانہ زندگی کو ترجیح دے۔ اس چیز کی تائید حضرت عبداللہ بن مغفل کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ:

> ''ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غور کر کیا دعویٰ کرتا ہے؟ اس نے پھر قسم کھا کر تین مرتبہ کہا: میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر کے لیے اپنی چادر یا فقر کے لیے اپنے واسطے آہنی جھول تیار کرلے کیونکہ فقر

مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف اس سیلاب سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جو پہاڑی سے نیچے کی طرف آتا ہے"۔ (۴۲)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول مقبول ﷺ سے دعویٰ محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ہر رنگ زندگی اختیار کرے۔ اب اسے تجوریاں بھر کر اور مال جمع کر کے نہیں رکھنا ہو گا۔ ذرائع آمدنی میں حلال حرام کو مدنظر رکھنا ہو گا۔ لمبی چوڑی کوٹھیاں نہیں بنانا ہوں گی بلکہ محبت رسول ﷺ کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھوکوں کو کھانا کھلا دے اور خود بھوکا رہ جائے۔ پانی دوسروں کو پلا دے اور خود پیاسا رہ جائے۔ اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادوں کو دے دے اور خود پیدل چلے۔ غرض اپنا مال واسباب اور سارا اندوختہ دوسروں میں تقسیم کر کے انہیں غنی بنا ڈالے اور خود زاہد و فقیر اور درویش بن جائے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی فقیرانہ بنا لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کے لیے موجب غم ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے بھوکے ہوں یہ شکم سیر، دوسرے پیاسے ہوں یہ سیراب، دوسرے ننگے پھریں اور یہ لباس فاخرہ پہنیں۔

(۵) ہر سنت نبوی ﷺ سے محبت رکھنا

محبت رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ آنجناب ﷺ کی ہر سنت، ہر طریقہ، ہر طرز عمل بلکہ ہر سوچ سے محبت ہو جائے۔ چنانچہ خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے پیارے بیٹے اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم صبح اور شام اس حال میں کرو کہ دل میں کسی ایک آدمی کے لیے بھی کھوٹ (غش) نہ رہے تو کر گزرو۔ کیونکہ یہ چیز (ہر قسم کی کدورت سے سینہ پاک رکھنا)

میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا"۔ (۴۳)

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ صرف عبادات نماز روزہ مسواک عمامہ ٹخنے ننگے رکھنا اور کھانے کی پلیٹ صاف کرنا جیسی آسان سنتوں پر زور دینا ہی محبت رسول ﷺ کے لیے کافی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے تمام اوصاف واطوار کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ محبت رسول ﷺ کا بلند معیار یہ ہے کہ عبادات کے سوا محبوب مکرم ﷺ کی عادات نفسیات اور طبعیات بھی نظروں میں قابل اتباع بن جائیں بلکہ وہ غیر اختیاری جذبات جو اپنے مخالف کے لیے قلب میں موجزن ہوتے ہیں، اس لیے قلب میں جمنے نہ پائیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی سیرت وسنت کے خلاف ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ ﷺ کی محبت رگ رگ میں سرایت کر چکی ہو۔

(٦) رضا مندی رسول ﷺ کا خیال رکھنا

حکم رسول ﷺ کو بجالانا تو شرعاً واجب ہے ہی۔ کمال محبت کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی رضا مندی اور خواہش کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ اپنے بلند قبہ (مکان) کے متعلق حضور ﷺ کی ناپسندیدگی کا علم ہونے پر انصاری صحابی کا شوق اور بھاری خرچ سے تعمیر کیا گیا مکان زمین بوس کر دینا (۴۴) صرف حضور ﷺ کی مرضی اور خواہش پا کر حضرت حارثہ بن نعمان کا جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدہ فاطمہؓ کے لیے مکان پیش کر دینا (۴۵) حضور ﷺ کی ناپسند کے باعث چادر کو آگ میں ڈال دینا (۴۶) مسجد نبوی کے ایک دروازے کو خواتین کے لیے مخصوص کیے جانے کی خواہش نبوی ﷺ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا زندگی بھر اس دروازے سے مسجد میں داخل نہ ہونا (۴۸) وغیرہ رضا مندی رسول ﷺ حاصل کرنے کی عمدہ مثالیں ہیں۔

دین دنیا کے تمام معاملات میں حضور ﷺ کی مرضی اور پسند کو مدنظر رکھنا ہو تو یہ چیز آج بھی قرآن، سنت، سیرت اور فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

(۷) دین محمدی ﷺ کی نصرت کرنا

حضور اکرم ﷺ جس دین، جس شریعت اور جس نظام کو لائے اور جس کی خاطر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی گلیوں، طائف کے بازاروں اور احد کے میدان میں پتھر کھائے، اور جس کی آبیاری آپ ﷺ نے اپنے مبارک و پاکیزہ خون سے کی اور جس کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے لیے آپ ﷺ آخری دم تک مساعی فرماتے رہے، اس دین محمدی ﷺ کی نصرت تائید ہر محاذ پر اس کا دفاع اور دامے درمے سخنے قدمے تعاون بھی محبت رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے۔ صرف تعاون ہی نہیں بلکہ اس کی زندگی کا مقصد ہی دین کی سرفرازی و سربلندی بن جائے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

(۸) قرآن مجید سے محبت رکھنا

حضور ﷺ کو اپنے اوپر نازل ہونے والی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید سے ذاتی طور پر جو تعلق خاطر محبت اور شغف رہا ہے اور جس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو قرآن سے علمی و عملی تعلق رکھنے کی تاکیدات اور قرآن مجید کو پس پشت ڈالنے پر سخت وعیدات فرمائی ہیں، پھر قرآن مجید کی تلاوت و عمل پر دنیوی و اخروی فوائد بتائے ہیں اور جس طرح اس کی حفاظت پر زور دیا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے محبت رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید سے نہ صرف قلبی لگاؤ رکھا جائے بلکہ تمام دنیا میں اس کے ہمہ جہتی فروغ کے لیے مقدور بھر مساعی بھی کی جائیں کیونکہ یہی قرآن مجید آپ ﷺ کا دائمی معجزہ اور شریعت محمدیہ ﷺ کا بنیادی ماخذ و مصدر ہے۔

(۹) امت محمدیہ ﷺ سے پیار کرنا

نبی کریم ﷺ کو دنیا و آخرت کے حوالے سے اپنی امت سے جو تعلق خاطر، جو محبت، جو شفقت، جو پیار، جو ہمدردی، جو خیر خواہی، جو فکر ہے اور جس جس انداز میں آپ ﷺ نے امت سے کمال غمخواری کا مظاہرہ کیا ہے، انبیاء کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس بے مثال محبت کا عملی تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی امت سے بلا امتیاز اور بلا تخصیص پیار کیا جائے۔ امت کے کسی فرد کو حقیر نہ سمجھا جائے، حتی الامکان اس کی ہمدردی اور خیر خواہی کی جائے۔ بلا وجہ اس کو نقصان پہنچانے اور پریشان کرنے سے گریز کیا جائے۔ مسلمانوں کو کسی بھی حوالے سے دھوکہ دینے اور نقصان پہنچانے والوں کو حضور ﷺ نے اپنی امت سے ہی خارج قرار دیا ہے۔ (۴۹) اور آخرت کے لیے عذاب کی وعیدیں سنائی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

> "جسے اللہ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پروا ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا"۔ (۵۰)

ایک دوسری روایت میں ہے:

> "عمرو بن مرہ نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو امام/حاکم ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی ضروریات فقر مسکینی پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات پوری کرنے پر مامور کر دیا"۔ (۵۱)

(۱۰) حضور ﷺ کی اطاعت واتباع کرنا

محبت رسول ﷺ کی ایک بڑی پہچان یا عملی تقاضا ہر حالت میں خلوص دل ہی نہیں بلکہ کھلے دل سے اور کسی قسم کے احساس کمتری کے بغیر بڑے تفاخر سے خلوت وجلوت میں آپ ﷺ کے جملہ احکام کی بجا آوری نواہی سے اجتناب اور آپ ﷺ کے فرمودات اور سنتوں پر عمل کرنا ہے۔ یہ بات دعوائے محبت بلکہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ آدمی اظہار محبت کے طور پر محفلوں، جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں، سیمیناروں، مذاکروں، نعتیہ و تقریری مقابلوں، اشتہاروں، پوسٹروں، نعروں، عمروں، نفلوں اور اسٹکروں جیسے آسان اور وقتی طریقہ ہائے محبت پر تو بڑا زور لگائے مگر زندگی میں ہر موقعہ، ہر مرحلہ اور قدم قدم پر دل وجان سے آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے رنگ میں رنگے جانے سے شرم اور عار محسوس کرے یا کسی قسم کی نرمی، کمزوری، سستی اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

گر نہ داری از محمد رنگ و بو
میالا از زبان خود نام او

شریعت اسلامیہ میں رسول اکرم ﷺ کی حیثیت اور مرتبہ ومقام (العیاذ باللہ) کسی ''بابائے قوم'' کا نہیں کہ صرف اس کی ولادت اور برسی کے موقعہ پر بھرپور انداز میں خراج عقیدت پیش کر دیا جائے بس اللہ اللہ خیر سلا۔ حضور ﷺ کی اتباع کو چھوڑ کر محبت و عقیدت کا اظہار خود حضور ﷺ کو بھی پسند نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے حضور ﷺ کے حکم پر دیگر صحابہؓ کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہونے کے حکم پر عمل پیرا ہونے سے قبل از راہ عقیدت ومحبت جب آپ ﷺ کے پیچھے جمعہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کو مقدم سمجھا تو آپ ﷺ نے ایسی سوچ یا ایسے اظہار محبت کو سخت ناپسند فرمایا۔ (۵۲)

محبت کا ایک فطری اصول ہے کہ اگر آدمی محبت میں کامل اور سچا ہو تو وہ اسے اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسی لیے ایک قدیم شاعر اور تجزیہ نگار نے کہا تھا:

لو کان حبک صادقا لا طعته

ان المحب لمن یحب مطیع

(اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب ہمیشہ اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضورﷺ کے احکام کی بجا آوری ہی نہیں بلکہ آپﷺ کے طبعی عادات و طوار میں بھی اتباع اور پیروی کے ریکارڈ قائم کیے تھے۔ جن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے تو بعض ایسے احکام میں بھی آپﷺ کی پیروی کی ہے جو بظاہر قرآن مجید کی نص کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً چار بیویوں تک نکاح کرنے کی قرآنی اجازت کے باوجود حضرت علی المرتضیٰؓ کا حضورﷺ کی خواہش پر سیدہ فاطمۃ الزہراء کی وفات تک دوسرا نکاح نہ کرنا (۵۳) اور معاملات میں دو گواہوں کے ضروری ہونے کے قرآنی ارشاد کے باوجود معاملات میں اکیلے حضرت خزیمہ کی گواہی کو کافی سمجھنا وغیرہ۔ (۵۴)

حضورﷺ کی اطاعت نہ کرنا ایک قسم کا انکار ہے۔ زبانی انکار کرنے والا تو خیر دائرہ اسلام سے ہی خارج ہے مگر اپنے عمل سے کھلے منکر کی مشابہت کرنے والا بھی کم مجرم نہیں۔ اسے بھی کچھ عرصہ آخرت میں اپنے اس طرز عمل کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ (۵۵)

خالصتاً مادی نقطہ سے دیکھا جائے تو بھی اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کریم نے ہر قسم کی عزت، کامیابی اور کامرانی اتباع نبویﷺ میں ہی رکھی ہے۔ اس حوالے سے تمام نصوص کا خلاصہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اور

مقام خویش گر خواہی دریں در
بحق دل بند وراہ مصطفیٰ رو

آج دنیا معاشی معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے تباہی کے جس دہانے پر کھڑی ہے آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ پیامبر امن وسلامتی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مقدسہ اور اسوہ حسنہ کے سوا کسی پیغمبر، کسی مصلح، کسی حکیم، کسی فلسفی، کسی دانشور اور کسی بڑے سے بڑے لیڈر کی تعلیمات دنیا کو تباہی سے بچا سکتی ہیں؟ ہر گز نہیں۔ ضروری ہے کہ آستانہ نبوت پر سر ادب سے جھکا کر عرض کیا جائے:

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

شاعر مشرق نے بلا سبب تو نہیں کہا تھا:

اے تہی از ذوق و سوز و درد
می شناس عصر ما باما چہ کرد
عصر ما مارا زما بیگانہ کرد
از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد

(۱۱) ذکر نبوی اور زیارت نبوی ﷺ کا اشتیاق

نبی اکرم ﷺ کا بار بار اور کثرت سے ذکر یاد اور دیدار کا شوق بھی محبت رسول ﷺ کا خاصہ اور ایمان کا تقاضا ہے۔ کیونکہ محبت کا اصول ہے "من احب شیئا اکثر ذکرہ" (جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ کثرت سے اسے یاد کرتا ہے)

دوسرے یہ ایمان و روح کی مستقل غذا ہے اس لیے تذکار نبوی ﷺ کا کسی خاص مہینے اور معین وقت کے ساتھ مخصوص کیا جانا اور صرف اسی پر اکتفا کر لینا کمال محبت کے منافی اور ایمان کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ذکر اور نام نامی سن کر نہ صرف اس کے دل کو سکون اور لذت محسوس ہو بلکہ اس کا دل کھل اٹھے اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے سامنے اس کا سر ادب سے جھک جائے۔ حضور ﷺ کا نام لے تو بے ساختہ اس کی زبان پر آ جائے "قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ﷺ" ذکر نبوی ﷺ کا کوئی متعین طریقہ نہیں۔ یہ سعادت حاصل کرنے کی شریعت میں بہت سی صورتیں ہیں مگر بدقسمتی یا جہالت سے ذکر نبوی ﷺ کے ساتھ بے بنیاد قسم کی متعدد قیدیں، شرائط، تکلفات اور لوازمات کو نتھی کر کے اسے اتنا مہنگا اور مشکل بنا دیا گیا ہے کہ کسی غریب آدمی کو یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرامؓ تھوڑی دیر کے لیے بھی حضور ﷺ کو نظروں سے اوجھل پاتے تو بے چین ہو جاتے تھے۔ (۵۶) حضرت صدیق اکبرؓ ابتدائے اسلام میں اپنے اسلام و ایمان کے اعلان پر حرم شریف میں کفار مکہ کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد جب بے ہوش ہو گئے اور دن ڈھلے جب آنکھیں کھولیں تو ماں کے اصرار کے باوجود اس وقت تک کوئی چیز کھانے سے انکار کر دیا جب تک کہ اپنے محبوب کی زیارت نہ کر لیں۔ (۵۷) اسی طرح صحابیات راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ کو یاد کرتیں۔ (۵۸) سیدہ عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ سے تھوڑی دیر کی جدائی بھی برداشت نہ کر سکیں۔ (۵۹) اور ان کی ہر مجلس "محفل میلاد" ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت، مدینہ منورہ اور دیگر آثار نبوی ﷺ کے دیدار کا شوق اور سارا اثاثہ خرچ کر کے حاضری دینے کا جذبہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

(۱۲) محبت رسول ﷺ کے نام پر امت میں تفریق پیدا نہ کرنا

محبت عام طور پر دوئی اور غیریت برداشت نہیں کرتی۔ ایک حسین بہت سی مشتاق نگاہوں کو اسیر بنا لے تو اسمیں باہم رقابت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ مگر اللہ و رسول ﷺ کی محبت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ حضور ﷺ صفحہ ہستی پر وہ واحد حبیب ہیں جن کے چاہنے والوں میں رقابت غیریت اور دشمنی کی بجائے وہ محبت وہ اخوت وہ بھائی چارہ اور وہ رشتہ پیدا ہو جاتا ہے جو تمام خونی رشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
ایں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

کلمہ طیبہ اور ایمان بالرسالت کی برکت سے کسی بھی مسلمان کا دل محبت رسول ﷺ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مسلکی، فکری، فقہی، اجتہادی، فروعی، سیاسی، نسلی، علاقائی، معاشرتی اور سماجی قسم کے معمولی اختلافات کو بنیاد بنا کر امت میں مستقل فرقہ بندی اور لڑائی جھگڑے کو ہوا دینا بھی محبت رسول ﷺ کے عملی تقاضا کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے تو دنیا میں امن قائم کرنے کی خاطر صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا دینا بھی قبول کر لیا تھا (۶۰) اور امت میں تفریق کے خدشہ سے بیت اللہ کی ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ (۶۱) مگر ہم ہیں کہ حضور ﷺ کے نام پر ہی سر پھٹول کر رہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام اور دیگر علماء امت میں ہمیشہ نقطہ نظر رائے اور اجتہاد کا اختلاف رہا مگر انہوں نے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ یہ نظریاتی و فروعی اختلافات کبھی بھی ان کے درمیان باہمی

محبت اور احترام میں رکاوٹ نہ بنے۔ زندگی میں لڑائی جھگڑا ایک دوسرے کی ذاتیات پر حملہ اور فریق مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے دوسرے گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے وہ تو ایک دوسرے کی قبروں کا بھی احترام کرتے تھے۔ (۶۲) جبکہ ہم ادھر تو ائمہ مجتہدین کی تقلید و پیروی کا دم بھرتے ہیں اور ادھر ان کے طرز عمل کے خلاف بھی کرتے ہیں۔ آج دنیائے کفر "الکفر ملة واحدة" کا منظر پیش کر رہی ہے جبکہ عالم اسلام "اتفقوا علی ان لا یتفقوا" کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں امت مسلمہ کو اتحاد کی جتنی اب ضرورت ہے شاید کبھی نہیں تھی۔

(۱۳) ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ کرنا

مذکورہ بالا معروضات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور ملت اسلامیہ کے درمیان وہی تعلق ہے جو جسم و روح کے درمیان ہے۔ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو آج ہم بھی العیاذ باللہ رام رام کر رہے ہوتے۔ آپ ﷺ نے ہی ہمیں کونین کی ہر قسم کی سعادتوں سے نوازا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا تھا:

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

دشمنان اسلام اور شیطان کی مجلس شوریٰ کے ارکان سے بھی یہ حقیقت مخفی نہیں، اس لیے ہمیشہ ان کی کوشش رہی ہے اور اب بھی ہے کہ:

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

بنا بریں اسلام میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے اندر اور وفات کے بعد آپ ﷺ کے ناموس کی حفاظت امت کا اولین فریضہ اور آپ ﷺ سے محبت کا عملی تقاضا

ہے۔ امت مسلمہ پر تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے واجب ہونے سے متعلق قرآن و حدیث کے دلائل، فقہاء وائمہ مجتہدین کی تصریحات علماء کے اقوال، خلفاء راشدین کا طرز عمل اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت سے لے کر غازی علم الدین شہیدؒ تک تحفظ ناموس رسالت کی ایمان افروز داستانوں اور شہادتوں کو یہاں دہرانا مناسب ہے نہ ممکن۔ تا ہم ان تمام تصریحات کا نچوڑ یہ ہے کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے پیغمبر ﷺ کی توہین تنقیص یا آپ ﷺ کی شان میں ادنی گستاخی کا شائبہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہر انسان اپنی ناموس کی فکر میں رہتا ہے لیکن مسلمان اپنی جان کو حرمت رسول ﷺ پر لٹا دینے کو اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہے۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں خاجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

اگر چہ مسلمان ہزار بار سر راہ لوٹے گئے۔ یورپ انہیں لوٹ کر لے گیا، امریکہ اب بھی لوٹ رہا ہے لیکن جب خود لٹانے پر آتے ہیں تو اپنا سب کچھ تحفظ ناموس مصطفیٰ ﷺ کی خاطر لٹا کر خوش ہوتے ہیں بلکہ اس پر بھی مطمئن نہیں ہوتے اور کہتے ہیں:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ملاحظہ ہو: سورۃ تغابن: ۸۔۷، سورۃ الفتح: ۸۔۹، سورۃ الاعراف: ۱۵۷۔۱۵۸، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں موجود ''کتاب الایمان'' کے متعدد ابواب، قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج ۲، ص ۳ طبع مصر، قسطلانی، المواہب اللدنیہ، جلد سوم وغیرہ۔

۲۔ دیکھیے: متعدد آیات قرآنی مثلاً سورۃ آل عمران: ۳۱، سورۃ النساء: ۴۹، ۶۵، سورۃ الحشر: ۷، قاضی عیاض، الشفاء: ۲۔۳

۳۔ سورۃ الفتح: ۹

۴۔ ابوعبداللہ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، ج ۸ ص ۹۵ طبع قاہرہ، مصر ۱۳۸۷ھ

۵۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان وباب حلاوۃ الایمان

۶۔ سورۃ الفتح: ۹

۷۔ دیکھیے: سورۃ الحجرات: ۲۔۳، سورۃ النور: ۶۳، سورۃ البقرۃ: ۱۰۴، سورۃ الاحزاب: ۵۳

۸۔ دیکھیے: (الف) قاضی عیاض الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲: ۲۹۔۳۰ طبع مصر
(ب) امام نووی، شرح صحیح مسلم (مع مسلم) باب وجوب محبۃ الرسول الخ ج ۱: ص ۴۹ طبع کلاں کراچی
(ج) قسطلانی، المواہب اللدنیہ: ۳: ۲۷۲، بیروت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

۹۔ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ج ۴ ص ۱۷، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶

۱۰۔ دیکھیے: (الف) جامع ترمذی (ابواب الامثال) ص ۴۰۷ طبع کلاں کراچی
(ب) تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن) تحت سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۶

۱۱۔ ابوعبداللہ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۹۵، قاہرہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۱۲۔ (الف) صحیح بخاری (کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان) (واللفظ للبخاری)
(ب) صحیح مسلم (مع شرح نووی) باب وجوب محبۃ الرسول الخ ج ۱: ص ۴۹ طبع کلاں کراچی

۱۳۔ (الف) صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول النبی ﷺ وایم اللہ
(ب) قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲: ۱۹، (قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ)

A-۱۳ سید ابوالحسن علی ندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۲۱۵، کراچی

۱۴۔ دیکھیے: قاضی عیاض: ۲:۲۲، مصر

۱۵۔ دیکھیے: عبدالسلام ندوی: اسوہ صحابہ: ۱:۶۳، دار المصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا

۱۶۔ دیکھیے: شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ ﷺ

۱۷۔ دیکھیے: (الف) امام بخاری، ادب المفرد باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ

(ب) قاضی عیاض: ۲:۲۳، مصر

۱۸۔ دیکھیے: (الف) صحیح مسلم (کتاب الجنائز) ج اص ۳۰۹، ۳۱۰، طبع کلاں، کراچی

(ب) سنن ابی داؤد (کتاب الجنائز) ج ۲ص ۴۵۷، طبع کلاں کراچی

۱۹۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری، کتاب الطلاق باب من خیر نساءہ

(ب) صحیح مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلاء واعتزال النساء

۲۰۔ دیکھیے: ایضاً

۲۱۔ دیکھیے: ابن اثیر، اسد الغابہ ج ۴ص ۲۹۱، تذکرہ مالک بن قیس

۲۲۔ دیکھیے: قاضی عیاض: ۲:۲۲، مصر

۲۳۔ دیکھیے: ایضاً

۲۴۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری: ج اص ۴۲۸، طبع کلاں کراچی

(ب) قاضی عیاض: ۲:۲۳، مصر

۲۵۔ دیکھیے: صحیح بخاری: ج اص ۳۷۹، طبع کلاں کراچی

۲۶۔ دیکھیے: صحیح بخاری: ج اص ۳۷۲، طبع کلاں کراچی

۲۷۔ دیکھیے: ایضاً ص ۱۸۷

۲۸۔ دیکھیے: ایضاً ص ۵۵۷

۲۹۔ دیکھیے: (الف) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸:۱۱۶:۱۱۷، بیروت

(ب) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو) ج ۲ص ۲۱۸، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

(ج) حسن البناء: الفتح الربانی لترتیب مسند احمد: ۲۱-۳۱، مصر

(د) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوۃ (اردو ترجمہ): ۲:۲۶۳، مکتبہ اسلامیہ، لاہور

۳۰۔ مشکوٰۃ المصابیح (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) ص ۳۰، طبع کلاں کراچی

۳۱۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب النعال السبتیۃ (ج ۲ ص ۸۷۰) طبع کلاں کراچی

(ب) قاضی عیاض: ۲:۲۷، مصر

۳۲۔ دیکھیے: (الف) امام مالک بن انس، موطا: ص ۳۵۱، طبع بیروت ۱۹۸۱ء

(ب) امام ترمذی، شمائل (مع جامع ترمذی) ص ۵۹۵، طبع کلاں کراچی

(ج) ابن حبان، صحیح: ۹:۹۹، طبع سانگلہ ہل

۳۳۔ عمدۃ القاری شرح بخاری، ج ۵، ص ۴۴۶، بحوالہ مولانا بدر عالم: ترجمان السنۃ، ج ۱ ص ۳۶۰۔۳۶۱

۳۴۔ دیکھیے: (الف) قاضی عیاض: ۲:۲۵، مصر

(ب) مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب الصحابہ، باب مناقب اہل بیت النبی، باب مناقب قریش

۳۵۔ سورۃ المجادلہ: ۲۲

۳۶۔ دیکھیے: قاضی عیاض، الشفاء: ۲:۲۷ مصر

۳۷۔ دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ص ۲۲۳، کراچی ۱۹۸۱ء

۳۸۔ دیکھیے: صحیح بخاری: ۲:۹۵۱، طبع کلاں کراچی

۳۹۔ دیکھیے: (الف) الماوردی، اعلام النبوۃ، ص ۱۹۸، ازہر، مصر ۱۳۹۱ھ

(ب) سیرت حلبیہ: ۳:۴۵۴، مصر ۱۳۸۴ھ

(ج) محمد ابوزہرہ: خاتم النبیین: ۱:۲۲۳، طبع بیروت

۴۰۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری، ۲:۹۵۶، طبع کلاں کراچی

(ب) صحیح مسلم: ۲:۴۰۱، طبع کلاں کراچی

(ج) صحیح ابن حبان: ۹:۸۸، سانگلہ ہل، ضلع شیخوپورہ

۴۱۔ دیکھیے: (الف) ابن سعد، الطبقات، ۱:۴۳۲، بیروت

(ب) مسند ابی یعلی الموصلی: ۴:۱۱۷، بیروت

(ج) قسطلانی، المواھب اللدنیہ: ۲:۳۸۵، بیروت ۱۹۹۱ء

(د) شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض شرح الشفاء: ۱:۴۷۴، مصر ۱۳۲۵ھ

۴۲ دیکھیے: قاضی عیاض، الشفاء ۲:۲۸، مصر

۴۳ دیکھیے: (الف) قاضی عیاض، الشفاء ۲:۲۵، مصر

(ب) مشکوۃ المصابیح (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) ص ۳۰، طبع کلاں کراچی

۴۴ دیکھیے: سنن ابی داؤد (کتاب الادب) ج ۲ ص ۱۱۷۔ اصح المطابع کراچی / مشکوۃ المصابیح، ص ۴۴۱، طبع کلاں کراچی

۴۵ دیکھیے: (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۸: ۲۲۔۲۳، بیروت

(ب) ابن حجر، الاصابہ: ۸: ۱۵۸، مصر ۱۳۲۵ھ

۴۶ دیکھیے: سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الحمرۃ، ج ۲ ص ۵۶۲

۴۷ دیکھیے: مشکوۃ المصابیح، ص ۳۱۸، کراچی

۴۸ دیکھیے: سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب اعتزال النساء فی المساجد، ج ۱ ص ۶۶، طبع کراچی

۴۹ دیکھیے: صحیح مسلم (کتاب الایمان) ج ۱ ص ۶۹۔۷۰

۵۰ سنن ابی داؤد کتاب الخراج والفیئ والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والاحتجاب عنہم، ج ۲ ص ۴۰۹

۵۱ (الف) جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی امر الرعیۃ

(ب) مستدرک حاکم، کتاب الاحکام، ج ۴ ص ۹۳، حیدر آباد دکن

۵۲ مشکوۃ المصابیح، (باب آداب السفر) ص ۳۴۰، طبع کراچی

۵۳ (الف) صحیح مسلم، ج ۱ ص ۴۳۸۔۴۴۸، طبع کلاں کراچی

(ب) صحیح بخاری، ج ۲ ص ۵۸۷، طبع کلاں کراچی

(ج) صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۹۰، طبع کلاں کراچی

(د) جامع ترمذی، ص ۵۴۹، طبع کلاں کراچی

(ھ) فتح الباری شرح بخاری، ج ۹ ص ۲۷۰، لاہور

(و) ذہبی: سیر اعلام النبلاء: ۲: ۱۱۹۔۱۳۳، بیروت

(ز) بلاذری، انساب الاشراف، ج ۱ ص ۴۰۳۔۴۰۴، دار المعارف، مصر

(ح) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳ (۱۱ھ)

(ط) سیرت شامی، ج ۱۱ ص ۴۵، بیروت ۱۴۱۴ھ

۵۴ دیکھیے: (الف) سنن ابی داؤد (کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شھادۃ الواحد ۲/ ۵۱۸

(ب) ابن سعد، الطبقات ۴/ ۳۷۸۔۳۷۹

۵۵ دیکھیے: مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ/ قاضی عیاض: الشفاء: ۲: ۷، مصر

۵۶ دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنۃ، ج ۱ ص ۴۵

۵۷ دیکھیے: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۳۰، مصر ۱۳۵۱ھ

۵۸ دیکھیے: قاضی عیاض، الشفاء: ۲: ۲۳، مصر

۵۹ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری (کتاب النکاح باب القرعۃ بین النساء) ج ۲ ص ۷۸۴۔

(ب) صحیح مسلم (کتاب الفضائل باب مناقب عائشۃ ام المؤمنین) ج ۲ ص ۲۸۶۔

۶۰ صحیح بخاری (کتاب الصلح) ج ۱ ص ۳۷۲، طبع کراچی

۶۱ دیکھیے: صحیح بخاری (کتاب العلم باب من ترک بعض الاختیار الخ)، ۱/ ۲۴

۶۲ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ، ص ۲۰۸، مکتبہ رشیدیہ، لاہور

☆☆☆

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

عدم برداشت کا قومی وبین الاقوامی رجحان

اور تعلیمات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ☆

برداشت۔ایک عظیم اخلاقی وصف

شرعی طور پر برداشت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے مگر موضوع کی مناسبت سے ہماری معروضات کا مرکزی محور اس کا صرف ایک پہلو رہے گا جسے عام اصطلاح میں حلم یا تحمل و بردباری بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے انتقام کی قدرت ہونے کے باوجود کسی ناگوار خلاف مرضی یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لینا۔ غیظ غضب کے موقعہ پر غصہ پی جانا۔ آپے سے باہر نہ ہونا، طیش میں نہ آنا اور اپنے نفس و طبیعت کو قابو میں رکھنا۔(۱)

انسان کے باطنی کمالات اخلاق عالیہ اور اوصاف حسنہ میں یہ ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کریم کو بہت پسند ہے دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بیشمار نقد دنیوی / معاشرتی برکات اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے(۲) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ جس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں قوت برداشت کا مادہ نہ تو فطری و جبلی طور پر موجود ہو اور نہ وہ اس کے اکتساب کی کوشش کرے تو گویا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم ہے۔(۳)

یہ عدم برداشت جہاں ایک زبردست اخلاقی عیب ہے (۴) وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کو

☆ یہ مقالہ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کی سالانہ قومی سیرت کانفرنس ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کے ''انعامی مقابلہ مقالات سیرت'' کے لیے لکھا گیا۔

نہیں بلکہ بسا اوقات پورے ملک وقوم اور سارے انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ عدم برداشت کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے، ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

برداشت کے حوالے سے قومی صورت حال

حلم و بردباری یا برداشت کے حوالے سے جب ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں تو وطن عزیز کے قدیم طرز کے دینی مدارس اور جدید تعلیمی مراکز میں مناسب نظام تربیت نہ ہونے اور خانقاہوں جن کا بنیادی مقصد ہی اصلاح نفس تھا، میں ''عقابوں'' کی جگہ ''زاغوں'' کے تصرف کی وجہ سے تزکیہ نفوس کی طرف بالکل توجہ نہ ہونے کے باعث ہر چھوٹا بڑا آدمی (الا ماشاء اللہ) اس عظیم اخلاقی وصف سے خالی نظر آتا ہے۔ آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ ماں باپ نے از راہ شفقت اپنے کسی بیٹے بیٹی کو کسی غلط اور نقصان دہ کام پر تنبیہ کی یا وہ بیچارے اس کا کوئی جائز ناجائز مطالبہ بوجوہ پورا نہ کر سکے تو اس کو اس مشفقانہ تنبیہ یا اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر اتنا طیش آیا اور اتنا برا منایا کہ اس نے اپنی کنپٹی پر پستول رکھ کر، یا زہریلی گولیاں کھا کر یا گلے میں پھندا ڈال کر اپنی جان کا ہی خاتمہ کر دیا۔

ہمارے بعض شہروں بالخصوص دیہاتوں میں جدی پشتی خاندانی عداوتیں، لڑائیاں جھگڑے اور مستقل مقدمہ بازی کی معاشرتی بیماریاں اکثر معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو برداشت نہ کر سکنے کا ہی ہوش ربا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح سیاسی میدان میں اب تک کسی حکومت کا اپنی آئینی مدت پوری نہ کر سکنا، متعدد حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا تماشہ، آزادی کے بعد جمہوریت کی بجائے زیادہ تر عرصہ مارشل لاء کی نذر ہو جانا، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، متعدد سیاستدانوں کا قتل۔ اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران معزز ارکان اسمبلی کے باہم دست و گریبان اور گتھم گتھا ہونے اور گالی گلوچ سے پارلیمنٹ جیسے باوقار ادارے کا مچھلی منڈی کا منظر پیش کرنا، ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنا، حزب اختلاف کا بہر کیف اور بہر صورت

حزب اقتدار سے مخالفت کرنا، حکومت کو گرانے کے لیے اپوزیشن کا ہمیشہ سازشیں کرتے رہنا اور ہر ممکن حربہ استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ عدم برداشت کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سیاسی اعتبار سے اگر ایک دوسرے کو برداشت کر لینے اور حصول اقتدار کے لیے اپنی باری کا انتظار کرنے کا جذبہ ہوتا تو یقیناً اندرون ملک اور بیرون ملک استحکام کی صورت حاصل آج سے کہیں بہتر ہوتی۔

علاوہ ازیں مذہب مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں عدم برداشت کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک الم ناک بھیانک اور تباہ کن صورت حاصل اختیار کر رکھی ہے، اس کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ ہر فرقہ کی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد، جن جزوی وفروعی مسائل اور معاملات کی شریعت میں کوئی بنیادی حیثیت نہیں ان کی بنیاد پر مستقل مذہبی گروہوں کا وجود، اپنے اپنے مسلک کے حوالے سے مختلف سپاہوں، تحریکوں، تنظیموں اور جمعیتوں کی تشکیل، بندوق اور کلاشنکوف کے زور پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی مذموم کوششیں، مختلف نظریہ کے حامل حضرات کی عبادت گاہوں کے اندر نماز اور عبادت و تسبیح میں مصروف لوگوں پر حملے اور بم دھماکے، دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا جبکہ ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ وَاجِبَۃٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بِرًّا کَانَ اَوْفَاجِرًا (۵)

ہر نیک اور گنہگار مسلمان کے پیچھے (باجماعت) نماز پڑھنا تمہارے اوپر واجب ہے۔

صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وفی روایۃ خَلْفَ کُلِّ بِرٍّ وَّفَاجِرٍ (۶)

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے حامل لوگوں کو اپنی مسجد جو اصلاً سارے مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہوتی ہے، میں داخل نہ ہونے دینا جبکہ خود نبی اکرم ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ اور مفسر علامہ جصاص رازی نے آیت اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ الخ (سورۃ التوبہ:۲۸) کے تحت لکھا ہے:

ولم یکن اھل الذمۃ ممنوعین من ھذہ المواضع (۷)

ان مواضع (مساجد) میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور اپنے اس خیال یا رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیانؓ کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔ (۸)

پھر سب سے بڑھ کر متشدد مذہبی لوگوں کا یہ عجیب رویہ کہ جسے اپنے تراشیدہ یا اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے رستے سے ذرا ہٹا ہوا پایا اس پر جھٹ کفر کا فتوی جڑ دینا اور اس میں اتنی شدت یا غلو اختیار کرنا کہ جسے کافر قرار دیا گیا ہے اسے اگر کوئی کافر نہ مانے تو وہ بھی کافر۔ یہ سب کچھ عدم برداشت ہی کا کرشمہ اور شاخسانہ ہے ورنہ جو اسلام کافروں مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت، نرمی، حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ ان لوگوں کے حق میں مجسم قہر و جلال اور شمشیر براں بن جائے جو اپنے اسلام اور اسلامیت کے معترف اور مقر ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے:

لَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (سورۃ النساء:۹۴)

جو کوئی تمہیں (مسلمانوں کا سا) سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔

آیت ہذا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوگا باطن پر نہیں۔ کسی مسلمان کو جذبات اور اشتعال میں آ کر کافر قرار دے دینا بڑا نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ ہمارے فقہاء کرام نے اس معاملے میں حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور

ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔" (۹)

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان

جہاں تک عدم برداشت کے بیان الاقوامی رجحان کا تعلق ہے تو موجودہ صورت حال دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ بڑے ممالک اور بڑی طاقتیں بطور خاص اس اخلاقی بیماری میں مبتلا ہیں۔ جو اپنے اردگرد چھوٹے ممالک 'چھوٹی ریاستوں' اقلیتوں اور کمزور ممالک کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اصولی اور عقلی طور پر تو یہ چاہتے کہ جس کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہوا ہے وہ کسی غریب سے کیوں لقمہ چھینتا اور اس کے حق زندگی کو سلب کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ حق زندگی اور شخصی آزادی کا حق تو ہر انسان کو قدرت کی طرف سے دیا گیا ہے جسے انگلستان کے میکنا کارٹا اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کے اندر بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ ایک کام بڑی طاقت کرے تو جائز اور اگر وہی کام کوئی چھوٹا ملک کرے تو ناجائز اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو جائے جیسا کہ گزشتہ برس پاکستان کے ایٹمی دھماکہ کرنے کے وقت ہوا۔ بڑی اور ایٹمی طاقتوں نے پاکستان کو اس "جرم" سے باز رکھنے کے لیے جتنا دباؤ ڈالا وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے یہ طاقت کے نشہ اور عدم برداشت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر بڑی طاقت اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے چھوٹے ممالک اور ریاستوں میں بے جا مداخلت کرنے کی بجائے انہیں عام انسانی حقوق کے تحت جینے اور آزادی کا حق دیدے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس وقت کشمیر کا مسئلہ ہو، افغانستان کا مسئلہ ہو، فلسطین کا مسئلہ ہو۔ عراق کا مسئلہ ہو، کسووو کا مسئلہ ہو جن میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں اور وہاں کا امن تباہ ہو چکا ہے۔ یہ سب مسائل عدم برداشت کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اگر دنیا میں "جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کیا جائے تو کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔

برداشت کی تعلیماتِ نبوی ﷺ

برداشت یا تحمل و بردباری کے معاملے میں جہاں تک تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے تو اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ اس باطنی صفتِ حسنہ اور اخلاقی کمال کے اتنے فضائل و برکات ہیں اور اس کو اختیار کرنے کی اتنی تاکید آئی ہے کہ قرآن وسنت اس سے بھرے پڑے ہیں۔ پھر اس سلسلے میں جب ہم نبی رحمت ﷺ کی عملی تعلیمات کا جائزہ لیتے اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ہمیں حلم و برداشت کا ایسا سراپا اور مجسمہ نظر آتے ہیں جس کی نظیر پوری تاریخ انسانیت میں دکھائی نہیں دیتی۔ (صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ سلاما کثیرا دائما ابدا)

ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ برداشت کے سلسلے میں پہلے چند تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلواۃ والسلام اور پھر اس ضمن میں نبی پاک ﷺ کی عملی تعلیمات یا اسوہ حسنہ سے چند آبدار موتی پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ تفصیلات میں جانا ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستقی ودریاہم چناں باقی

سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الصلواۃ والسلام پر ہزاروں دفتر لکھے جانے کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ

دفتر تمام گشت دبپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کسی بڑے سے بڑے آدمی کی طاقت نہیں کہ وہ سرورِ دو جہاں فخرِ موجودات سوادِ دیدہ امکاں حاصلِ مزرعِ ہستی رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین امام المرسلین خاتم النبین سیدنا ومولانا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے کمالاتِ عالیہ اور صفاتِ حسنہ کو

کما حقہ بیان کر سکے۔ یہ مقام عجز ہے۔اس مقام میں زبانیں گنگ، قلم ساکت، فکر مختل اور عقلیں حیران ہیں۔

بہر کیف اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر نہایت شاق گزرتی ہے وہ عفوودرگزر، ضبط نفس، تحمل اور برداشت کی ہے لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت ظاہر کی گئی ہے اور خدائے تعالیٰ کی توحید اور عظمت وجلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے، جو خاص اسلام کا امتیازی حصہ ہے تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ جوش عقیدت یا غلو میں آ کر کوئی شخص مذاہب باطلہ کے معبودوں کے لیے کوئی نازیبا اور نا ملائم لفظ استعمال نہ کرے۔ چنانچہ حکم الٰہی ہے:

اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔ (سورۃ الانعام:۱۳)

لوگوں کے ساتھ تسامح اور تحمل و برداشت کی یہ کتنی انتہائی تعلیم ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کو خطاب ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم وستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو، اور ان کو معاف کرو اور اسی کی پیروی کا حکم عام مسلمانوں کو بھی ہو رہا ہے:

''معاف کرنے کی خو پکڑو اور نیک کام کو کہہ اور جاہلوں سے کنارہ کر، اور اگر تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ ابھارے یعنی غصہ آ جائے، تو خدا کی پناہ پکڑ وہ ہے سنتا جانتا'' (سورۃ الاعراف:۱۹۹۔۲۰۰)

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اتری تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل امین سے اس کی تاویل (تفسیر) پوچھی تو انہوں نے عرض کیا: اللہ کریم کے پاس جا کر پوچھتا ہوں۔ چنانچہ واپس آ کر حضرت جبریل امین نے بتایا کہ اس آیت میں اللہ کریم حکم فرماتے ہیں کہ آپ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرتے رہیں یا تعلقات کو جوڑتے رہیں جو

توڑنے کی کوشش کرے اور اس کو بھی عطا کریں جو آپ کو محروم کردے اور جو آدمی آپ سے زیادتی کرے اس سے بھی درگزر فرماتے رہیں۔(۱۰)

یہ وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن کے حدیث میں بڑے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں (۱۱) اہل اسلام کو ترغیب وتشویق دلانے کے لیے اللہ کریم نے اہل جنت متقی لوگوں کے اوصاف حسنہ بتاتے ہوئے ایک کمال وصف اور اخلاقی خوبی یہ بھی بیان فرمائی کہ:

"وہ غصے کے ضبط کرنے (پی جانے) والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں" (سورۃ آل عمران:۱۳۴)

اس آیت کریمہ کی تفسیر اور معنوی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں تاہم مولانا عبدالماجد دریا بادی کا مختصر سا تفسیری نوٹ ضروری وضاحت کے لیے کافی ہے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو۔ تو یہ لوگ وہ لوگ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اسے زیر کر لیتے ہیں اور اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں "فاقدین الغیظ" ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس چیز کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہ ہو بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارت طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں۔ مقصود صرف حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں۔ نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی میں بکثرت وارد ہوئی ہیں مثال کے لیے ایک حدیث ملاحظہ ہو:

"مَنْ كَظَمَ غَضَبًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْفَاذِهٖ مَلَاءَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَمْنًا وَاِيْمَانًا"

"قدرت نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اس کا

قلب امن اور ایمان سے لبریز کردے گا)

العافین عن الناس یعنی لوگوں کے قصوروں اور خطاؤں کو بھی معاف کردیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ باوجود قدرت واستطاعت خطاوار سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسے معاف بھی کردیتے ہیں۔ یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے)(۱۲)

لگے ہاتھوں غصہ کے ضبط کرنے کی عظیم فضیلت پر ایک اور حدیث نبوی ﷺ بھی ملاحظہ فرماتے چلیے:

آدمی کوئی ایسا گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محض رضائے الٰہی کے لیے پئے گئے غصے کے گھونٹ سے زیادہ افضل ہو۔(۱۳)

انسان اگر تھوڑا سا غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ غصہ اور غیظ وغضب کی بے اعتدالی اور بے صبری صرف عام اخلاقی برائی ہی نہیں بلکہ کئی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ بہت سے ظالمانہ اور بیدردانہ کام انسان صرف غیظ وغضب اور غصہ میں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں نادم و پشیمان ہوتا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے غصہ پر قابو رکھے اور بلا جواز غیظ وغضب کا اظہار نہ کرے اللہ کریم نے ان مومنوں کی تعریف فرمائی ہے جو غصہ کے وقت لوگوں کو معاف کردیتے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔(سورۃ الشوریٰ:۳۷)

اسی لیے نبی اکرم ﷺ سے جب ایک آدمی نے (جسے شاید زیادہ غصہ آتا تھا) کسی وصیت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے دوبارہ سہ بارہ وصیت کے لیے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کر(۱۴)

بلاوجہ اور بلا جواز غصہ کرنے کے ایمانی وروحانی نقصان سے آگاہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بیشک بلاوجہ غیظ وغضب انسان کے ایمان کو اسی طرح خراب کردیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب (کڑوا) کردیتا ہے۔(۱۵)

سکون کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہے۔ انسان کی بردباری، حوصلہ، قوت، برداشت اور عفو و درگزر کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب غصے سے اس کا خون کھول رہا ہو۔ عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے:

لایعرف الشجاع الاعندالحرب و لا یعرف الحلیم الاعند الغضب

بہادر کی پہچان جنگ کے وقت اور بردبار آدمی کی پہچان غصہ کے وقت ہی ہوتی ہے۔

اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الذِیْ یملک نَفْسَہٗ عندالْغَضَب(١٦)

(بہادر آدمی وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے)

تحمل، بردباری، برداشت اور حوصلہ کی تحسین فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے اشج سے فرمایا:

تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جن کو اللہ کریم بھی پسند فرماتے ہیں۔ ایک حلم (متانت) اور دوسری وقار۔ (١٧)

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب مدینہ منورہ پہنچا تو اشج (منذر بن عائذ) کے سوا وفد میں شامل سارے لوگ فرط عقیدت میں اپنی سواریوں کو یوں ہی چھوڑ کر انہی کپڑوں میں دوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گئے جبکہ اشج نے بڑے اطمینان و سکون سے پہلے اپنے سامان کو رکھا، سواری کے جانور کو باندھا، خوبصورت کپڑے پہنے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے متانت بھرے اس طرز عمل کی تحسین فرمائی۔

اسوہ حسنہ اور عملی تعلیم

تحمل و بردباری اور برداشت کی صفت حسنہ اور کمال اخلاقی جوہر سے جہاں تک خود نبی محتشم ﷺ کے متصف اور مزین ہونے کا تعلق ہے تو تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح باقی ظاہری و باطنی کمالات میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

آفاقہا گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اسی طرح اس وصف میں بھی آپ کا ثانی روئے زمین پر آج تک پیدا ہوا ہے نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ کیونکہ رب ذوالجلال نے وہ قلم ہی توڑ دیا ہے جس کے ذریعے اس نے محمد بن عبداللہ فداہ ابی وامی ﷺ کی تصویر کشی فرمائی تھی۔

اک شخص سراپا رحمت ہے اک ذات ہے یکسر نور خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اس جیسا نہ ملا

نبی اکرم ﷺ کے ذاتی تحمل و بردباری اور ملاطفت کے بارے میں ہم سب سے پہلے رب ذوالجلال والاکرام کی شہادت قلمبند کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی سچی شہادت نہیں ہو سکتی (ومن اصدق من اللہ حدیثا) چنانچہ اللہ کریم فرماتے ہیں:

"پس اللہ کی رحمت (مہربانی) سے آپ ﷺ ان (لوگوں) کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ ترشرو، سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے"۔ (سورۃ آل عمران:۱۵۹)

قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اسی بنا پر "عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ" (سورۃ التوبہ:۱۲۸) "اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (سورۃ الاحزاب:۶) اور سب سے بڑھ کر "رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (سورۃ الانبیاء:۱۰۷) قرار دیا گیا ہے۔ اسی سے لوگوں سے آپ کے بے نظیر سلوک کا ایک مابہ الاشتراک کلیہ

استنباط کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے آپ ﷺ کی بنی نوع انسان کے لیے پدرانہ و پیغمبرانہ محبت وشفقت، نرمی اور عفو و درگزر۔ یہ مابہ الاشتراک جذبہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا خلاصہ ہے۔ ابونعیم نے حضرت قتادہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> اللہ کریم نے اپنے رسول محتشم ﷺ کو ہر قسم کی ترش روئی اور سختی سے پاک فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو سب مومنوں کے قریب اور ان کے لیے رؤف ورحیم بنادیا تھا۔ (۱۸)

پھر جلوت میں تو ہر آدمی بڑا مہذب اور بااخلاق نظر آتا ہے اس کے بااخلاق ہونے کا اصل پتہ اس کی خلوت میں چار دیواری کے اندر اس کی نجی زندگی اور گھر کے قریبی افراد سے چلتا ہے جن کے سامنے آدمی زیادہ دیر تک اپنی حقیقت اور اصلیت کو نہیں چھپا سکتا۔ جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی جلوت کی زندگی روز روشن کی طرح واضح ہے ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کی خلوت اور گھریلو نجی زندگی بھی کھلی کتاب کی مانند لوگوں کے سامنے ہے۔ اب آپ ﷺ کے تحمل و بردباری پر گھر کے ایک ایسے فرد کی گواہی ملاحظہ فرمایئے جس سے زیادہ کسی کو آپ ﷺ کا قرب حاصل نہیں تھا۔ راقم کی مراد ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں:

> نبی اکرم ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ برائی کرنے والے کو معاف فرمادیتے اور درگزر فرماتے تھے۔ (۱۹)

انہی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک دوسری صحیح ترین گواہی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ جسے متعدد محدثین اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی معاملے میں اپنی ذات پر کی گئی زیادتی کا کبھی بدلہ نہیں لیا۔ بجز اس کے کہ خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو۔ تو اس صورت میں آپ سختی سے مؤاخذہ فرماتے تھے۔ (۲۰)

نبی اکرم ﷺ کے ذاتی تحمل اور برداشت کے بارے میں محدثین عظام اور سیرت نگاروں کی اجمالی گواہی یہ ہے کہ:

آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم وبردبار تھے۔(۲۱)

نبی رحمت ﷺ کے ذاتی تحمل وبردباری اور برداشت پر قرآن مجید، سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور عام سیرت نگاروں کی اجمالی شہادت کے بعد اب ہم اس اجمال کی تفصیل کے لیے ذیل میں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ سے چند ایمان افروز واقعات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں:

مکہ مکرمہ میں برداشت کا کمال مظاہرہ

حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت فرمانے کے بعد قریش مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا اور آپ ﷺ کے معاملے میں تمام انسانی اخلاق کی جو دھجیاں اڑائیں وہ تاریخ انسانی کا ایک تاریک ترین باب ہے۔ انہوں نے خدا واسطے اور کسی بھی حوالے سے جواز کے بغیر آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کی حدیں پھلانگ دیں۔ آپ ﷺ کو گالیاں دیں۔ مارنے کی دھمکی دی۔ صرف دھمکی ہی نہیں مارنے کے منصوبے بنائے۔ راستوں میں کانٹے بچھائے جسم اقدس پر نجاست ڈالی اور وہ بھی نماز کے دوران (۲۲)، گلے میں پھنڈا ڈال کر کھینچا، آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل کبھی شاعر کہا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ غرض اہل مکہ نے آپ ﷺ کو تنگ کرنے اور اشتعال دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان کی ان اشتعال انگیز حرکات پر آپ ﷺ نے کبھی برہمی کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کبھی آپے سے باہر ہوئے جبکہ غریب سے غریب آدمی کو بھی جب برسر عام جھٹلایا جاتا اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو وہ غصے سے کانپ اٹھتا ہے اور اگر کچھ اور نہیں کرسکتا تو زبانی بھڑاس ضرور نکالتا ہے۔

ہمارے خیال میں یہ بات کہنا بھی کچھ صحیح نہیں کہ مکہ مکرمہ میں آپ مجبور محض تھے اس لیے سوائے صبر و برداشت کے اور چارہ بھی کیا تھا؟ کیونکہ جو آدمی (نبی اکرم ﷺ) اعلان نبوت سے پہلے اور بعد متعدد مواقع پر دوسروں کے حقوق کی بازیابی اور ان پر زیادتی کے ازالے کے لیے اپنی کمال جرءت اور جوانمردی کا مظاہرہ کر چکا ہے (مثلاً حج کے لیے جنوبی عرب سے آنے والے ایک بدو کی خوبرو بیٹی کو جب مکہ کے ایک مالدار تاجر (نبیہ بن حجاج) نے اغوا کر لیا تو آپ ﷺ نے اپنے چند نوجوان ساتھیوں کے ساتھ بزور بازو دولت کے نشے میں مست اس تاجر سے بچی کو برآمد کیا (۲۳) مکہ مکرمہ کا قوی ترین آدمی ابوجہل جب ایک پردیسی تاجر کا مال خرید کر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کر رہا تھا تو اس سے پردیسی تاجر کو قیمت دلوائی (۲۴) اعلان نبوت کے بعد بھی ایک اراشی کو اس کے غصب شدہ مال کی، ابوجہل مردود سے قیمت دلوائی (۲۵) قبیلہ زبید کے ایک اجنبی آدمی کو ابوجہل کے ظلم سے بچا لیا (۲۶) ایک یتیم بچے کو اس کا غصب کردہ مال ابوجہل سے واپس دلوایا (۲۷) اسی طرح ایک نصرانی کا لوٹا ہوا مال ابوجہل سے برآمد کرایا (۲۸) وغیرہ وغیرہ

اور پھر وہ آدمی پیغمبرانہ رعب و جلال کا بھی مالک ہو اور اس کے ایک اشارے پر بنو ہاشم اور کئی دوسرے جوان اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار رہتے ہوں، اس کے متعلق یہ تصور کر لینا کہ وہ مکہ مکرمہ میں مجبور محض تھا قرین قیاس نہیں۔ یہ مجبوری و مقہوری نہیں تھی بلکہ تعلیم امت کے لیے صبر اور تحمل و برداشت کا کمال مظاہرہ تھا۔

علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے تو گھر میں یا خانہ کعبہ میں استہزاء کرنے والوں اور اذیت پہنچانے والے قریش مکہ اور اہل طائف کے لیے بددعا کرنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں تھی مگر تاریخ بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے تو بعض لوگوں کے مطالبے کے باوجود ان کے لیے بددعا تک نہیں فرمائی اور نہ ہی خدا کی طرف سے پیشکش کے باجود اہل مکہ اور اہل طائف کی ہلاکت کو پسند فرمایا۔ (۲۹)

مدینہ منورہ میں بے مثال برداشت کا مظاہرہ

نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں آپ ﷺ صرف فرستادہ الٰہی نہیں بلکہ ایک عظیم اسلامی مملکت کے سربراہ بھی ہیں جس کا رقبہ دس لاکھ مربع تک پھیلا ہوا ہے۔ (۳۰) اور پھر عوام میں اتنے محبوب و مقبول کہ لوگ آپ ﷺ کا لعاب دہن بھی ہاتھوں میں لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ آپ ﷺ کی آواز پر سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے ایک ادنی اشارہ پر عقیدت مند نوکروں کی طرح دوڑتے ہوئے آتے ہیں (۳۱) لہٰذا یہاں تو مکہ مکرمہ والی ظاہری مجبوری و مقہوری والی بات بھی نہیں کہی جاسکتی۔

دوسرے اس قسم کے مضبوط اقتدار میں عام مشاہدہ ہے کہ حکمران عام طور پر کسی ادنی گستاخی کو برداشت کرنے اور خلاف طبیعت بات کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مگر ریاست مدینہ منورہ کے اس منفرد سربراہ مملکت اور شاہ دوسرا ﷺ کا رویہ لوگوں کے ساتھ اتنا نرم اتنا میٹھا اتنا محبت بھرا اتنا مشفقانہ اور اتنا متحملانہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی بدویانہ طبیعت اور اکھڑ مزاج کے باعث اور بعض لوگ جان بوجھ کر ایسی ایسی گستاخانہ حرکات کرتے تھے کہ انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی یا گردن بھی اڑا دی جاتی تو نہ عقلی اعتبار سے غلط ہوتا اور نہ حکمرانی کے مروجہ اصولوں کے خلاف۔ یہ لفاظی یا محض عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے عملی جامہ پہنایا تھا۔ ہم ذیل میں آپ ﷺ کے تحمل اور کمال برداشت کے چند واقعات کی طرف اشارہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

برداشت نبوی کا امتحان

زید بن سعنہ۔ ایک یہودی عالم۔ اسلام قبول کرنے سے قبل کا اپنا ایک ذاتی واقعہ اور آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے توراۃ وانجیل کی صراحت کے مطابق نبی اکرم ﷺ میں آخری نبی ہونے کی تمام علامات دیکھ لیں مگر ایک علامت کا دیکھنا ابھی

باقی تھا اور وہ یہ تھی کہ:

''یَسْبِقُ حِلْمُهٗ جهله وَلَاتَزِیْدُ شِدَّۃُ الْجَھْلِ عَلَیْهِ اِلَّا حِلْمًا''

اس آخری نبی کا تحمل و برداشت اس کے غصہ پر غالب ہوگا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی اشتعال انگیز جاہلانہ حرکت اس کے حلم میں اضافہ کا ہی باعث ہوگی۔

اس علامت نبوت کو پرکھنے کے لیے انہوں نے از خود ہی حضور ﷺ کو ایک نو مسلم قبیلے کی بعض ضروریات کے لیے اسی مثقال چاندی بطور قرض دی۔ پھر واپسی کی مقررہ تاریخ میں ابھی چند دن باقی تھے کہ ایک جنازہ کے موقعہ پر کبار صحابہؓ کی موجودگی میں برسر عام حضور ﷺ کی چادر اور قمیص پکڑ کر سخت گستاخانہ لہجے میں آپ ﷺ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا پھر مزید اشتعال دلانے کے لیے سارے بنو عبدالمطلب کو قرض کی ادائیگی میں ڈھیل کا طعنہ دیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ جیسے عاشق زار سے اس کی یہ جرات، بے باکی، بدتمیزی اور گستاخانہ حرکت کہاں برداشت ہو سکتی تھی؟ فرمایا ''اے دشمن خدا! حضور ﷺ سے یہ بات کہتا اور ایسی حرکت کرتا ہے؟ حضور ﷺ کا دامن چھوڑ دے'' مگر حلم و برداشت کے پیکر پیغمبر اکرم ﷺ نے ہنستے ہوئے اپنے جاں نثار عمرؓ سے فرمایا: عمر! تم سے کچھ اور امید تھی۔ تمہیں مجھ سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض باحسن طریق ادا کروں اور اس سے کہنا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے'' پھر حضرت عمرؓ سے ہی فرمایا کہ اس کا قرض ادا کرو اور ساتھ جو تم نے اسے خوف زدہ کیا ہے اس کے عوض بیس صاع مزید کھجور بھی دو۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ تحمل اور کمال بردباری اپنا کام کر چکی تھی زید بن سعنہ آپ ﷺ میں آخری علامت نبوت دیکھ چکا تھا لہٰذا سارے اہل خانہ سمیت اسلام لے آیا۔ (۳۲)

ایک اعرابی کی دھونس اور مطالبہ

حضور اکرم ﷺ عام معمول کے مطابق ایک موٹی اور کھردری چادر زیب تن کیے ہوئے تھے۔ مسجد سے نکلے تو ایک بدو سامنے آیا اور چادر اقدس کو اتنے زور سے کھینچا کہ

نرم ونازک گردن پر چادر کے نشان پڑ گئے۔ پھر گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا "اے محمد! ﷺ میرے اونٹوں پر غلہ لاد دے۔ تیرے پاس جو مال ہے وہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا"، مجسمہ تحمل وبرداشت نبی ﷺ نے اس کی اس بدویانہ حرکت پر کسی قسم کی ناراضگی کے بجائے تبسم فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے پر جو لاد دیے جائیں۔ (۳۳)

عبداللہ بن ابی کو برداشت کرتے رہنا

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی منافقانہ اور گھٹیا حرکات سے کون واقف نہیں۔ مدینہ منورہ کے امن و امان کو تباہ کرنے کی کوشش، مسلمانوں کو لڑانے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کی سازش، عین میدان جنگ میں دھوکہ دہی، پھر سب سے بڑھ کر براہ راست حرم نبوی سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان کا طوفان بدتمیزی کھڑا کر کے حضور ﷺ اور خاندانی صدیقی کو ذہنی اذیت پہنچانا۔ غرض کون سا ایسا جرم تھا جو اس کی گردن اڑا دینے کا جواز پیدا نہیں کرتا تھا۔ بعض صحابہ نے اس خبیث کے وجود سے زمین کو پاک کر دینے کی اجازت بھی چاہی مگر آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ تاریخ انسانیت میں کوئی ایسا بردبار نہیں گزرا جس نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنے کسی مخالف کو اتنا برداشت کیا ہو۔ پھر اسی پر بس نہیں فرمائی بلکہ جب یہ "مار آستین" مرا تو اس پر جنازہ پڑھ کر اور اس کے کفن کے لیے اپنا ذاتی پیراہن عطا فرما کر برداشت کی حد کر دی۔ (۳۴)

تقسیم غنیمت پر اعتراض

اہل علم کو معلوم ہے کہ غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد پیش آیا ہے جبکہ عرب کا زیادہ تر علاقہ فتح ہو چکا ہے۔ اس غزوہ میں لشکر اسلام کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آتا ہے۔ سپہ سالار لشکر ﷺ خمس میں سے بعض نو مسلموں اور مؤلفۃ القلوب کو نسبتاً زیادہ عنایت فرماتے ہیں تو ذوالخویصرہ نامی ایک منہ پھٹ اور گستاخ جس کی نسل سے آگے چل کر خوارج کا گستاخ گروہ پیدا ہوا اور جو جنگ نہران میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں مارا گیا، بول اٹھا:

اے محمد! (ﷺ) اس تقسیم میں عدل کیجئے۔ یہ ایسی (نامنصفانہ) تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔"

اس گستاخی پر اس کی گردن اڑا دینے میں حضور ﷺ کو کوئی چیز مانع نہ تھی مگر صبر و تحمل کے اس پیکر ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ

"تجھ پر افسوس ہے! اگر میں بھی انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں کون انصاف کرے گا۔ پھر از راہِ تواضع فرمایا: اللہ میرے بھائی حضرت موسیٰؑ پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ اذیتیں پہنچائی گئیں۔ (۳۵)

حضور ﷺ کے صبر و تحمل، اور کمال برداشت کے یہ چند واقعات "مشتے از خروارے" کے طور پر ہیں ورنہ اس پہلو سے سیرت طیبہ کا دامن بھرا پڑا ہے۔ ان واقعات کو پڑھ کر انسان ورطہء حیرت میں پڑ جاتا ہے اور یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ طاقت اور ظاہری و باطنی اختیارات کی بلند ترین چوٹی پر فائز ہونے کے باوجود اس قسم کے صبر و تحمل کا مظاہر اللہ کریم جو خود بھی حلیم ہے کا محبوب اور فرستادہ ﷺ ہی کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ کاش ہم خالی نعرے لگانے والے اور سیرت و میلاد النبی ﷺ کے جلسے اور کانفرنسیں کرنے والے عاشقان رسول ﷺ آپ ﷺ کے تحمل اور کمال برداشت و بردباری کی اتباع کرتے ہوئے اپنے اندر کچھ وسعت و فراخی بھی پیدا کرتے۔ خدانخواستہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہمیں محبت و غلامیء رسول ﷺ کا دعوی زیب نہیں دیتا۔

گر نہ داری از محمدؐ رنگ و بو
میالا از زبانِ خود نامِ او

شاعر مشرق علامہ اقبال کی زبان میں سارے مسائل کا حل یہ ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر
بحق دل بند وراہِ مصطفیٰ ﷺ رو

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھیے :(الف)قاضی عیاض : الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۳:۱۰۱ طبع مصر

(ب)امام راغب اصفہانی "المفردات فی غریب القرآن: تحت مادہ حلم، ص :۱۲۹ طبع مصر

(ج)لغت کی دوسری کتابیں مثلاً لسان العرب، القاموس . محیط اور منجد و غیرہ تحت مادہ حلم

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف)مشکواۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق وباب الغضب والکبر

(ب)امام غزالی: احیاء علوم الدین:۳:۲۱۸ تا ۲۲۲، طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

(ج)ابن ابی الدنیا: مکارم الاخلاق مع مکارم الاخلاق للطبرانی، ص : ۲۶ تا ۳۲ نیز ص : ۳۲۰ تا ۳۲۲ طبع بیروت، لبنان ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

(د)ریاض الصالحین، باب الحلم والاناۃ والرفق

۳۔ (الف)صحیح مسلم (باب فضل الرفق) ج :۲، ص:۳۲۲ طبع کراچی

(ب)مشکواۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

(ج)ریاض الصالحین (باب الحلم والاناۃ والرفق) ص :۲۷۴ تا ۲۷۶ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۴۔ مشکواۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

۵۔ مشکواۃ المصابیح (باب الامامۃ) ص : ۱۰۰ طبع کراچی

۶۔ الکاسانی: بدائع الصنائع (مترجم) ج : ۱ ، ص:۵۱۳، طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور.

۷۔ ابوبکر جصاص رازی: احکام القرآن:۳:۱۰۹ طبع مصر

۸۔ ایضاً

۹۔ دیکھیے:(الف)ان نجیم حنفی: البحر الرائق:۵:۱۳۴ دار الکتب العربیہ، بیروت
(ب)ملاعلی قاری حنفی : شرح فقہ اکبر، ص:۱۹۹ طبع مجتبائی دھلی
(ج)امام عبدالوھاب شعرانی: الطبقات الکبری، ص :۱۳ (مقدمہ) مصر

۱۰۔ دیکھیے:(الف)ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ):مکارم الاخلاق، ص:۳۲ طبع بیروت لبنان ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء
(ب)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی:۱:۱۰۴ طبع مصر
(ج)تفسیر طبری تحت آیت
(د)تفسیر مظھری تحت آیت

۱۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
(الف)ابن ابی الدنیا: مکارم الاخلاق، ص ۲۶ تا ۲۸ طبع بیروت
(ب)مستدرک حاکم ؤ ۲ؤ ۵۱۸، طبع حیدر آباد دکن، ۱۳۴۲ھ
(ج)امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۳:۲۱۸.۲۲۲ طبع قاھرہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۱۲۔ تفسیر ماجدی، ۱:۱۵۵ (تحت آیت) تاج کمپنی لاھور.۱۹۵۲ء

۱۳۔ مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر) ص :۴۳۴ طبع کلاں کراچی

۱۴۔ (الف)صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذر من الغضب) ۲ :۹۰۳
(ب)جامع ترمذی (ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب) ص : ۲۹۶ طبع کراچی
(ج)مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر ص :۴۳۴ طبع کراچی

۱۵۔ مشکواۃ المصابیح (باب الغضب والکبر ص :۴۳۳ طبع کراچی

۱۶۔ (الف)صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذر من الغضب) ۲ :۲۹۶ طبع کراچی
(ب)صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ والادب باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب) ج :۲ص ۳۲۶ طبع کلاں کراچی

(ج)سنن ابی داؤد (کتاب الادب باب من کظم غیظا) ۲:۶۰۹ کراچی

(د)مشکوٰۃ المصابیح (باب الغضب والکبر) ص ۴۳۳ طبع کراچی

۱۷ (الف)مشکوٰۃ المصابیح (باب الحذر والتانی فی الامور) ص :۴۲۹

(ب)مکارم الاخلاق للطبرنی (مع مکارم الاخلاق الابن ابی الدنیا) ص :۳۲۲ طبع بیروت لبنان

(ج)ریاض الصالحین (باب الحلم والاناۃ والرفق) ص :۲۷۴

۱۸ امام محمد بن یوسف صالحی شامی: سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد:۷:۱۷ طبع بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۱۹ ملاحظہ ہو:(الف)شمائل ترمذی (مع جامع ترمذی) ص :۵۹۶ طبع کلاں کراچی

(ب)ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱:۳۶۵ طبع بیروت

(ج)علی بن برھان حلبی: سیرت حلبیہ: ۳:۳۴۸ طبع مصر ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۳ء

(د)ابوبکر احمد بن الحسن بیھقی. دلائل النبوۃ: ۱:۳۱۵ طبع بیروت لبنان

(ہ)شمس الدین ذھبی: تاریخ الاسلام و وفیات المشاھیر والاعلام (السیرۃ النبویۃ) ص :۴۵۵ طبع بیروت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

(و)قسطلانی: المواھب اللدنیہ: ۲:۳۳۵ طبع المکتب الاسلامی بیرو. دمشق. عمان

(ز)مشکوٰۃ المصابیح (باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ) ص :۵۰۹.

۲۰ دیکھیے:(الف)صحیح بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسرواولاتعسروا وکان یحب التخفیف والیسر علی الناس

(ب)صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ

(ج)صحیح بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود والانتقام لحرمات اللہ

(د)صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مباعدتہ للاثام واختیارہ من المباح اسھلہ

(ہ)موطا امام مالک کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی حسن الخلق
(و)ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱:۳۶۷ طبع بیروت
(ز)قاضی عیاض : الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۵ طبع مصر
(ح)بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱:۳۱۰ طبع بروت لبنان
(ط)شمش الدین ذہبی : تاریخ الاسلام و دفیات المشاہیر والاعلام (السیرۃ النبویۃ) ص :۳۵۳ طبع بیروت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۲۱ دیکھیے:(الف)ابن ھزم الاندلسی: جوامع السیرۃ ص:۳۲ طبع دار الفکر العربی، قاہرہ۔
(ب)امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۲:۳۷۹ طبع قاہرہ، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
(ج)ابن سید الناس: عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر: ۲:۳۲۹، طبع بیروت ۱۹۷۴ء
(د)ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱:۳۷۸ طبع بیروت ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء

۲۲ صحیح بخاری: ج : ۱، ص :۳۷ (کتاب الوضوء) اور ص :۴۷ (کتاب الصلوٰۃ

۲۳ کونستانس جیورجیو: نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ الرسول بحوالہ ضیاء النبی، ازپیر محمد کرم شاہؒ: ۲:۱۲۴ طبع لاہور

۲۴ ایضاً ص:۱۲۵

۲۵ (الف)ابن ھشام: سیرۃ النبی ﷺ: ۱:۲۱۶،۲۱۷،۴ طبع مصر
(ب)علی بن برھان الدین حلبی: سیرت حلبیہ: ۱:۵۰۶۔۵۰۷ طبع مصر
(ج)امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی: سبل الھدیٰ والرشادفی سیرۃ خیر العباد: ۲:۵۵۱۔۵۵۲ طبع قاہرہ۔

۲۶ سیرت حلبیہ: ۱:۵۰۶ طبع مصر

۲۷ ایضاً

۲۸ مکتوبات شیخ شرف الدین یحیٰ منیری بحوالہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صرفیہ، ص: ۳۱۲۔۳۱۳ طبع کراچی

۲۹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

دیکھیے:(الف)امام محمد بن یوسف صالحی شامی: سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۷:۱۱ طبع بیروت ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء

(ب)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۵ طبع مصر

(ج)امام سیوطی: الخصائص الکبری:۳:۱۳۸ طبع مصر

(د)ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم تحت آیت و ماارسلنک الارحمۃ للعالمین پارہ:۱۷

(ھ)امام رازی: تفسیر کبیر:۲۲:۲۳۱ طبع مصر

(و) صحیح مسلم مع نووی (کتاب الجھاد باب غزوۃ احد) ج:۲ص:۱۰۸ طبع کراچی

۳۰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی:ص:۲۴۴ طبع کراچی ۱۹۸۱ء

۳۱ صحیح بخاری، (کتاب الشروط) ج: ۱ص:۳۷۹طبع کراچی۔

۳۲ (الف)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۹ طبع مصر

(ب)بیھقی: دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ:۲۷۸۶۔۱۸۱ طبع بیروت۔ لبنان

(ج)امام محمد بن یوسف صالحی شامی، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد:۷:۱۹۔۲۰ طبع بیروت، لبنان

(د) ابونعیم اصفھانی، دلائل النبوۃ: ۱:۲۳ ۔ ۳۳۴ طبع المکتبہ الاسلامی بیروت۔ دمشق عمان

(و)ابوالشیخ اصبحانی: اخلاق النبیﷺ و آدابہ، ص:۸۳۔۸۵طبع قاھرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء

(ز) ابن جوزی: الوفاباحوال المصطفی، ص:۴۲۹۔۴۳۱ طبع بیروت۔ لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۳۳ دیکھیے:(الف)صحیح بخاری (کتاب الادب باب التبسم والضحک، کتاب اللباس باب البرود، کتاب فرض الخمس باب ماکان النبیؐ یعطی المؤلفة قلوبهم)

(ب)صحیح مسلم (کتاب الزکواۃ باب اعطاء من سال بفحش وغلظ)

(ج)سنن ابی داؤد کتاب الادب باب الحلم واخلاق النبیﷺ

(د)سنن نسائی کتاب القسامة باب القود من الجبذة

(ہ)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۸ طبع مصر

(و)شمس الدین ذهبی، تاریخ الاسلام (السیرة النبویه) ص :۴۵٦

(ز)مشکواۃ المصابیح (باب فی اخلاقه و شمائلهﷺ ص:۵۱۸

(ح)بیهقی: دلائل النبوة: ۱:۳۱۸ طبع بیروت

(ط)محمد بن یوسف صالحی شامی سبل الهدی والرشاد:۷:۱۸

(ی)قسطلانی: المواهب اللدنیه:۲:۳۳۴ طبع بیروت

(ک)ابو الشیخ ابن حیان اصبهانی: اخلاق النبیﷺ وآدابه ص :۸۲ طبع قاهره

(ل)ابن جوزی: الوفاباحوال المصطفی ص : ۴۲٦ طبع بیروت. لبنان

۳۴ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے!

(الف)سورة توبه کی آیت نمبر ۸۳اور ۸۴ کے تحت تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی وغیره.

(ب)صحیح بخاری (کتاب الجنائز) ج ۱ : ص :۱٦۹۔۱۸۰۔۱۸۲

نیز کتاب المرض باب ۱۵ . کتاب الادب باب ۱۵أ. کتاب الاستیذان باب ۲

(ج)ابن کثیر: البدایه والنهایه:۵: ۳۴۔۳۵ . طبع مصر

(د)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱:۱۰۸ طبع مصر

(ہ)ابن جوزی: الوفاباحوال المصطفی ص :۴۳۳ طبع بیروت. لبنان

۳۵ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

(الف)صحیح بخاری کتاب فرض الخمس باب ماکان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبھم وغیرھم من الخمس. نیز کتاب اللباس میں باب ۱۸.۷ اور کتاب الادب باب ۶۸

(ب)صحیح مسلم کتاب الزکواۃ باب اعطاء المؤلفة قلوبھم. نیز باب ذکر الخوارج

(ج)سنن ابی داؤد کتاب الادب باب نمبر ۱

(د)سنن نسائی کتاب القسامة باب ۶۴

(ہ)قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق لامصطفی: ۱:۱۰۶ طبع مصر

(و)بیہقی: دلائل النبوۃ: ۵:۱۸۴ تا ۱۸۶ طبع بیروب

(ز)ملاعلی قاری: شرح الشفاء: ۱:۲۳۹ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱۶ھ

(ح)امام غزالی، احیاء علوم الدین: ۲:۳۷۹

(ط)امام شامی، سبل لھدی الرشاد فی سیرۃ خبر العباد:۷:۱۹ بیروت

(ی)ابن جوزی: الوفا باحوال المصطفی ص :۴۲۵ طبع بیروت . لبنان

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

بے لاگ احتساب۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں ☆

بے لاگ احتساب کا مفہوم

احتساب اپنے عام اصطلاحی مفہوم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کہتے ہیں۔ چنانچہ الماوردی (م ۴۵۰ھ) نے لکھا ہے۔

هو امر بالمعروف اذا ظهر ترکه ونهی عن المنکر اذا ظهر فعلهٗ (۱)

(احتساب کا معنی ہے ہر بھلائی کا حکم دینا اور ہر برائی سے روکنا جبکہ بھلائی کا چھوڑنا اور برائی کا ارتکاب ظاہر ہو جائے۔)

جبکہ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) احتساب کی تعریف میں فرماتے ہیں:

هی عبارة شاملة للامر بالمعروف والنهی عن المنکر (۲)

(احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مجموعہ کا نام ہے)

احتساب کی تعریف کے بعد بے لاگ احتساب کا مطلب ''صاف ستھرا، غیر جانبدار، بے تعصب اور بلا امتیاز ہر ایک آدمی کا احتساب'' ہوگا۔

احتساب کا دائرہ کار یا وسعت مفہوم

درج بالا تعریف کی روشنی میں احتساب کا معنی جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار پایا تو معروف اور منکر کے مفہوم میں وسعت کے پیش نظر (۳) علماء نے احتساب کے مفہوم یا دائرہ کار میں بھی بڑی وسعت پیدا کی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی قسمیں ہیں۔؟ احتساب میں کیا کیا امور داخل ہیں؟ کن کن معاملات میں احتساب ہوتا ہے؟ پھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے معروف و منکر کی تفصیلات کیا ہیں؟

☆ یہ مقالہ قومی سیرت کانفرنس ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء کے موقعہ پر انعامی مقابلہ مقالات سیرت میں بھجوایا گیا۔

امام غزالی اور الماوردی وغیرہ نے اس سلسلے میں مفصل کلام کیا ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں امام غزالی نے مساجد کے منکرات، بازار کے منکرات، راستوں کے منکرات، حماموں کے منکرات، ضیافت کے منکرات، موذنوں، واعظوں اور مدارس کے منکرات وغیرہ کے ذیلی عنوانات سے قابل احتساب امور کی وضاحت کی ہے جن کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ (۴)

الغرض شرعی نقطہ نظر سے احتساب سے مقصود اخلاق عامہ (PUBLIC MORAL) کی اصلاح ہے۔ جو کام بھی مفاد عامہ کے خلاف ہوگا اس کی روک تھام ادارہ احتساب یا محتسب کے ذمہ ہوگی۔ مثلاً کسی آبادی میں اذان، نماز، جماعت اور جمعہ وغیرہ کا اہتمام نہ ہو تو اسکا اہتمام کرانا، نماز روزہ اور دوسری عبادات کی ادائیگی میں غیر شرعی امور اور بدعات راہ پا رہی ہوں یا کوتاہی ہو رہی ہو تو اس کی اصلاح کرانا، مدارس میں اساتذہ کو روکنا کہ وہ طلبہ کو زیادہ زدوکوب نہ کریں، کھانے پینے کی اشیاء اور دوسری استعمال کی چیزوں میں ملاوٹ اور دھوکہ دہی کا سدباب کرنا، پیمانوں اور اوزان کی نگرانی کرنا تاکہ دوکاندار تولنے اور ناپنے میں کمی نہ کریں، جانوروں کے ساتھ بے رحمی کے سلوک کو روکنا۔ سرکاری ملازمین کو بددیانتی اور اختیارات کے تجاوز سے باز رکھنا، شاہراہوں سڑکوں گزرگاہوں عام اٹھنے بیٹھنے کی جگہوں اور پبلک مقامات کی اصلاح اور وہاں سے مخرب اخلاق حرکات (مثلاً شراب نوشی، جوا اور دوسری ناشائستہ حرکات وغیرہ) کی روک تھام، مردوزن کے خلاف شرع اختلاط، اور دیگر تمام غیر مشروع اور ممنوع دینی، سماجی معاشرتی معاملات سے روکنا وغیرہ۔

احتساب کی ضرورت واہمیت

احتساب ایک اسلامی ریاست میں کتنا ضروری ہے؟ اس کی کتنی اہمیت ہے؟ کتنی افادیت ہے؟ قرآن وحدیث میں اس پر کتنا زور دیا گیا ہے؟ احتساب کے سلسلے میں ہمارے اسلاف نے کتنی ایمان افروز اور تابندہ مثالیں چھوڑی ہیں؟ خلفاء راشدین اور بعد

کے مسلمان خلفاء وسلاطین نے کس طرح اس کو ایک منظم اور باقاعدہ ادارے کی شکل دی اور پھر اس ادارے نے معاشرے کی اصلاح، مفاد عامہ اور ہر قسم کے منکرات کی روک تھام میں کیا کردار ادا کیا؟ ان تمام چیزوں کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ امام غزالی نے متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے استدلال کرتے ہوئے احتساب یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وجوب ثابت کیا ہے۔ انہوں نے احتساب کے وجوب اور اس کی فضیلت پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ (۵)

ابن تیمیہ اور دوسرے علماء نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسرے لفظوں میں احتساب کی ضرورت واہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وهذا واجب على كل مسلم قادر وهو فرض على الكفاية
ويصير فرض عين على القادر الذى لم يقم به غيره" (٦)

(یہ ہر قدرت رکھنے والے مسلمان پر واجب ہی نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے اور ایسے آدمی کے لیے فرض عین ہے جس کے سوا کوئی دوسرا آدمی یہ فریضہ ادا کرنے والا نہ ہو۔)

امام ابن تیمیہ کے نزدیک تو اسلام میں اختیار واقتدار کے چھوٹے بڑے جملہ مناصب اور محکمہ جات کا بڑا مقصد ہی معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"جميع الولايات الاسلامية انما مقصودها
الامر بالمعروف والنهى عن المنكر" (٧)

(تمام سلامی مناصب کا مقصد وحید نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے)

یعنی ہر منصب اور ہر اقتدار اسی لیے ہے کہ اس سے اللہ کا دین غالب ہو اور ہر قسم کے منکرات مٹا دیے جائیں۔ ہر منصب کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ جو شخص بھی اس پر مامور ہو وہ اسی مقصد عظیم کے لیے کام کرے۔ مسلم معاشرے کے ہر فرد کا نہ صرف یہ حق ہے

بلکہ یہ اس کا فرض بھی ہے کہ کلمہ حق کہے، نیکی اور بھلائی کی حمایت کرے اور ایک حکم نبوی کے مطابق معاشرے یا مملکت میں جہاں بھی غلط اور ناروا کام (منکر) نظر آئیں ان کو روکنے میں اپنی امکانی حد تک پوری کوشش صرف کرے۔(۸)

خلاصہ یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین اسلام کا اہم عنصر، اساس، اصل الاصول اور رکن رکین ہے۔ اسی رکن کو قائم کرنے کے لیے جملہ انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس زریں سلسلے کی آخری کڑی خاتم النبیین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی بعثت بھی اسی مقصد کے لیے ہوئی۔(۹)

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اور صدر اول کے ائمہ عام فوائد اور اجر جزیل کے خیال سے اس کے فرائض خود بنفس نفیس انجام دیتے تھے۔ لیکن جب سلاطین نے اسے چھوڑ کر معمولی اور نااہل لوگوں کے حوالے کر دیا تو یہ اہم ادارہ کھانے کمانے اور رشوت لینے کا ذریعہ بن گیا۔ لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و ہیبت جاتی رہی لیکن کسی قانون پر عمل نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا حکم ساقط ہو گیا۔ احتساب کے ترک کا انجام ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ساری قوم کی ہلاکت بتایا ہے۔(۱۰)

احتساب۔ اسلامی حکومت کا فرض

ایک اسلامی حکومت کی غرض و غایت اور اس کے بنیادی و اصولی فرائض بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

ترجمہ: اگر ہم انہیں (مسلمانوں کو) زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیکی کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں۔(۱۱)

اس آیت کریمہ کی تشریح میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک اسلامی طرز حکومت کی جو تصویر کشی کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے

مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہو جائیں، ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جانے پائے، عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے، رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے، امیر کو کوئی حق، کوئی موقع غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔ غیبتیں بدکاریاں چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں، آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سودخوار ساہوکاروں، بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویے، نچلیے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کر دیے جائیں۔ سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ دنیا، دنیارہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔"

احتساب کا بڑا مقصد اسی طرز حکومت کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عہد نبوی میں اگرچہ احتساب کا باقاعدہ ادارہ تو تشکیل نہیں دیا گیا تھا تاہم اس سلسلے میں نبی رحمت ﷺ نے ایک نمونہ اور واضح ہدایات ارشاد فرمائیں جن کا مختصر تذکرہ آگے آرہا ہے۔

احتساب اور سیرت طیبہ

سیرت طیبہ کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین و دنیا کے تمام معاملات میں نبی محتشم ﷺ کا ایک نمایاں کمال اور امتیازی وصف یہ بھی تھا کہ آپ نے جس کام کے بھی کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ پہلے چالیس سال تک قرآن بن کر دکھایا اس کے بعد اس پر عمل کا حکم دیا (۱۲) پہلے خود ساری ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کی، پوری پوری رات رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل میں گزاری (۱۳) تب جا کر لوگوں کو دن رات میں صرف پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا۔ پہلے خود اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا (۱۴) تب کہیں لوگوں کو صرف اڑھائی فیصد زکوۃ کا حکم دیا۔ یہی صورت حال اور سو فیصد سے بھی زیادہ عمل احتساب کے معاملے میں تھا۔

حضور اکرم ﷺ کی خود احتسابی

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین، رؤف، رحیم، کریم، طبعی طور پر مجسم خیر خواہ اور سراپا غمخوار ذات گرامی ﷺ سے کسی بھی انسان کے ساتھ ناروا ظلم و زیادتی اگرچہ بعید از قیاس تھی مگر آپ بحوائے قرآن چونکہ انسانیت کے لیے ہمہ پہلو اور ہمہ جہتی ایک کامل نمونہ بھی تھے (۱۵) اس لیے آپ نے ساری امت خصوصا حکمرانوں کی تعلیم کے لیے خود احتسابی کی وہ عادلانہ روایت قائم فرمائی۔ جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آنجناب ﷺ نے متعدد مواقع پر اپنی ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی شان کی حامل ذات ستودہ صفات کو قصاص جوابدہی اور احتساب کے لیے صحابہؓ کے سامنے پیش فرمایا۔ (۱۵۔ا)
محدثین نے حضرت فاروق اعظمؓ کی چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ:

"رأیت رسول اللہ ﷺ یعطی القود وفی روایۃ یقص من نفسہ" (۱۶)
(میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات کا قصاص دلاتے ہوئے دیکھا)

ابن سعد نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ معمولی خراش کے بدلے میں بھی آپ ﷺ نے اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش فرمادیا۔ (۱۷)

اگر آپ ﷺ کے کسی سلوک سے نادانستہ طور پر بھی کسی شخص کو معمولی تکلیف پہنچی تو آپ ﷺ نے اسے اپنا بدلہ لینے کی فراخدلانہ پیشکش فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک شخص کے چہرے پر جو اپنا حصہ لینے کے لیے آپ ﷺ پر جھک آیا تھا، آپ ﷺ کے نیزے کا زخم لگ گیا۔ آپ ﷺ نے فوراً اسے بدلہ لینے کی۔ پیشکش فرمائی مگر اس نے معاف کردیا۔ (۱۸)

ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے اور حضور اکرم ﷺ کے کمال انصاف کو دیکھ کر ایمان تازہ کیجئے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ایک شخص کی کمر پر جو ادھر ادھر کی باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہا تھا، ٹھونکا دیا جس پر اس نے بدلہ لینے کی خواہش ظاہر کی آپ ﷺ

نے اپنی کمر آگے کر دی۔ اس نے کہا میں برہنہ تن تھا جبکہ آپ ﷺ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے قمیص اٹھا دی اس نے آگے بڑھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور کہا میں نے تو یہ سب کچھ اسی سعادت کے حصول کے لیے کیا تھا۔ (۱۹)

وصال مبارک سے چند روز قبل آپ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ اگر کسی کا حق میرے ذمہ ہو تو وہ مجھ سے لے لے۔ اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہے تو میری پیٹھ حاضر ہے وہ انتقام لے لیے۔ کسی کی عزت و آبرو کے خلاف میں نے سخت الفاظ کہے ہوں تو وہ میری عزت لے لے۔ میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ میرے مال سے اپنا حصہ لے لے۔ میرا سینہ بے کینہ ہے میری طرف سے عداوت کا اندیشہ نہ کرے۔ (۲۰)

سرکاری ملازمین کا احتساب

احتساب جیسا کہ اوپر گزرا، نبی اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں داخل تھا دوسرے دنیوی اعتبار سے بھی اسلامی ریاست میں معاشرتی وعدالتی انصاف، معاشی عدل، اخلاقی اصلاح، پاکیزہ معاشرے کی تشکیل، جان و مال و آبرو کی حفاظت اور ہر طرح کے داخلی و خارجی امن و سلامتی کا دارومدار چونکہ زیادہ تر حقیقی احتساب پر تھا۔ تیسرے کسی بھی منکر سے چشم پوشی یا مصلحت کوشی چونکہ آپ ﷺ کے پیغمبرانہ منصب اور شان نبوت کے خلاف تھی، چوتھے اپنے نور نبوت و بصیرت سے آپ ﷺ ترک احتساب کے خطرناک انجام کو بھی دیکھ رہے تھے۔ اس لیے تعلیم امت کے لیے آپؐ نے خود احتسابی کو بڑی اہمیت دی۔ آنجناب ﷺ کو اس امر کا بھی بخوبی علم تھا کہ سرکاری حکام میں اگر بددیانتی راہ پا جائے گی تو ”الناس علی دین عملو کھم“ کے مقولہ کے مطابق یہ مرض سارے عوام میں سرایت کر جائے گا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس معاملے میں سرکاری ملازمین پر بطور خاص کڑی نظر رکھی چنانچہ ایک روایت میں جسے مختلف الفاظ میں متعدد محدثین مثلاً امام بخاری (۲۱) امام مسلم (۲۲)، امام ابوداؤد (۲۳) اور امام ابوعبید قاسم بن سلام (۲۴) وغیرہ نے نقل کیا

ہے۔ ابن اللتبیہ نامی عامل نے ایک علاقے کے صدقات لاکر جب یہ کہا کہ یہ مال آپ ﷺ کا اور یہ میرا ہے جو مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا: اگر یہی بات ہے تو ذرا وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر دیکھے کہ وہاں اسے ہدیے پیش کیے جاتے ہیں یا نہیں۔ پھر سرکاری مال میں بددیانتی کی اخروی شرم ساری سے لوگوں کو ڈرایا۔

بددیانتی کے اُخروی عذاب سے ڈرانا

اخروی باز پرس اور آخرت کا عذاب بھی ایک مسلمان کو کسی بھی قسم کی برائی سے روکنے کا چونکہ اہم نفسیاتی ذریعہ ہے اس لیے آپ ﷺ نے متعدد احادیث میں سرکاری مال اور سرکاری خزانہ میں بددیانتی حتی کہ سوئی جیسی معمولی چیز کی خیانت پر بھی حکام کو آخرت کا خوف دلایا اور فرمایا: قیامت کے دن ایک خائن، بددیانت اور کرپٹ آدمی خیانت شدہ چیز کو گردن پر لادے استغاثہ کرتے ہوئے میرے پاس آئے گا مگر اس روز میں اسے کہہ دوں گا ”لا املک لک شیئا“ اب میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔(۲۵)

ایک حدیث میں بیوی بچوں کے ضروری اخراجات، خادم، رہائش اور سواری کے لازمی حقوق کے علاوہ قومی خزانے سے کسی چیز کے لینے والے سرکاری ملازم کو خائن اور چور بتایا گیا ہے۔(۲۶)

بلاامتیاز احتساب

شریعت محمدی معروف دانشور سید خورشید گیلانی کے ادیبانہ الفاظ میں ”ایسا قانون نہیں کہ کسی کا چہرہ، کسی کا شجرہ نسب، کسی کا اشارہ آبرو، کسی کا سیاسی منصب، کسی کا جاہ وجلال اور کسی کی ذات برادری دیکھے۔ قانون محمدی تو ایسی میزان ہے جس میں سب کی بالاتری اور کمتری ایک پاٹ میں تلتی ہے۔ یہاں ایسا نہیں کہ افسران کرام کروڑوں روپے ہضم کر

جائیں۔ وڈیرے غریب دہقان کی عزت تار تار کردیں، بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیں، بھرے بازار اور مصروف چوک میں کلاشنکوف سے دسیوں انسانوں کو بھون ڈالیں تو قانون بیچارہ دانتوں میں انگلی دبائے شرم سے سر جھکائے اور بے بسی سے منہ لٹکائے سراپا استفسار ہو کہ ''بتا تیری رضا کیا ہے۔'' اس لیے احتساب کے معاملے میں نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی چھوٹے بڑے، امیر غریب، حاکم محکوم، شریف کمین، اپنے پرائے اور دوست دشمن کے درمیان امتیاز نہیں برتا۔ نامور عرب قبیلہ بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون پر جب چوری کا جرم ثابت ہو گیا اور اس سلسلے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے بارگاہ نبوی میں رعایت کرنے کی سفارس کرائی گئی تو غصے سے فرمایا:

تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ کم تر درجہ کے لوگوں پر حدود قائم کرتے مگر شریف (بڑے) لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر فاطمہ (میری بیٹی) بھی اس جرم کا ارتکاب کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (۲۷)

ہمارے وطن عزیز کا سب سے بڑا المیہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ یہاں کبھی بلا امتیاز احتساب نہیں ہوا۔ ہر حکومت نے احتساب کا نعرہ تو ضرور لگایا مگر اس کا یہ احتساب صرف مخالفین کو دبانے یا فائلوں کا پیٹ بھرنے کی حد تک رہا۔ اکثر حکمران چونکہ خود بددیانتی، خورد برد، کمیشن کھانے، غبن کرنے، قومی خزانہ کو بیدردی سے لوٹنے، اپنی پارٹی کو نوازنے، سرکاری خزانہ کو مال مفت سمجھ کر بری طرح ضائع کرنے، اختیارات سے ناجائز تجاوز جیسی اخلاقی کمزوریوں اور خامیوں کا مجموعہ تھے اس لیے وہ بلند بانگ دعووں اور نعروں کے باوجود جرأتمندانہ اور بلاامتیاز و بے لاگ احتساب نہ کر سکے۔ سیرت طیبہ کا سبق یہی ہے کہ احتساب کے معاملے مین کسی آدمی کے حسب، نسب، جاہ و مال، رنگ و نسل اور عہدہ و منصب کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اس کائنات میں حضور سرور دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کون بڑا ہو

سکتا ہے جب آپ ﷺ نے اپنے آپ کو احتساب سے بالا نہیں سمجھا تو کوئی دوسرا کیونکر بالا قرار دیا جا سکتا ہے۔

دیگر معاملات میں احتساب

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا بے لاگ احتساب صرف سرکاری ملازمین کی حد تک نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ کار ہر قسم کے معاشی معاشرتی اخلاقی اور دینی و دنیوی معاملات تک پھیلا ہوا تھا۔ معاشرے میں آپ ﷺ کو جہاں بھی کوئی خرابی، کوئی بگاڑ، کسی قسم کے فتنے کا باعث بننے والا کوئی معاملہ نظر آیا تو فوری طور پر اس کی اصلاح فرمائی۔ سیرت طیبہ میں اس نوع کے احتساب کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں چند مثالیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(۱) ایک دوکاندار کی بددیانتی پکڑنا

ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے۔ گندم کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر نیچے سے گیلی گندم برآمد کی۔ اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور پھر ایک عام اصول کے طور پر فرمایا:

''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا'' (جس نے کسی معاملے میں دھوکہ دہی کا ارتکاب کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (۲۸)

(۲) بلند قبہ کو پسند نہ فرمانا

قیام مدینہ منورہ کے ابتدائی عہد میں جبکہ ابھی تک عام طور پر غربت و افلاس اور تنگدستی کا زمانہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک رستے سے گزر ہوا۔ راستے میں ایک بلند قبہ (گنبد نما مکان) نظر آیا تو ناپسند فرمایا۔ مالک مکان جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو اس کے سلام کا جواب نہ دے کر اس کے گنبد نما مکان پر اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر فرما دیا۔ ایک عاشق زار کے لیے محبوب کا یہ اعراض کہاں برداشت ہو سکتا تھا۔ اس نے گھر جا کر اس مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ (۲۹)

(۳) سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں لٹکا پردہ پھاڑ دینا

ایک سفر سے واپسی پر زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حجرے میں پردہ لٹکا دیا تو (امت کو تکلفات کے پسندیدہ نہ ہونے کی تعلیم دینے نیز پیغمبرانہ شان اور فقر محمدی کے خلاف سمجھتے ہوئے) اسے پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا: اللہ کریم نے ہمیں جو رزق عنایت فرمایا اس میں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی (دیواروں) کو کپڑے پہنائیں۔ (۳۰)

یعنی منقش اور تصویر دار پردوں سے دیواروں اور دروازوں کو ڈھانپیں۔ (۳۱)

(۴) منقش پردہ دیکھ کر بیٹی فاطمہ کے گھر داخل نہ ہونا

اسی طرح ایک سفر سے واپسی پر آپ ﷺ حسب معمول پہلے اپنی لخت جگر سیدۃ نساء اہل الجنۃ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر پہنچے تو دروازے پر لٹکا منقش پردہ دیکھ کر گھر میں داخل نہ ہوئے۔ سیدہ کو اس کا انتہائی غم ہوا۔ آپ ﷺ کے داماد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر خلاف معمول ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

"وما انا والدنیا وما انا والرقم"

(میرا اور دنیوی زیب و زینت اور نقش و گار کا کیا جوڑ ہو سکتا ہے)

سیدہ فاطمہ کو ابا جان کی ناراضگی کی وجہ معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ پردہ کسی ضرورت مند گھرانے کو بھجوا دیا۔ (۳۲)

(۵) عیب جوئی پر سیدہ عائشہؓ کو فہمائش

سیدہ عائشہؓ نے ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایک جسمانی اور قدرتی نقص (پست قد) کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ تو نے ایک ایسا (سخت) کلمہ کہا ہے کہ اگر یہ سمندر کے پانی میں مل جائے تو اسے (اس کا رنگ اور ذائقہ) تبدیل کر دے۔ (۳۳)

اسی طرح ایک دن سیدہ عائشہؓ نے ایک عورت کے بارے کہہ دیا کہ اس کا دامن (یا قد) کتنا لمبا ہے تو آپ ﷺ نے (ایسی بات ان کے بلند منصب کے خلاف سمجھتے ہوئے) فرمایا: عائشہ! تم نے اس عورت کی غیبت کی لہٰذا لازم ہے کہ تم تھوکو۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے تھوکا تو (فحوائے قرانی) میرے منہ سے (واقعی) گوشت کا ایک ٹکڑا نکلا۔ (۳۴)

(۶) لمبی نماز پڑھانے والے امام کو تنبیہ

ایک نمازی نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر حضرت معاذ بن جبلؓ کے خلاف یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اونٹ بان لوگ ہیں۔ سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں۔ رات کو تھکے ماندے گھر آتے ہیں تو یہ معاذ عشاء کی نماز میں سورۃ البقرہ جیسی لمبی سورتوں کی قرءت شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے میں جماعت سے محروم رہ جاتا ہوں۔ نبی رحمت ﷺ نے یہ سنا تو انتہائی ناراضگی میں حضرت معاذ سے فرمایا:

"افتان انت" (کیا تم دین میں فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو) جماعت کراؤ تو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی مختصر نماز پڑھانے کی تلقین فرمائی۔ (۳۵)

(۷) دین میں تعمق اور تشدد پر ناراضگی

ایک صحابی نے جوش ایمان سے جب رات بھر نماز پڑھنے دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے اور تیسرے نے کبھی شادی نہ کرنے کا پختہ ارادہ ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے اس قسم کے رویے کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا: "مَنْ رَغِبَ عَنْ فَلَيْسَ مِنِّی" (جو آدمی میری سنت سے ہٹ گیا وہ مجھ سے نہیں۔ (۳۶)

احتساب اور حکومت پاکستان

وطن عزیز میں جہاں تک احتساب کے نام یا احتسابی قوانین کا تعلق ہے تو یہ قیام پاکستان سے لیکر اب تک ہر حکومت میں موجود رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں انسداد بدعنوانی

ایکٹ آیا۔ سرکاری انتظامیہ کی نگرانی کے لیے مختلف اوقات میں مختلف ناموں سے کئی انسپکشن ٹیمیں، معائنہ ٹیمیں اور معائنہ کمیشن معرض وجود میں آئے۔ ۱۹۷۴ء میں ایف۔ آئی۔ اے کا ادارہ قائم ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں پنجاب انتظامیہ نگران کمیشن تشکیل دیا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ایک آرڈر کے ذریعے وفاقی محتسب کا ادارہ قائم کیا۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کے ادوار میں بھی احتساب کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے رہے۔ اب موجودہ فوجی حکومت نے سرکاری محکموں میں مالی بدعنوانی، رشوت ستانی، عوام کے ساتھ زیادتی، ناروا سلوک، افسران بالا اور بیوروکریسی کو اختیارات میں تجاوز جیسے جرائم سے روکنے اور سابقہ حکمرانوں کے احتساب کے لیے ''قومی احتساب بیورو'' کے نام سے احتساب کا ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ ان تمام اداروں خصوصا قومی احتساب بیورو نے اپنے مقاصد کے حصول میں جزوی طور پر بعض کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں تاہم مجموعی طور پر احتساب کے سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی جا سکی۔ وطن عزیز میں جیسا کہ سطور بالا میں گزر چکا ہے، احتسابی قوانین زیادہ تر سیاسی مخالفین کو دبانے کے لیے استعمال کیے جاتے رہے۔ دوسرے جس حکومت نے بھی احتساب کا نعرہ لگایا اور پھر احتساب جیسا انتہائی ذمہ دارانہ اور جرات مندانہ کام جن حضرات کے سپرد ہوتا رہا، خود ان کے اندر وہ ورع تقوی پاک دامنی دیانتداری نیک نامی اور اوصاف و شرائط نہ تھے جو شرعا ایک محتسب میں ہونے چاہئیں اس لیے اب تک احتساب سے مطلوب مقاصد کو حاصل نہیں کیا جا سکا۔

اصلاح اور عمل کی ضرورت

وطن عزیز میں احتساب کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں احتسابی قوانین احتساب کے وسیع تر شرعی مفہوم کے تناظر میں کبھی نہیں بنائے گئے۔ ہمارا ادارہ احتساب، اسلام کے نظام احتساب سے صحیح معنوں میں اور مکمل طور پر

مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ شرعی احتساب کا دائرہ کار جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے، بہت وسیع ہے۔ شرعی احتساب میں صرف سرکاری محکموں میں نہیں بلکہ ریاست میں پائے جانے والے حکومتی، معاشرتی، تعلیمی، سماجی، تجارتی، سیاسی، اخلاقی، صنعتی، انفرادی، اجتماعی ہر قسم کے منکرات کا قلع قمع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ایک تو احتساب کا دائرہ سرکاری محکموں کے علاوہ بازاروں، منڈیوں، صنعتوں، تعلیمی اداروں، فیکٹریوں، مساجد، شہروں، دیہاتوں اور گلیوں محلوں کی سطح تک پھیلائے دوسرے حکومت خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پہلے تو اپنی دیانت وامانت اور صداقت کا عملاً لوہا منوائے پھر یہ احتساب کا فریضہ ایسے پاکباز متقی دیانتدار حضرات کے سپرد کیا جائے جن کا اپنا دامن ہر قسم کی بدعنوانی، سیاسی وابستگی، علاقائی طرفداری، فرقہ وارانہ تعصب، جماعتی تعلق، ہر قسم کی بداخلاقی اور کمزوری سے پاک ہو۔ حب وطن اور قوم وملک کی خیرخواہی اور خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ کسی قسم کی ذاتی، گروہی، مالی مفاد پرستی اور وقتی منافع ان کا مقصود نہ ہوں۔ اس راہ میں جب حکومت صدق دل اور یقین کامل سے قدم اٹھائیگی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم احتساب کی منزل مقصود کو نہ پالیں۔

اے جذبہ دل جب میں چاہوں ہر چیز مقابل آجائے
منزل کی طرف دوگام بڑھوں اور منزل سامنے آجائے

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ (الف) الماوردی ابوالحسن علی بن محمد: الاحکام السلطانیہ: طبع قاہرہ ۱۹۷۳ء ص ۲۴۰۔
(ب) ایضاً (اردو ترجمہ) مطبوعہ قانونی کتب خانہ لاہور (ت۔ن) ص ۳۷۶

۲۔ (الف) امام غزالی: احیاء علوم الدین: طبع بیروت ج ۲ ص ۳۱۲
(ب) حوالہ بالا (اردو ترجمہ) مطبوعہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۳۸۷

۳۔ المعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل اوالشرع حسنہ (راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن، مصر ۱۹۶۱ء ص ۳۳۱
والمنکر کل فعل تحکم العقول الصحیحۃ بقبحہ اوتوقف فی استقباحہ واستحسانہ العقول فتحکم بقبحہ الشریعۃ (ایضاً ص ۵۰۵)

۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
(الف) امام غزالی: احیاء علوم الدین ص ۴۱۹ تا ۴۳۰
(ب) الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) قانونی کتب خانہ لاہور ص ۳۸۰ تا ۴۰۴
(ج) ابن تیمیہ: الحسبۃ فی الاسلام: دارالکتاب العربی بیروت ص ۹ تا ۱۰
(د) محمود احمد غازی: ادب القاضی: ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۳ء ص ۷۷
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احیاء العلوم: ج ۲ ص ۳۸۰ تا ۳۸۶

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: احیاء العلوم: ج ۲ ص ۳۸۰ تا ۳۸۶

۶۔ (الف) ابن تیمیۃ: الحسبہ فی الاسلام، بیروت ص ۶
(ب) ملاجیون: تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ (اردو ترجمہ) مکتبہ رحمانیہ لاہور ج ۱ ص ۲۴۰

۷۔ ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام، بیروت، ص ۶

۸۔ (الف) صحیح مسلم: کتاب الایمان باب وجوب الامر بالمعروف
(ب) سنن نسائی، کتاب الایمان باب تفاضل اہل ایمان
(ج) امام یحییٰ بن شرف نووی، ریاض الصالحین، (باب فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر) مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۱۰۰

۹۔ سورۃ الاعراف، ۱۵۷

۱۰؎ ریاض الصالحین، مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۱۰۱

۱۱؎ سورۃ الحج، ۴۱

۱۲؎ سورہ یونس، ۱۶

۱۳؎ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری (کتاب التہجد) سعید کمپنی کراچی ج ۱ ص ۱۵۲

(ب) امام محمد بن یوسف صالحی شامی، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، بیروت ۱۹۹۳ء ج ۷ ص ۱۱

(ج) صحیح مسلم مع شرح نووی (کتاب الایمان) قدیمی کتب خانہ کراچی ج ۱ ص ۱۱۳

۱۴؎ ملاحظہ ہو: (الف) صحیح بخاری، سعید کمپنی کراچی ج ۲ ص ۹۵۶

(ب) صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ج ۲ ص ۱۰۴

(ج) ابن ابی شیبہ، مصنف، ادارۃ القرآن کراچی ۱۳ ص ۲۴۸

(د) ابن سعد، الطبقات الکبری، بیروت ج ۱ ص ۱۰۴

۱۵؎ سورۃ الاحزاب، ۲۱

(الف) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۸۱ء ص ۱۱۶۔۱۷۵

۱۶؎ (الف) سنن نسائی، کتاب القسامۃ باب القصاص من السلاطین

(ب) ابن سعد: الطبقات الکبری، بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۳۷۵

۱۷؎ ابن سعد: الطبقات الکبری، ج ۱ ص ۳۷۵

۱۸؎ (الف) سنن ابی داؤد: کتاب الدیات باب القود من الضربۃ وقص الامیر من نفسہ۔

(ب) سنن نسائی کتاب القسامہ باب القود فی الطعنہ

۱۹؎ سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد حدیث ۵۲۲۴

۲۰؎ سیرت رسول کریم، کامل ابن اثیر بحوالہ شاہ مصباح الدین شکیل، سیرت احمد مجتبی مطبوعہ PSO ج ۳ ص ۱۶۷

۲۱؎ صحیح بخاری، کتاب الاحکام باب محاسبۃ الامام عمالہ وباب ھدایا العمال

۲۲؎ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب تحریم ھدایا العمال

۲۳؎ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفئی والامارۃ باب فی ھدایا العمال

۲۴ کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۱۶اص ۳۹۸

۲۵ تفصیل کے لیے دیکھئے:

(الف) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب غلظ تحریم الغلول

(ب) ریاض الصالحین، باب تحریم الظلم والامر برد المظالم

(ج) کتاب الاموال لابی عبید (اردو ترجمہ) ص ۳۹۸، ۳۹۹

(د) صحیح بخاری، کتاب الاحکام باب ہدایا العمال

(ہ) سنن ابی داؤد، کاب الخراج باب فی ہدایا العمال

(و) عبدالرحمٰن البناء: الفتح الربانی طبع قاہرہ ج ۱۴ص ۹۰ تا ۹۵

(ز) جامع ترمذی، ابواب الجہاد باب ماجاء فی الغلول

۲۶ سنن ابی داؤد کتاب الخراج باب فی ارزاق العمال

۲۷ (الف) صحیح بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع و باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السطان طبع کراچی ج ۲ص ۱۰۰۳

(ب) ابن کثیر: سیرت النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدسیہ اردو بازار لاہور ج ۲ص ۴۱۷، ۴۱۸

۲۸ (الف) صحیح مسلم (کتاب الایمان) ج ۱ص ۷۰ طبع کلاں کراچی

(ب) ابن تیمیہ: الحسبہ فی الاسلام، بیروت ص ۱۱

(ج) مشکوۃ المصابیح (کتاب البیوع) طبع کلاں کراچی ص ۲۴۸

۲۹ سنن ابی داؤد (کتاب الادب) اصح المطابع کراچی ج ۲ص ۷۱۱

۳۰ ملاحظہ ہو: (الف) صحیح مسلم، طبع کلاں کراچی ج ۲ص ۲۰۰

(ب) صحیح بخاری، طبع کلاں کراچی ج ۲ص ۹۰۲، ۸۸۰

(ج) سنن ابی داؤد، طبع کلاں کراچی ۲ص ۵۵۷

۳۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ (اردو ترجمہ) قومی کتب خانہ لاہور ج ۲ص ۷۶۳

۳۲ (الف) سنن ابی داؤد (کتاب اللباس) ج ۲ص ۵۷۲

(ب) صحیح بخاری، ج ۱ص ۲۸۳

۳۳ سنن ابی داؤد (کتاب الادب باب فی الغیبۃ) ج ۲ص ۶۶۸

۳۴۔ حافظ منذری، الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف (کتاب الادب) بیروت ۱۳۸۸ھ ج ۳ ص ۵۰۶

۳۵۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری، (کتاب الاذان) ج ۱ ص ۹۷

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی، (کتاب الصلوٰۃ) ج ۱ ص ۱۸۸

(ج) سنن ابی داؤد، (کتاب الصلوٰۃ) ص ۶۱

(د) جامع ترمذی، (ابواب الصلوٰۃ) ص ۶۱

(ھ) سیرۃ ابن ہشام، طبع مصر ۱۳۵۲ھ ج ۴ ص ۱۹۸

(و) سنن نسائی، (کتاب الامارۃ) کراچی ج ۱ ص ۸۳

۳۶۔ ملاحظہ ہو: (الف) صحیح بخاری، (کتاب النکاح) ج ۲ ص ۷۵۷

(ب) صحیح بخاری، (کتاب الایمان) ج ۱ ص ۷

(ج) مشکوۃ المصابیح (باب القصد فی العمل) ص ۱۱۰

(د) ابن سعد، الطبقات الکبری، بیروت ج ۱ ص ۳۷۱

☆☆☆

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

غربت وافلاس کا خاتمہ۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں ☆

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امابعد!

اس وقت ساری دنیا کو بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص درپیش سنگین اور تشویشناک مسائل میں سے ایک اہم اور فوری غور وفکر اور مؤثر حل کا متقاضی مسئلہ جس نے اکثر لوگوں کا دم ناک میں بلکہ اب تو خودکشیوں پر مجبور کر رکھا ہے، وہ غربت وافلاس کا مسئلہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں اللہ کریم کے پیغمبر اعظم وآخر اور رسول رحمت ورأفت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم نے ہمارے لیے کوئی نمونہ کوئی رہنمائی اور اصولی ہدایات نہ چھوڑی ہوں۔ بقول مولانا حالیؒ

سکھائے معیشت کے آداب ان کو   پڑھائے تمدن کے باب سب ان کو

بنابریں زیر نظر مقالے میں غربت وافلاس کے اس پریشان کن مسئلے کا حل حضور رحمۃ للعالمین انیس الغریبین محبّ الفقراء والمساکین ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اور آپ سوائے علمی کوشش کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں اب تک ماشاء اللہ اتنی قابل قدر مساعی ہو چکی ہیں کہ ان کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی علمی رکاوٹ یا ابہام نہیں۔ ہمارے محترم ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر صاحب نے اس سیرت سیمینار کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کر دیا ہے۔ اللہ کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہرکیف

☆ یہ مقالہ انٹرنیشنل سیرت کانفرنس زیر اہتمام سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور منعقدہ ۱۱ تا ۱۳ فروری ۲۰۰۰ء میں پیش کیا گیا۔ نیز سہ ماہی مجلّہ ''منہاج'' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ میں طبع ہوا۔

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک　　　اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

راقم ناچیز اس مقالے میں پہلے عالمی اقتصادی صورت حال خصوصاً پاکستان اور عالم اسلام کی معاشی زبوں حالی کا سرسری سا جائزہ اور اس اقتصادی زبوں حالی کے بنیادی اسباب دو جوہات عرض کرے گا اور آخر میں سیرت طیبہ اور اسوۂ نبوی ﷺ کے حوالے سے اس گھمبیر مسئلے کا حل پیش کرے گا۔

عالمی اقتصادی صورت حال

روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۹ء کی ایک ایک مصدقہ خبر کے مطابق عالمی بینک کے صدر جیمز دولفن نے عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈز کے حکام کے مشترکہ سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی کوئی چھ ارب ہے جس میں نصف کی سالانہ آمدنی دو ڈالر ہے جبکہ ایک ارب ۳۰ کروڑ عوام کی روزانہ آمدن ایک ڈالر ہے۔ اس وقت دو ارب لوگ انتہائی غربت سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امیر ملکوں کا فرض ہے کہ وہ غریب لوگوں کی امداد کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سنٹر اسلام آباد کی ایک رپورٹ کے مطابق جنوبی ایشیا میں فی کس قومی آمدن (۱۹۹۳ء میں ۳۰۹ ڈالر) دنیا کے تمام خطوں سے کم ہے۔ عالمی بنک کے مطابق اس خطے کے ۵۰۰ ملین افراد غربت کی انتہائی حد سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ آبادی ہے جو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں کر پاتی۔ اگرچہ جنوبی ایشیا آبادی کے لحاظ سے دنیا کی آبادی کا ۲۲ فیصد ہے۔ لیکن آمدنی کے حوالے سے اس کا حصہ صرف ۱.۳ فیصد ہے اور دنیا کے ۴۰ فیصد غریب لوگ جنوبی ایشیا میں بستے ہیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۸۔۱۹۹۹ء از مضمون "خواب جہالت کب ختم ہوگا")

اسی طرح تقریباً ایک ارب آبادی والا پڑوسی ملک بھارت بھی شدید ترین غربت

کا شکار ہے۔زی ٹی وی نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق سرکاری حکام نے تسلیم کیا ہے کہ بھارت کے ۳۹ فیصد افراد شدید مفلس ہیں جبکہ غیر سرکاری اداروں نے یہ تعداد پچھتر (۷۵) فیصد بتائی ہے۔یعنی بھارت کے ۷۵ فیصد افراد مفلسی کے درجہ سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۷ استمبر ۹۹ء)

پاکستان کی معاشی زبوں حالی

پاکستان کی معاشی زبوں حالی کا اندازہ عالمی بنک آئی ایم ایف اور سٹیٹ بنک کی اس حالیہ تشویش سے لگایئے جو روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۰ ر ستمبر ۹۹ء میں نمائندہ خصوصی سکندر لودھی کے حوالے سے جلی سرخی میں شائع ہوئی ہے۔اخبار لکھتا ہے:

پاکستان اقتصادی طور پر کئی بنیادی مسائل سے دوچار ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی اور مقامی طور پر "ڈٹ ٹریپ" میں آ گیا ہے اور اسے اب پہلے سے حاصل کردہ قرضوں کی واپسی کے لیے نئے قرضے حاصل کرنے پڑ رہے ہیں۔اس صورت حال کی وجہ سے اس وقت پاکستان کے جی ڈی پی کا ۹۰ فیصد حصہ قرضوں کی واپسی پر خرچ ہو رہا ہے اور دوسری طرف سود کی ادائیگی کے اخراجات بھی دفاعی اخراجات سے ۳۵ ارب سے ۴۰ ارب روپے زائد بڑھ چکے ہیں۔اس وقت پاکستان سالانہ ۱۷۰ ارب سے ۱۸۰ ارب روپے ملکی و غیر ملکی قرضوں کے صرف سود کی ادائیگی پر صرف کر رہا ہے جبکہ پاکستان کے دفاعی اخراجات ۱۳۵ ارب روپے تک ہیں اس کے برعکس قومی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ڈیڑھ کھرب روپے سے زائد کے قرضے ساڑھے سات سو سے زائد بڑے بڑے صنعتکاروں، تاجروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے ہضم کر لیے ہیں۔جن میں بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر کئی وزراء، ممبر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین بھی شامل ہیں جن کی فہرست سٹیٹ بنک کی طرف سے پچھلے دنوں قومی اسمبلی کو بھی بھجوائی جا چکی ہے۔اس صورتحال پر عالمی بنک، آئی ایم ایف، سٹیٹ بینک اور دیگر اہم مالیاتی اداورں کے حکام نے گہری تشویش کا اظہار کرتے

ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی معیشت ان وجوہ کی بناپر ''بیمار'' سے ''بیمارتر'' ہوتی جارہی ہے جس کو دور کرنے کے لیے ٹیکسوں کے ریٹ میں کمی، ٹیکسوں کی بنیاد میں توسیع اور صدر سے لیکر وزیراعظم اور ہر سطح پر اخراجات میں کمی ضروری ہے ورنہ آنے والے چند برسوں میں ہی پاکستان میں مہنگائی، غربت، بے روزگاری، اخلاقی اور سماجی جرائم اور دیگر قومی مسائل میں حد درجہ اضافہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے پاکستان میں عملاً غیر ملکی سرمایہ کاری آنی بند ہو جائے گی اور پہلے سے موجود صنعتیں اور کاروبار بند ہو جائے گا جس سے حکومت کو اپنے روزمرہ اخراجات کے لیے بیرونی ذرائع سے قرضہ کے حصول میں دشواریاں بڑھ جائیں گی۔ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان اندرونی اور بیرونی طور پر ۴۳۷۸ ارب روپے سے زائد کا مقروض ہے جس میں ۲۳۵۰ ارب روپے سے زائد کا مقامی قرضہ اور ۲۰۲۸ ارب روپے سے زائد مالیت کا بیرونی قرضہ بھی شامل ہے۔اقتصادی ماہرین کے مطابق پچھلے دو تین برسوں میں پاکستان کے قرضوں کے بوجھ میں ۹ کھرب روپے سے زائد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ فی کس آمدنی جو ۹۵/۱۹۹۴ء میں ۵۰۸ ڈالر تھی وہ ۹۹۔۱۹۹۸ء میں کم ہو کر ۴۸۳ ڈالر رہ گئی ہے اور غربت کی شرح جو ۱۹۹۰ء میں ۲۵ فیصد تھی ۱۹۹۹ء میں بڑھ کر ۸۹ فیصد ہو چکی ہے۔اس طرح پاکستان کی ۹۸ فیصد آبادی مہنگائی اور غربت کی زد میں آچکی ہے۔ماہرین کے مطابق اس وقت پاکستان کی آبادی ۱۳ کروڑ ۴۵ لاکھ سے زائد ہے جس میں صرف ۳ کروڑ ۸۶ لاکھ افراد برسر روزگار ہیں جبکہ بے روزگاری کے شرح جی ڈی پی کے ۶ء۱ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔اس حساب سے پاکستان میں بے روزگار افراد کی تعداد ۸۲ لاکھ چار ہزار دو سو سے زائد ہو چکی ہے جن میں اکثریت گریجوایٹس اور پروفیشنلز اداروں کے فارغ التحصیل طلباء کی ہے۔''

اس کے بعد اس غربت و افلاس، بیروزگاری اور معاشی زبوں حالی کی اصل وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔جن کی تفصیل کے لیے مندرجہ بالا اخبار دیکھا جاسکتا ہے۔

ملک عزیز کے اندر افلاس، خستہ حالی اور بنیادی ضروریات سے عام محرومی کا نقشہ معروف دانشور اور کالم نگار صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے خوب صورت الفاظ میں قابل سماعت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"۱۹۹۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہیومن ڈویلپمنٹ کے اعتبار سے پاکستان ۱۳۸ویں نمبر پر ہے جبکہ کینیڈا پہلے، فرانس دوسرے، ناورے تیسرے، امریکہ چوتھے اور برطانیہ چودھویں نمبر پر ہے۔ چین ۳۵ویں نمبر پر ہے۔ ہیومن ڈویلپمنٹ کا مطلب ہے کہ کوئی معاشرہ صنعتی ترقی، معاشی انصاف، معاشرتی اقدار، انسانی حقوق کے معیار، روزگار کے مواقع اور دیگر بنیادی سہولیات کے لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔ اب یہ کوئی انکشاف نہیں بلکہ معلوم حقیقت اور معروف مشاہدہ ہے کہ پاکستان کی صنعت اس وقت عالم نزع میں ہے۔ معاشی انصاف کی حالت یہ ہے کہ چالیس فیصد آبادی غربت کی انتہائی حد سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ معاشرتی اقدار سخت بحران کی زد میں ہیں۔ انسانی حقوق کا معیار بہت پست ہے روزگار کے مواقع پر برسوں سے پابندی ہے۔ رہ گئیں دیگر بنیادی سہولیات تو ان کا ذکر دل دکھانے کو کافی ہے۔ ہسپتال بذات خود بیمار ہیں۔ سکول ناکافی، سڑکیں خستہ اور ٹرانسپورٹ علیل ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵ ستمبر ۹۸ء)

روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۲/اپریل ۹۹ء کے اداریہ میں ایک خاص واقعہ کے حوالے سے ملکی معاشی صورت حال کا جو فکر انگیز مفصل اور مبنی بر حقیقت تجزیہ کیا گیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔"

دوسرے اسلامی ممالک کی اقتصادی پسماندگی

اسلامی ممالک میں بعض ملکوں مثلاً سعودی عرب اور کویت وغیرہ کو بلاشبہ امیر ملکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے تاہم اسلامی ممالک کی اکثریت مثلاً بنگلہ دیش، افغانستان، سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں لوگ بری طرح غربت و افلاس کا شکار ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل

اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۳۶ ایسے ممالک ہیں جن میں معاشی ترقی کی سطح سب سے کم ہے۔ان ممالک کو کم سے کم ترقی یافتہ یا غریب ترین ممالک کہا جاتا ہے۔ان ۳۶ ملکوں میں سے آدھے یعنی ۱۸ کا تعلق عالم اسلام سے ہے جن میں بیشتر افریقی ممالک ہیں۔ان ممالک میں اوسط فی کس قومی آمدنی کوئی ۲۸۰ امریکی ڈالر سالانہ ہے۔ان ممالک میں کم سے کم قومی آمدنی ۸۰ ڈالر سالانہ (چاڈ) سے لے کر زیادہ سے زیادہ پانچ سو امریکی ڈالر سالانہ تک ہے۔ان ممالک کی مجموعی آبادی دنیا بھر کے غریب ممالک کی کل آبادی کا تقریبا دو تہائی (۶۶ فیصد) ہے۔اسلامی ممالک کی اندازا ایک تہائی ابادی انہی غریب ترین ملکوں میں آباد ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ''اسلامی ممالک کی پسماندگی۔اسباب وعلل'' از پروفیسر اوصاف احمد مطبوعہ سہ ماہی بحث ونظر علی گڑھ انڈیا۔شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۳ء)

غربت وافلاس کا سبب

محترم سامعین! آپ ایک چیز کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور ''عیاں راچہ بیاں'' کے مصداق راقم کے نزدیک اہل علم ودانش کی اس مجلس میں نہ تو قرآن وحدیث سے لمبے چوڑے دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے لیے وقت ہے۔وہ یہ کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کی فطرت میں کھانے پینے کے تقاضے رکھ کر اسے یوں ہی اس کے اپنے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے محض اپنے لطف وکرم سے اس کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے۔پھر اس رزق کی تقسیم کے لیے اس نے کمال حکمت اور عجیب وغریب انداز میں زمین میں ایسی صلاحیت اتنی برکت، اتنے وسائل اور اتنے خزانے رکھ دئے ہیں کہ قیام تک پیدا ہونے والے دنیا بھر کے انسان ہی نہیں روئے زمین کے تمام حیوانات سے بھی ختم نہیں ہوں گے۔صرف ایسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس رزق مطلق نے تو سارا نظام کائنات انسان کی اس خدمت پر مامور فرما رکھا ہے۔چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا

ابرو بادومہ وخو رشید در کا رند
تاتونانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے الفاظ میں تو یہ سارا نظام کائنات ہی "نان بکف آری کا نظام" ہے۔ البتہ ان لاتعداد وسائل معاش یا وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کا کام خود حضرت انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات زندگی سے محروم ہے تو اس کا مطلب ہے وافر مقدار میں خداداد وسائل معیشت و رزق کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہو رہا۔ عام غربت و افلاس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کنندگان وہ ظالم، لٹیرے، قارون صفت، حریص اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ یہی حرص ولالچ، ناانصافی اور استحصال معیشت کے میدان میں "ام الخبائث" یا "ام الامراض" ہے۔ جو تمام خرابیوں کی بنیاد اور جڑ ہے۔ آج سے کوئی چودہ سو سال قبل درس گاہ نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے تعلیم وفیض یافتہ حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس لیے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔(۱)

کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے (جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا) جس

انسان کو پیدا کیا ہے اس کے رزق کا بھی وافر مقدار میں سامان کیا ہے۔ مگر آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس ہوس کو بمجوائے حدیث نبوی قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔ (۲)

مشہور مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے اپنا ایک عجیب اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں: میں اپنے ایک مالدار دوست کو ملنے گیا تو وہ اپنے پلنگ پر پڑا پیٹ کے شدید درد میں مبتلا کروٹیں لے رہا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ آج لذیذ کھانا پکا ہوا تھا ضرورت سے زیادہ کھالیا اس لیے شدید درد میں مبتلا ہوں۔ میں جھٹ ڈاکٹر کے پاس گیا اور دوائی لایا جس سے اسے آرام آ گیا۔ واپسی پر میں ایک غریب دوست کے گھر گیا تو وہ بھی پیٹ درد میں مبتلا تھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کئی دن سے بھوکا ہوں اور یہی بھوک پیٹ درد کی وجہ ہے۔ میں جھٹ تندور سے روٹی لایا جسے کھا کر وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کاش میرے مالدار دوست نے اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا میرے غریب دوست کو دیا ہوتا تو دونوں کے دردِ شکم کا علاج ہو جاتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں: آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے البتہ طاقتور کمزوروں کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جس کے نتیجے میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آ جاتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے یہ سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین و آسمان۔ (۲االف)

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سینٹر اسلام آباد کی تیار کردہ ۱۹۹۹ء کی دوسو آٹھ صفحات پر مشتمل سالانہ رپورٹ میں جس کا عنوان ہے "جنوبی ایشیاء میں حکمرانی کا بحران" یہ روح فرسا اور کرب انگیز انکشاف کیا گیا ہے کہ اربوں روپے کرپشن اور لوٹ مار کے

ذریعے ہر سال جنوبی ایشیاء کے سات ممالک کے غرباء کے منہ سے نوالے چھین کر باہر بھیج دیے جاتے ہیں جن لوگوں کے منہ سے یہ نوالے چھینے جاتے ہیں ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان میں سے ۳۲ فیصد ایسے ہیں جو کہ خط غربت یعنی Poverty Line سے بھی نیچے اور ایک امریکی ڈالر یومیہ سے بھی کم آمدنی پر زندگی کی جدوجہد میں ساری عمر مصروف رہ کر دم توڑ دیتے ہیں۔ صرف پاکستان سے ہر سال ۱۰۰ بلین کرپشن کے ذریعے حاصل کر کے باہر بھیج دیے جاتے ہیں۔ قومی پیداوار کے حوالے سے اگر اس علاقے کی فی کس آمدنی دیکھی جائے تو لوگوں کی حالت اتنی خراب نہیں ہونی چاہیے جتنی کہ فی الحقیقت ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بہت سی رقوم کی لوٹ اور کرپشن کے ذمہ دار جنوبی ایشیائی ممالک ہیں اکثر حکومتوں کے صدر وزیراعظم، بڑے بڑے بیوروکریٹ سیاستدان اور ارکان پارلیمنٹ ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۳۔ اکتوبر ۹۹ء مضمون ''معاشی افق'' از ایم آفتاب)

خیرات ہو رہی تھی وافر مقدار میں وسائل رزق اور پیداوار کی تو وقت کی تنگی کے پیش نظر ہم آپ کو قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل کی بجائے اس وقت W W F کی ایک تازہ رپورٹ سناتے ہیں کیونکہ بالعموم ہمارا رویہ بھی یہی ہے کہ شرعی دلائل کی بجائے ہم اس قسم کے جدید اداروں کی رپورٹوں پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ وطن عزیز کے معروف کالم نویس منو بھائی نے روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ رستمبر ۹۹ء میں اپنے کالم ''گریبان'' کے اندر لکھا ہے کہ:

''۹ کے پانچ ہندسوں والی تاریخ (۹۔۹۔۱۹۹۹) کو ڈبلیو ڈبلیو ایف (W.W.F) کی طرف سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی پانچ ارب تہتر کروڑ سات لاکھ (5730700000) سے بڑھ چکی ہے۔ اس پونے چھ ارب کی انسانی آبادی کے لیے اجناس خوردنی اور گوشت ایک ارب ۳۱ کروڑ ۵۱ لاکھ ٹن کی مقدار میں موجود ہے اور نو کروڑ دس لاکھ ٹن مچھلی بھی دستیاب ہے مگر دنیا کا قدرتی ماحول یعنی

زندگی کے لوازمات، کثرت استعمال، ناجائز استعمال بدنظمی اور بدانتظامی کی وجہ سے نہایت تیزی سے زوال پذیر ہیں۔ چنانچہ آنے والی نسلوں کے لیے بے شمار مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ گندم اور چاول اہم ترین خوردنی اجناس ہیں ان کی ایک تہائی دودھ اور گوشت فراہم کرنے والے مویشیوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے اور دو تہائی کے قریب انسانی خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ فصلیں سالانہ دو ارب ٹن کی مقدار میں پیدا کی جا رہی ہیں اور اگر پوری دنیا کی آبادی میں برابر کی تقسیم کی جائیں تو ہر انسان کو سالانہ تین سو تیس کلو گرام خوراک فراہم ہو سکتی ہے جو کسی بھی صحت مند انسان کی زندگی برقرار رکھنے کے لیے کافی ہے مگر کیا ایسا کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟

پاکستان کے معروف ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی نے اپنے کالم (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۹۵ء) میں ایک انگریزی اخبار جس کا نام نہیں لکھا گیا، میں شائع ہونے والے مضمون کے حوالے سے یہ روح فرسا انکشاف کیا تھا کہ ”۳۵ ہزار انسان ہر روز فاقے سے مر جاتے ہیں“ پھر یہ لرزہ خیز انکشاف بھی کیا گیا تھا کہ ”کرہ ارض کے اسی (۸۰) کروڑ انسانوں کو مناسب مقدار کی خوراک میسر نہیں ہے اور اسی کروڑ کا مطلب یہ ہے کہ کرہ ارض کی آبادی کا ہر ساتواں شخص فاقہ زدہ یا نیم فاقہ زدہ ہے“ اس کے بعد زمین سے پیدا ہونے والے وافر مقدار میں اناج کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”اگر کرہ ارض پر پیدا کیا جانے والا اناج برابر تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کے حصے میں ایک کلو اناج کی پیداوار کا اندازہ ایک سو نوے کروڑ ٹن ہے اور یہ اندازہ اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک نے لگایا ہے۔ اسی طرح اس ادارے کا اندازہ ہے کہ اس سال دس کروڑ ٹن مچھلی پکڑی جائے گی جسے اگر مساوی تقسیم کرنے کا بندوبست ہو جائے تو ہر بچے، ہر عورت اور ہر مرد کے حصے میں ہر ہفتے ایک تہائی کلو مچھلی دستیاب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح پھل، سبزی، گوشت اور دودھ بھی اگر برابر برابر تقسیم ہوں تو ہر فرد کے حصے میں معقول مقدار آئے۔“

مسئلہ کا حل۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

عام غربت و افلاس کا بنیادی سبب خواہ کچھ بھی ہو، چونکہ یہ فطری و طبعی طور پر انسان کا واقعی اور ناگیزیر مسئلہ ہے اس لیے اسے جس طرح ہر زماں اور ہر مکاں میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اسی طرح آج بھی یہ پوری دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے دانشوروں، مفکرین اور اہل حل و عقل نے اپنے انسانی عقل وفہم کے مطابق کئی معاشی اور اقتصادی نظام وضع کر کے تجربات کیے ہیں مگر محدود اور طبعی طور پر خود غرضی کا شکار انسانی ذہن اب تک دنیا کے اس ناگزیر اور اہم ترین مسئلے کا معقول قابل قبول منصفانہ اور کامیاب حل پیش نہیں کر سکا۔ ان ایجاد بندہ اقتصادی نظاموں کا تفصیلی تجزیہ اس وقت ممکن نہیں البتہ اتنی بات اظہر من الشمس ہے کہ ان نظامہائے معیشت نے دنیا کے اس لازمی مسئلے کو حل کرنے کی بجائے الٹا اسے الجھایا اور غربت و افلاس کے مارے لوگوں کے دکھوں میں مزید اضافہ کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

انسان کے اس لابدی مسئلے کے حل کے لیے ایک نظام اس رحمٰن ورحیم وکریم رب کائنات نے بھی دیا ہے جو ایک تو انسان کا خالق مالک اور رازق ہے دوسرے ہر قسم کے نقص عیب اور خود غرضی سے منزہ ہے۔ جس کے نفاذ کے لیے اس نے اپنے اس محبوب اور خاتم النبیین نبی محتشم ﷺ کو مبعوث فرمایا جسے رحمۃ للعالمین، رؤف رحیم اور کریم کے القاب سے نوازا، جن کے قلب اطہر میں انسانیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا اور جنہیں مؤمنین کا ان کی اپنی ذاتوں سے بھی زیادہ خیر خواہ بنایا گیا۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اس نبی رحمت کی تعلیمات وہدایت اور اسوہ حسنہ معاشی خوشحالی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے دینی وایمانی تقاضے سے ہٹ کر اگر خالصتاً دنیوی اور مادی

نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے اور تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو واقعات وشواہد یہی بتاتے ہیں کہ دنیا میں ظلم وناانصافی، اقتصادی ترقی ومعاشی خوشحالی کی بجائے عام بھوک افلاس اور تنگدستی، خودساختہ استحصالی اور غیر منصفانہ قانون' غیر فطری حدتک معاشی ومعاشرتی تفاوت وعدم توازن جیسی بنیادی اور ننگ انسانیت خرابیوں کو ختم کرنے اور دنیا میں ہمہ جہتی خیر و بھلائی' دنیوی واخروی سعادتوں اور فوز وفلاح کے حصول کے لیے بھی سیرت طیبہ اسوہ حسنہ اور تعلیمات وہدایات نبوی ﷺ کی پیروی ضروری ہے جس کی طرف شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے یوں توجہ دلائی تھی۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دلبند و راہ مصطفیٰ رو

انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انسانی معاشرے میں معاشی ومعاشرتی عدل و انصاف اور استحکام، رب کریم کے پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (۳) (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (۴) جسے اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب نفوس قدسیہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت انسانیت کی نیوی واخروی فلاح کے لیے عنایت فرمایا (۵) اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر، رحمت دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ذریعے فرمادی (۶) قرآن مجید کی رو سے معاشی خوشحالی، اقتصادی ترقی اور دنیوی و مادی برکات کے حصول کے لیے خلق خدا کے حقیقی خیر خواہ طبقہ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کی پیروی ضروری ہے (۷) پھر یہ بھی عقلاً ضروری ہے کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے اس کے واسطے متعین راستوں کو اپنایا جائے

ترجو النجاة ولم تسلک مسالکها
ان السفینة لا تجری علی الیبس

ورنہ "ترسم کایں راہ میروی بکعبہ نرسد اے اعرابی" والی بات ہوگی۔

ہمارا اس بات پر پختہ ایمان اور یقین ہے کہ انسان جب تک اللہ کریم کے آخرالزمان اور رحمۃ للعالمین نبی علیہؐ کے آستانہ پر نہیں جھکے گا دنیا میں طرح طرح کے مصائب و آلام اور مسائل کا شکار رہے گا۔ وہ زندگی میں امن وسکون معاشی خوشحالی و معاشرتی عدل وانصاف کبھی نہیں پا سکے گا۔ دنیا اس سراج منیر سے جب تک روشنی حاصل نہیں کرے گی مختلف قسم کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی رہے گی اور جب تک تعلیمات وہدایات نبوی پر عمل پیرا نہیں ہوگی ہمہ جہتی فوز وفلاح کی مبارک منزل سے دور رہے گی۔ تو اب آیئے اس سراج منیر کی ضیا پاشیوں انوار محمدی اور اسوۂ رسول علیہؐ کی روشنی میں ساری دنیا خصوصا پاکستان کو درپیش غربت وافلاس کے گھمبیر مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں تعلیمات وہدایات محمدیہ میں کسی ایک تعلیم وہدایت پر بھی خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو۔

محنت وروزگار کا فروغ

حضرات گرامی! آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ دولت پیدا کرنے کا ایک اہم، اولین، بنیادی اور کلیدی ذریعہ یا عامل انسان کی ذاتی محنت بھی ہے جس کے بغیر بہت سے خام حالت میں خزائن الٰہی قابل منفعت نہیں بن سکتے۔ ہمارے معاشرے میں عام غربت و افلاس تنگ حالی اور آمدنی و پیداوار میں کمی کا ایک سبب اس ذریعہ دولت (محنت) سے جی چرانا ہے۔ یہ محنت سے جی چرانا کچھ تو ذاتی سستی کاہلی اور لاپروائی کے باعث ہوتا ہے مگر زیادہ تر اس کا باعث محنت کو بطور پیشہ اختیار کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر ومعیوب سمجھنا ہے اور یہ سوچ شاید ہندوآنہ تہذیب ومعاشرت کے ساتھ زیادہ دیر قرب کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جبکہ یہ دونو باتیں عقلاً ونقلاً انسان کے لیے نقصان دہ ہیں۔ مقام غور ہے کہ اگر خالق کائنات نے انسان کے ساتھ ایک پیٹ لگایا ہے تو اس نے اس کو بھرنے کے لیے دو ہاتھ، دو پاؤں، جسمانی قوت، سوجھ بوجھ اور دوسری مخلوق کے برعکس اسے عقلی و دماغی

صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں جنہیں کام میں لا کر زمین میں پھیلے ہوئے بے شمار رزق الٰہی کو بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ غالباً اسی لیے ارشاد الٰہی ہوا:

ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقه (۸)

(وہ خالق وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ۔)

محنت کے حوالے سے جب ہم سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محنت و مزدوری کو جو عزت جو حوصلہ افزائی اور قابل رشک حد تک جو مرتبہ و مقام آپ ﷺ نے بخشا اس کا وجود روئے زمین پر نہ آپ کی تشریف آوری سے قبل تھا نہ آج کی متمدن و مہذب اور بزعم خویش حقوق انسانی علمبردار دنیا میں پایا جاتا ہے۔ محنت و مزدوری اور ہاتھ سے کما کر کھانے کو آپ کس قدر و منزلت سے دیکھتے تھے اور اس کی دنیوی و اخروی برکات و درجات کیا ہیں؟ اس کے لیے اکثرت کتب حدیث میں موجود "باب طلب کسب الحلال" کا مطالعہ کافی ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لیے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا۔ (۹) ہاتھ سے کما کر کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہو سکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔) (۱۰)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے اسے کوئی دے یا نہ دے۔ (۱۱)

محنت کے لیے نبی اکرم ﷺ کی اسی قسم کی بے شمار تعلیمات و ترغیبات کو دیکھتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی نے یوں بارگاہ نبوی میں خراج عقیدت پیش کیا تھا:

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی — کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی

خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی — نہ کرنا پڑے تم کو دردر گدائی

محنت کی نقد دنیوی برکات تو ہیں ہی جس سے کسی کو انکار نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تو اس کا بہت سا اخروی ثواب بھی بتایا ہے۔ یوں شریعت محمدیہ میں محنت ''ہم خرماؤ ہم ثواب'' کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں متعدد ایسے ائمہ، فقہاء کرام، مفسرین اور محدثین کے نام ملتے ہیں جو اپنے اپنے اجداد کی بنسبت اپنے معمولی پیشوں کے حوالے سے زیادہ معروف ہیں۔ مثلاً امام غزالی، امام جصاص، امام بزاز، امام قدوری وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی جیسا کہ اوپر گزرا، محنت مزدوری کو کبھی عار نہ سمجھا اور تعلیم امت کے لیے ہاتھ سے کما کر کھانے والوں کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ اس سے بڑھ کر محنت مزدوری کی حوصلہ افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا ''یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب سمجھتا ہے۔ (۱۲)

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی۔ (۱۳)

پاک نبی ﷺ پر نازل ہونے والی پاک کتاب نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ بوجوہ محنت و روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔ (۱۴)

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ہر مؤمن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت بازو اور اپنی خداداد جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمین پر پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے اپنی پسند کے مطابق شرعاً جائز ذرائع سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی معاش کا

اہتمام کرے۔اس سلسلے میں وہ آزاد ہوگا،اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو نہ صرف دور کیا جائے گا بلکہ اسلامی ریاست اس کے لیے روزگار کے مواقع مہیا کرے گی۔جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک بے روزکار نوجوان صحابی کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کا فروخت کیا۔ایک درہم سے اہل خانہ کے لیے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار میں بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔(۱۵)

ایثار وانفاق اور مؤاسات کی تلقین

حضرات! آپ جانتے ہیں کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحب ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا جبکہ بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں بفحوائے قرآن مجید کئی تکوینی مصلحتیں پوشیدہ ہیں (۱۶) مگر ہم خالق کائنات کے تکوینی نظام کی بجائے اس کے آخری رسول ﷺ کے عطا کردہ تشریعی نظام کے مکلف ہیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ جو دین فطرت ہے، درجات معیشت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات کی تو قائل نہیں البتہ اس نے ''حق معیشت'' میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔اس کے لیے اس نے بالعموم خوشدلانہ، رضا کارانہ اور برادرانہ مؤاسات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات و جذبات سے کام لیا ہے۔اس لیے غربت و افلاس کا مسئلہ زیادہ تر تو شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہو جاتا ہے۔باقی کسر قانون کی مدد سے نکال لی جاتی ہے۔

سیرت نبوی میں اس کی سب سے بڑی مثال سرکار دو عالم ﷺ کا وہ معاہدۂ مؤاخاۃ ہے جو آپ ﷺ نے اجڑے پجڑے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان قائم فرمایا تھا۔جس کی مدد سے آنجناب ﷺ نے مہاجرین کی رہائش خوراک اور کاروبار کا مسئلہ

فوری طور پر اتنی آسانی سے حل فرمایا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت و بھائی چارے اور ہمدردی و غمخواری کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذی استطاعت اور غرباء و امراء میں باہمی تکافل و تعاون اور ہمدردی و غمخواری کی ایسی فضا قائم رہے کہ جس میں کسی غریب تنگدست کو اپنی غربت و افلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اور اس طرح پورا معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند جن میں بعض تھوڑا اور بعض زیادہ کمانے والے ہوتے ہیں، بعض بوجوہ کمانے سے بالکل معذور ہوتے ہیں، باہم مل جل کر پیار و محبت اور اطمینان و سکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خورد و نواش، لباس، تعلیم، علاج معالجہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور ساتھ ہی ایک طبقہ عیش و عشرت فضول خرچیوں اور اپنے اللوں تللوں سے ان غربت کے مارے لوگوں کے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ صورت حال کچھ یوں ہو کہ

ہے ادھر بھی آدمی، ہے اُدھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک اس کے چہرے پر نہیں

اس لیے قرآن مجید میں مکی دور کے اندر ہی غرباء و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے اور انہیں معاشی فکر سے مطمئن کرنے کے لیے دفعات یعنی احکامات اور ہدایات اترنا شروع ہو گئیں۔ قانون نافذ کرنے سے قبل ترغیبی اور تشویقی انداز میں صاحب حیثیت حضرات کو دلنشین انداز میں ایثار و انفاق کی تلقین کی گئی۔ انہیں ذہنی قلبی طور پر غرباء کی رضا کارانہ مالی امداد و تعاون پر ابھارا گیا۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں ذہنی اور دل کی تبدیلی نہیں آ جاتی اس وقت تک اس میں کوئی تبدیلی رونما اور انقلاب بپا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دلوں کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ دل و دماغ پر اس ذمہ داری کا

احساس چھایا ہوا ہو جو رب العالمین کا نائب اور سارے جہانوں کے پالنے والے کا ''خلیفة الله فی الارض'' ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے۔ پروردگار عالم کا غلیفہ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا یہ احساس ذمہ داری ایسا بیدار ہو کہ ایک حدیث نبوی کے مطابق ہم ہر غریب و مفلس کی غربت وافلاس کی ٹیس اور چبھن اس طرح محسوس کریں جس طرح ایک عضو بدن میں تکلیف سے سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔(۱۷) جب ہم کسی غریب و مفلس کو دیکھیں تو ہمارا دل بے چین ہو جائے۔

حضرت جریرؓ سے مروی مسلم شریف کی ایک روایت یقیناً آپ کی نظروں سے گزری ہو گی کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ جب ننگے پاؤں ننگے جسم اور پھٹے پرانے کپڑں میں ملبوس نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ''فتمعر وجه رسول الله ﷺ'' یعنی ان کی یہ خستہ حالی دیکھ کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور آنجناب ﷺ کو اس وقت تک چین نہیں آیا اور اس وقت تک آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار نہیں ہوئے جب تک کہ ان کی اس تنگ حالی کا ضروری سامان نہیں ہو گیا۔(۱۸)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم ﷺ نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر سوار آپ ﷺ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اس احتیاج کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادِ راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا ہم

میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں"(۱۹)

امام غزالیؒ کی "الاسلام والمناہج الاشتراکیہ" کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے:

"حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے (کہ ان کی نگہداشت کرے) لہٰذا تمہیں چاہیے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا گلہ تھا"۔(۲۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔"(۲۱)

یہی حضور اکرم ﷺ کی حسین تعلیمات تھیں جنہوں نے امراء واغنیاء کے دل میں غریب کی محبت، احساس ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری، ایثار وقربانی اور اخوت کے جذبات پیدا کیے۔ ترمذی میں ہے:

"یؤثرون ذالحاجة ویحفظون الغریب" (۲۲)

وہ صحابہ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے اور غریب (کے حقوق) کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کے لیے نفرت وعداوت کی جگہ محبت، عزت وتکریم اور مرتبہ شناسی کے لطیف جذبات پیدا ہوئے اور یوں ایسا ماحول

پیدا ہوا کہ امراء وغرباء کے درمیان نفرت کی ساری دیواریں ڈھے گئیں۔امارت وغربت کے سارے فاصلے مٹ گئے۔معاشی ومعاشی تفاوت کی دوریاں ختم ہوگئیں۔امیر وغریب کی بنیاد پر طبقاتی تفریق وتقسیم ''نسیاً منسیا'' ہوگئی۔دنیا کے خودساختہ درجات اور مراتب کا خاتمہ ہوگیا۔چھوٹے بڑے، امیر غریب، قریشی غیر قریشی، عربی عجمی، حبشی رومی، گورے کالے اور آقا وغلام کے امتیازات ختم ہوگئے اور سب بھائی بھائی، ایک دوسرے کے خیر خواہ، بہی خواہ، اور جاں نثار بن گئے۔امراء اور غرباء میں تعاون وتکافل اور بھائی چارے کی ایسی پرسکون، پرلطف اور محبت بھری فضا پیدا ہوگئی کہ چشم فلک نے اس کا نظارہ اس سے پہلے کیا تھا اور نہ آج تک کرسکی ہے۔(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں مدینہ منورہ کے باہمی ہمدردی، باہمی خیر خواہی اور اخوت ومساوات پر مبنی معاشرے کا جو نقشہ کھینچا ہے۔وہ قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں:

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

الغرض ایثار وانفاق اور مؤاسات کی اسلامی تعلیمات اور مؤثر ومنظم ومخلصانہ ترغیب کو کام میں لاکر اس وقت بھی غربت وفلاس کا مسئلہ بڑی حد تک حل کیا جاسکتا ہے۔

محترم سامعین! آپ کو یاد ہوگا سابق وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے کے ابتدائی ایام میں جب ''قرض اتارو ملک سنوارو'' سکیم شروع کی تھی تو پاکستانی مرد وخواتین حتی کہ بچوں کے اندر کا مسلمان کس طرح جاگ اٹھا تھا اور کس طرح انہوں نے قرون اولیٰ کی یادیں تازہ کردی تھیں۔

اقبال ناامید نہیں ہے اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے قانونی دفعات

غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے طبعی بخل کے پیش نظر ایثار وانفاق کی صرف اخلاقی اور ترغیبی ہدایات پر انحصار کر کے غرباء ومساکین کو دولتمندوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس نے اس کے لیے کچھ قانونی اور لازمی دفعات بھی رکھی ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ، قانون نفقہ، قانون میراث، کفارات، خراج، جزیہ وغیرہ جن کی تفصیلات اور جزئیات حدیث وفقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان قانونی دفعات میں صرف زکوٰۃ ہی ایک ایسی ایمانی دفعہ اور بابرکت ذریعہ ہے کہ اگر آج بھی پوری دیانتداری سے وصول وتقسیم کی جائے تو معاشرے سے غربت و افلاس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ حدیث نبوی کی رو سے اس کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک علاقے کے مالداروں سے لے کر فقراء ومساکین میں تقسیم کردی جائے۔ (۲۳) اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ دور کی نام نہاد جمہوری حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں۔ یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقہ غرباء سے وصول کیے جاتے اور اغنیاء وامراء کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں، تاجروں، ملازمین، صنعت پیشہ لوگوں سے مختلف ٹیکسوں کے نام پر وصول کی جاتی ہے۔ بڑی سخاوت بلکہ "مال مفت دل بے رحم" کے عین مصداق بڑی بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ صدر مملکت، وزیراعظم وزراء ومشیران کرام، عوامی نمائندوں بیوروکریٹس اور افسران بالا کے اللوں تللوں فضول خرچیوں، نام نمود، پرتکلف سرکاری ضیافتوں، حکومتی وسیاسی پروپیگنڈا، پروٹوکول، شاہانہ طرز کے دفاتر اور فرنیچر وغیرہ پر خرچ کردی جاتی ہے جبکہ اسلام میں زکوٰۃ کا مصرف کسی حکومت کی صوابدید پر نہیں بلکہ قرآن مجید میں ان مصارف کا تعین کردیا گیا ہے جن سے باہر زکوٰۃ صرف نہیں ہوگی۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ معاشی واقتصادی سطح پر زکوٰۃ کا ادارہ معاشرہ میں معاشی عدل و

انصاف اور غربت وافلاس کو دور کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عہد نبوی، عہد خلفاء راشدین اور بعد کے کئی ادوار میں اس ذریعہ کو استعمال میں لاکر اسلامی ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ دنیا میں لاوارث نہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے اعلان فرمایا تھا: ''انا ولی من لاولی له'' (۲۴) (میں ہر اس شخص کا والی ہوں جس کا دنیا میں کوئی والی نہیں)

ایک حدیث میں فرمایا:

''جو آدمی بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہوں گے خواہ جو بھی ہوں، اور اگر وہ اپنے ذمہ دین چھوڑ کر مرا یا بچے چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے مرے ذمہ۔ میں ان کا والی ہوں''۔ (۲۵)

زکوٰۃ کے بعد اہم قانونی دفعہ قانون نفقہ ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ''کتاب النفقہ'' کے اندر دیکھی جا سکتی ہیں۔ غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے یہ وہ منفرد قانون ہے جو صرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے دولتمند رشتہ دار پر اپنے قریبی اور غریب ونادار رشتہ داروں کا نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشی ومعاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ''مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام'' میں لکھا ہے:

''فقہ اسلامی میں کتاب النفقات کے تحت رشتہ دار پر خرچ کرنے کے باب میں جو احکام دیئے گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ایسے احکام نہ پرانی شریعتوں میں کہیں ملیں گے اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس کا خیال تک پایا جاتا ہے''۔ (۲۶)

پھر آگے چل کر انہوں نے اپنے ایک استاذ محترم ڈاکٹر محمد موسیٰ کی زبانی ان کا ایک چشم دید اور عجیب واقعہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

''شاید یہ بہتر ہو اگر میں یہاں ذکر کر دوں کہ میں قیام فرانس کے دوران جس گھر میں کچھ عرصہ رہا ہوں ایک نوجوان لڑکی بحیثیت خادمہ کے رہا کرتی تھی جس کے چہرے سے خاندانی شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے گھر کی مالکہ سے پوچھا: یہ لڑکی کیوں

خادمہ بنی ہوئی ہے؟ کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو اس سے یہ کام چھڑوا دے اور اس کے لیے زندگی کی آسائشیں فراہم کر دے؟ اس نے جواب دیا: یہ لڑکی شہر کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس کا ایک چچا ہے جو بڑا مالدار ہے۔ مگر وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اپنے معاملے کو عدالت میں کیوں نہیں لے جاتی کہ وہ اسے اس سے نان نفقہ دلوائے؟ میری بات سے وہ صاحبہ حیران رہ گئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت یہ لڑکی اپنے چچا سے کوئی مطالبہ کر سکے"۔ تب میں نے انہیں اس سلسلے میں اسلام کا حکم سمجھایا۔ وہ کہنے لگیں "کون ہے جو ہمارے لیے ایسا قانون بنائے؟ اگر ہمارے یہاں یہ قانونی لحاظ سے جائز ہو تو کوئی لڑکی یا عورت ایسی نہ ملے جو کسی کمپنی، کارخانے، فیکٹری یا حکومت کے کسی محکمے میں کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔" (۲۷)

المختصر صاحب حیثیت آدمی پر اس کے غریب والدین، بیوی، چھوٹی اور نادار اولاد، ضرورت مند بہن بھائی اور دوسرے مستحق قریبی رشتہ داروں کا نان ونفقہ واجب ہے۔ اس لیے حکومت جس طرح ہنگامی بنیادوں پر مردم شماری اور ووٹر لسٹیں بنانے کا اہتمام کرتی ہے اسی طرح حکومتی ذرائع کو کام میں لا کر ملک میں واقعی غرباء ومساکین اور ان کے قریبی صاحب ثروت رشتہ داروں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ صاحب حیثیت وثروت اگر رضا کارانہ اور صلہ رحمی کے طور پر اپنے غریب اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو قانوناً انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ قانون نفقہ کے باقاعدہ نفاذ سے غربت وافلاس پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح عشر، صدقہ فطر وکفارات کی لازمی ادائیگی، خراج، جزیہ، مال غنیمت و مال فے اور میراث کی تقسیم وغیرہ کے لازمی احکام کا بڑا مقصد یہی ہے کہ معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ ہو۔ (۲۸)

تعیشات کی بجائے سادگی کا فروغ

کسی ملک میں غربت و افلاس کا ایک بڑا سبب وہاں کے امراء بالخصوص اہل حکومت و اقتدار کا تعیشات ، اللوں تللوں، شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بود و باش کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ (۲۹) وی آئی پی اور غیر وی آئی پی کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت ﷺ سے بڑھ کر کون دنیا میں VIP ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم ﷺ کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔ (۳۰) آپ کے لیے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا (۳۱) دس لاکھ مربع میل کے حکمران۔ (۳۲) کی رہائش جس "ایوان صدر" یا "وزیر اعظم ہاؤس" میں تھی اس کا طول و عرض آج بھی "گنبد خضریٰ" سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب کی رہائش گاہ کے "سامان زیست" اور "کل دنیا" کی تفصیل اور چشم دید گواہی آج بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ (۳۳)

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک زوجہ محترمہ یا آج کی اصطلاح میں "خاتون اول" کا حجرہ کس قسم کے سنگ مرمر، ساگوان کی لکڑی اور امپورٹڈ" سامان سے بنایا گیا تھا۔ اس کی تفصیل آج بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ (۳۳۔الف) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیس بالمتنعمین" (۳۴)

(عیش کوشی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوشی نہیں کرتے)

آپؐ نے عام افلاس کے زمانے میں ایک صحابی کے مکان پر بالا خانہ کو پسند نہ فرمایا۔ (۳۵) پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔ (۳۶) اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں لٹکے پردے کو پھاڑ دیا (۳۶ الف)

وطن عزیز میں عام غربت کا ایک بڑا باعث حکمرانوں، عوامی نمائندوں اور دولت مند لوگوں کی عیش کوشی اور تعیش پسندی بھی ہے۔ اسلام عیش کوشی اور تعیش پسندی کی بجائے تمام معاملات زندگی میں سادگی کو پسند کرتا ہے۔ جس کے دنیا میں نقد بے شمار مالی و معاشی فوائد ہیں۔ جبکہ تعیش پسندی اور عیش کوشی میں بے شمار معاشرتی واخلاقی نقصانات کے باعث اسے سخت ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

وطن عزیز میں ہر سال حکومتی بجٹ کا ایک کثیر حصہ حکمرانوں، وزراء اور مشیران کی فوج ظفر موج، ممبران پارلیمنٹ اور افسران بالا کے تعیشات اور غیر ضروری اخراجات کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے بجٹ خسارہ کو پورا کرنے کے لیے ہر سال قرضہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف ایک صوبائی وزیر یا ممبر کی تنخواہ الاؤنسز، پٹرول، ٹیلیفون بل وغیرہ پر اٹھنے والے ماہانہ اخراجات ایک لاکھ روپے سے زیادہ بنتے ہیں۔ عوامی نمائندوں کے لیے ہر سال بجٹ میں جو مسرفانہ مراعات رکھی جاتی ہیں اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی غریب ملک کے نمائندے ہیں۔ سابق اور موجودہ صدر اور وزراء اعظم کو دی گئی مراعات کی تفصیل روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۲۴۔ جنوری ۱۹۹۶ء اور ہفت روزہ "تکبیر کراچی مورخہ ۲۷۔ جون ۱۹۹۷ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ باقی تفصیلاً چھوڑیے۔ ایوان صدر اور وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی صرف دیکھ بھال مہمانوں کی تواضع اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لیے کروڑوں روپے رکھے جاتے ہیں جبکہ ملک کی اکثریت کے پاس سر چھپانے کے لیے چھونپڑی بھی نہیں۔ دوسرے سرکاری دفاتر میں بھی ہر سال کروڑوں روپیہ صرف ان کی تزئین و آرائش پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کوئی ۴۴ کھرب روپے کا قرض سر پر ہے لیکن اس کے باوجود معروف دانشور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے بقول:

"ہمارے حکمرانوں کا طرز معاشرت یہ پتہ دیتا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسے ملک کے حکمران ہیں جس کے دریاؤں میں گدلا پانی نہیں شیریں اور شفاف دودھ بہتا ہے۔ جس کے

درختوں پر پتے نہیں روپے اگتے ہیں۔ جس کے موسم برسات میں سونے اور چاندی کی بارش ہوتی ہے اور جس میں آنے والے سیلاب دنیا جہان کی نعمتیں سمیٹ کر یہاں بکھیر دیتے ہیں۔ اسسٹنٹ کمشنر ہو یا ڈپٹی کمشنر اور وزیر اعلیٰ ہو یا وزیر اعظم سب کا انداز معاشرت ملک کے افلاس اور عوام کی غربت کی ہلکی سے چغلی بھی نہیں کھاتا۔ اے۔ سی کو دیکھ کر قطعاً اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی دور افتادہ تحصیل کا حاکم ہے۔ ڈی۔ سی سے مل کر بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی مسائل زدہ ڈویژن کا انچارج ہے۔ وزیر اعلیٰ کی شان و شوکت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کسی غریب صوبے کا مقتدر ہے۔ اور نہ وزیر اعظم کے قرینہ زیست سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی مقروض ملک کا چیف ایگزیکٹو ہے۔ نمائشی اقدامات کی بات نہیں ہو رہی جو سادگی کے حوالے سے یہاں اکثر و بیشتر کئے جاتے ہیں بلکہ اس مسلسل طرز عمل کی بات ہو رہی ہے جو برسوں سے ہمارے حکمران اختیار کئے ہوئے ہیں۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس غریب اور مقروض ملک کی ہر حکومت سادگی کے دعوؤں اور اعلان کے باوجود بالائی سرکاری سطح پر کتنی بے دردی سے اخراجات کرتی رہی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال ملک کے قانون دان طبقہ وکلاء کی ایک درخواست سے ہوتا ہے جو انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی تھی اور عدالت سے استدعا کی تھی کہ وہ ان شاہ خرچیوں پر پابندی عائد کرے اور جو ابھی تک سماعت کی منتظر ہے (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۸ء) اس درخواست میں مندرج حکومتی سطح پر شاہ خرچیاں اور عیاشیاں تو صرف مشتے از خروارے کے طور پر ہیں، ورنہ

درد کے قصے نہ پوچھ، ہیں یہ طولانی بہت
جملے جملے سے اٹھ آئے گی حیرانی بہت

اور

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عوامی سطح پر سرمایہ دار، وڈیرے اور جاگیردار اپنی اندھی دولت کے بل بوتے پر کیا گل چھرے اڑاتے ہیں اور کس طرح غریب لوگوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں اس کا اندازہ راقم یا کسی دوسرے ادارے کی نہیں بلکہ "اقوام متحدہ" کی ایک رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۲۔نومبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ رپورٹ پڑھئے اور غریب عوام کے ساتھ سنگین مذاق ملاحظہ فرمایئے:

"پنجاب کے ۰٫۵ فیصد ملک، ٹوانے، لغاری، مخدوم، اور کھوسے صوبے کی ۲۰ فیصد زمینوں پر قابض ہیں جبکہ سندھ کے ایک فیصد جام، جتوئی، سید اور پیر وہاں کے ۳۰ فیصد، سرحد کے ۰٫۱ فیصد باچے، خٹک، آفریدی، نواب، الائی اور میر ۱۲٫۵ فیصد رقبے پر حکمرانی کرتے ہین جبکہ بلوچستان کے ۱۰۰ فیصد جاگیردار مری، جمالی، مینگل وہاں کی ایک ایک انچ زمین پر قابض ہیں۔ مسکین پاکستان کے ۹۳ فیصد چھوٹے کسان صرف ۳۷ فیصد زمین کے مالک ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق دو ارب روپے کے صرف زرعی قرضے ہڑپ کرنے والے ان جاگیرداروں نے کپاس کی فصل سے ۳۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور گندم، دالوں اور دیگر اجناس کے ذریعے ۱۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور کوئی ٹیکس بھی نہیں دیا۔ ہر خاندان اور ان کے نوجوان ہر سال کتا دوڑ، ریچھ کی لڑائی، شیر بازیوں اور دیگر عیاشیوں پر ہر سال ۴ ارب ۸۲ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں۔ یہی خاندان ہر سال سامان تعیش اور گاڑیوں کی درآمد پر ایک ارب ۹۶ کروڑ روپے خرچ کرتے ہیں۔ جبکہ ہر دن ملک کا تمباکو استعمال کرنے پر ایک کروڑ ۲۶ لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں۔ رپورٹوں کے مطابق جاگیردار خاندان زرعی زمین کے علاوہ پاکستان کے شہروں میں بھی ایک کھرب تین ارب اور اٹھائیس کروڑ کی جائیدادوں کے مالک ہیں ان کے کتے تازہ گوشت کھاتے ہیں لیکن ان کے ۱۵ لاکھ ملازمین گوشت کھانے کے لیے عید قربان کا انتظار کرتے ہیں۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ پنجاب کے ۸۰ فیصد کسانوں کے پاس پنجاب

کی کل نہری اور بارانی زمین کا صرف ۷ فیصد ہے۔ سندھ کے ہاریوں اور چھوٹے کسانوں کے پاس سندھ کی کل زمین کا ۱۲ فیصد سرحد کے ۲۷ فیصد کسانوں کے پاس وہاں کا ۲ء۸ فیصد رقبہ اور بلوچستان کے ۸۰ فیصد کسانوں اور مزدوروں کے پاس اپنی ملکیت کے لیے قبر کے برابر زمین بھی نہیں ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی معاشرے کا ہر ظلم، زیادتی، کرپشن، لوٹ کا پتہ اسی پانچ فیصد طبقہ کے گھروں، ڈیروں اور حویلیوں کی طرف جاتا ہے۔"

لہٰذا اسلام کے قانون حجر کے تحت ضروری ہے کہ ان سرکاری اور عوامی سطح پر مال کے ضیاع اور اسراف وتبذیر کرنے والوں پر پابندی عائد کی جائے اور حکام بالا سے لے کر نیچے تک دفاتر میں سرکاری تقریبات میں، خوردونوش میں، رہن سہن میں، غیر پیداواری اخراجات وغیرہ میں بعض دوسرے ممالک کی طرح سادگی کفایت شعاری اور خودانحصاری کو فروغ دیا جائے تزئینات یا تکلفات وفضولیات کا شوق قرضے لے کر پورا کرنے کی بجائے معاشی خوشحالی کے حصول تک صرف "ضروریات" پر اکتفا کیا جائے۔

معاشی واقتصادی ترقی کا حصول

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔ اسلام جو ایک فطری مذہب ہے، نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے مال کو انسانوں کے لیے "مایہ زندگی" قرار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع کیا ہے(۳۷) فقہاء اسلام نے آیات قرآنی کے استدلال سے حفظ مال وعدم تضییع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ (۳۸)

معاشی ترقی اور خودانحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں، کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

کسی ملک کی معاشی تعمیر اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا معاشی و اقتصادی ترقی، غربت کے خاتمہ اور خود کفالت کے لیے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

(ا) زرعی ترقی

کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی زرعی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روزمرہ کی غذائی ضروریات زراعت اور باغبانی کی مرہون منت ہیں۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے:

"اطلبو الرزق فی خبایاالارض"(۳۹)

(رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔)

حضور اکرم ﷺ نے بذات خود بھی مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی (۴۰) آپ ﷺ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا۔ (۴۱) کیونکہ گھروں میں آلات زراعت کو گھروں میں بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں زراعت و باغبانی کے لیے متعدد ارشادات ملتے ہیں۔ (۴۲)

زرعی ترقی کے لیے درج ذیل اصلاحات مفید ہو سکتی ہیں:

(الف) موات (بنجر اور بیکار سرکاری زمینوں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ کی جائیں جو انہیں آباد کریں۔ اسلام بنجر زمینوں کو کسی فرد کی ملکیت بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو حکومت کی ملکیت بھی تسلیم نہیں کرتا۔ (۴۳) بلکہ وہ اسے اس شخص کی ملکیت قرار دیتا ہے جو اسے آباد کرے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کی ہے۔(۴۴)

حضور اکرم ﷺ نے خود بھی کئی صحابہ کو آباد کاری کے لیے زمینیں (جاگیریں) عنایت فرمائیں (۴۵)

(ب) جن جاگیرداروں کو انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے صلے میں ہزاروں ایکٹر اراضی ملی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کر کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

(ج) جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے یعنی وہ تین سال تک آباد نہ کرے تو وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

''اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اب محتجر (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق نہیں (۴۶)

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بلالؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی اور مؤذن رسولؐ سے وہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں خود حضور اکرم ﷺ نے عطا کی تھی مگر دور فاروقی تک وہ اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔(۴۷)

یوں تمام غیر مزروعہ زمینیں آباد ہو سکتی ہے اور جاگیرداری نظام کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(د) زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لیے نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے پانی کو سارے انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا ہے (۴۸) سمندروں، دریاؤں، قدرتی چشموں، حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت نہیں۔ (۴۹) جن صورتوں میں پانی پر شخصی ملکیت کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی زائد از ضرورت پانی کو روک رکھنے اور بیچنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۵۰)

(ہ) زرعی ترقی کے لیے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لیے قرضے، آلات زراعت (ٹریکٹر وغیرہ) اور بیجوں کی فراہمی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی۔ (۵۱)
اور زرعی اجناس کی فروخت کے لیے آرھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہیے۔

(۲) صنعت وحرفت

معاشی استحکام اور وسائل معیشت میں صنعت وحرفت کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں صنعت وحرفت جو عمرانی اور تہذیبی لحاظ سے نہایت قابل اعتماد اور مستحکم ذریعہ معیشت ہے، کو ذریعہ معاش بنانے کے اشارات ملتے ہیں (۵۴)

غذائی اجناس اور ضروری مصنوعات میں دوسرے ملکوں کی محتاجی کسی حالت میں بھی کسی ملک کے لیے خوش آئند امر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے ہر ایسی چیز کی تعلیم اور اس کی تیاری (صنعت) کو فرض (فرض کفایہ) قرار دیا ہے جو مسلمانوں کی دنیوی ضروریات اور مادی زندگی کے لیے لابدی ہے۔ (۵۵) موجودہ دور میں صنعتی ترقی اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہے۔ اور جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام مسلمانوں کو دفاعی قوت و استحکام کے لیے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے (۵۶) چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی فولاد ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کو فروغ دیئے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان چیزوں (صنعتوں) کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ "کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے (۵۷)
اس وقت اقتصادی و صنعتی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ تکنیکی پسماندگی بھی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا سبب صرف پیداوار کا اضافہ نہیں بلکہ ان کی ترقی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ

جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے پاس اگرچہ کروڑوں ٹن پٹرول کے ذخائر موجود ہیں۔ مگر ان ذخائر کا معاشی و تکنیکی کنٹرول مغربی ممالک کے ہاتھ میں ہے۔

لہٰذا صنعتی یونٹ میں ترقی کے لیے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولت اور تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات کے استعمال اور خریدار کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے مصنوعات کے معیار پر کڑی نظر رکھنا بھی لازمی ہے۔

(۴) تجارت میں فروغ

تجارت (تبادل منافع ۵۸) تحصیل مال، اقتصادی ترقی اور غربت کے خاتمہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے (۵۹) تجارت کے فروغ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کے بے شمار دنیوی فوائد اور برکات بتائی ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب البیوع'' وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔ خود بھی تجارت فرما کر اس پیشہ کو اعزاز بخشا۔ (۶۰) اسلام میں تجارت سے مقصود محض نفع کمانا نہیں بلکہ انسانی ہمدردی، باہمی تعاون اور خدمت خلق ہے۔ مادی منفعت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے نبی رحمت ﷺ نے تجارت میں ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن میں لوگوں کا استحصال ہوتا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا دھوکہ ہوتا ہو۔ تفصیل کے لیے صحاح ستہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں کتاب البیوع کو دیکھا جا سکتا ہے۔

المختصر معاشی ترقی و استحکام اور غربت کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ:

أ۔ اندرون اور بیرون ملک تجارت کے فروغ کے لیے کاروباری لوگوں کو تمام ممکنہ مراعات اور تحفظ فراہم کیا جائے اور ان پر ناروا ٹیکس عائد کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ٹیکس کی زد بھی بالآخر صارفین پر ہی پڑتی ہے۔

ii۔ کاروباری معاملات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے لیے دیانتدار افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیوں کا ازالہ کرے۔ مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتکب افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

iii۔ ہر قسم کے معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعے بڑے صنعتکار تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سامان تعیش اور شرعی نقطہ نظر سے ناجائز اور حرام اشیاء کی تیاری اور درآمد پر پابندی عائد کی جائے۔

(۴) دولت کی منصفانہ تقسیم

معاشی ترقی واستحکام اور غربت کے خاتمہ کے لیے لازمی ہے کہ ملک میں وسائل رزق ودولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال ودولت خواہ کسی شکل میں ہو، اللہ کا پیدا کردہ اور دراصل اسی کی ملکیت ہے (۶۱) انسان کے پاس جو کچھ مال ودولت، زمین گھر بار اس میں اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خودمختار مالک کی۔ (۶۲) شریعت کہتی ہے کہ دولت کو کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود اور سمٹ کر نہیں رہ جانا چاہیے۔ (۶۳) بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی پہنچنی چاہیے جو پیدائش دولت کے عمل میں اگرچہ براہ راست تو حصہ نہیں لیتے۔ مگر دولت کے اصل مالک رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں (۶۴) ایسے افراد میں ماں باپ اولاد قریبی رشتہ دار یتیم محتاج فقراء ومساکین سائل مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔ (۶۵)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے شریعت مصطفویٰ ﷺ نے ایک طرف تو ان تمام راستوں مثلاً سود، اجارہ داری، جوا، استحصال، رشوت، غبن، دھوکہ، ملاوٹ، فراڈ وغیرہ کو مسدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک

مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے جیسا کہ بدقسمتی سے وطن عزیز میں ہو رہا ہے۔ دوسری طرف زکوٰۃ صدقات نفقات کفارات وصیت وراثت وقف ھبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیے ہیں جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

i۔ ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ۔ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود حرام اور اللہ ورسولؐ سے جنگ تو ہے ہی (٦٦) عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت ''ام الخبائث'' یا ایسا ''مردار'' ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا ''کنواں'' پاک نہیں ہوگا۔ موجودہ اضطراری حالات میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر مستقلاً اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی نہ شرعاً نہ قانوناً نہ اخلاقاً۔

ii۔ دوسرا کام نظام زکوٰۃ کا مؤثر بھرپور اور دیانتدارانہ نفاذ ہے لنگڑے لولے اور برائے نام نظام زکوٰۃ سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اس کو ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت، افلاس، تنگدستی اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج (یا اپریشن) ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''یہ زکوٰۃ اغنیاء سے وصولی کی جائے گی پھر اسی علاقے کے فقراء پر خرچ کی جائے گی۔'' (٦٧)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجہ معاشی تفاوت اور غربت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے موجودہ نظام زکوٰۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ

کسے نہ باشد درجہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است وبس

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

1. ابن حزم، المحلی جلد ۳ ص ۲۵۵ طبع مصر (تحت مسئلہ نمبر ۷۲۵)
2. مشکوۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص: ۴۵۰ طبع کراچی
2. (الف)۔ بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری: "اسلام کا معاشی نظام" ص ۱۷۹ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔
3. سورہ آل عمران: ۱۹
4. سورہ البقرہ: ۸۵۔۲۰۸
5. سورہ الشوریٰ: ۱۳، سورہ النساء: ۱۶۳۔۱۶۵
6. سورہ المائدہ: ۳
7. سورہ المائدہ: ۶۶۔ سورۃ الاعراف: ۹۶
8. سورہ الملک: ۱۵
9. (الف) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری: الجامع الصحیح ۱: ۳۰۱ طبع کلاں کراچی۔
(ب) محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۱۲۶۔۱۲۵ طبع بیروت۔
(ج) احمد عبدالرحمٰن البناء۔ الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ۲۰: ۱۹۴ طبع قاہرہ
(د) حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح بخاری ۴: ۱۹۴، طبع لاہور، ۱۹۸۱ء
(ھ) علی بن برہان الدین حلبی: سیرت حلبیہ ۱: ۲۱۵، طبع مصر
(و) بدرالدین عینی: عمدۃ القاری شرح بخاری، ۱۲: ۸۰ طبع بیروت
(ز) حافظ نورالدین ہیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۹: ۲۲۱ طبع قاہرہ
10. مشکوۃ المصابیح ص: ۲۴۱ صحیح بخاری (کتاب البیوع) ۱: ۲۷۸ طبع کلاں کراچی۔
11. صحیح بخاری (کتاب البیوع) ۱: ۲۸۷ (کتاب الزکوۃ) ۱: ۱۹۹
12. (الف) شمس الائمہ سرخسی: المبسوط ۳۰: ۲۳۵ طبع مصر
(ب) ابن حجر عسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ترجمہ حضرت سعد انصاری)
13. ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ ۲: ۲۶۶ (ترجمہ حضرت سعد انصاری) طبع طہران
14. سورۃ النساء: ۱۰۰
15. مشکوۃ ص ۱۶۳ (باب من لاتحل لہ المسئلۃ) طبع کلاں کراچی

١٦ سورہ الانعام، آخری آیت۔ سورۃ الزخرف: ۳۲
١٧ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲ ۴ طبع سعید کمپنی کراچی
١٨ مسلم شریف (کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ) ۱: ۳۲۷ طبع کلاں کراچی
١٩ صحیح مسلم (کتاب اللقطہ) ج ۲ ص ۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی
٢٠ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی "اسلام کا نظریہ ملکیت"، طبع اسلامک پبلیکشنز، لاہور ۱۹۶۸ء
٢١ ابن حزم "المحلی" ج ۳ ص ۴۵۴ مسئلہ ۷۲۵ طبع مصر
٢٢ شمائل ترمذی: باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ
٢٣ صحیح بخاری: ۱: ۱۸۷، طبع کلاں کراچی
٢٤ زغلول۔ موسوعۃ اطراف الحدیث (تحت انا)
٢٥ صحیح بخاری کتاب فی الاستقراض باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا۔ کتاب النفقات باب قول النبی من ترک دینا او ضیاعا فالی۔
٢٦ ڈاکٹر یوسف القرضاوی: مشکلات الفقر و کیف عالجھا الاسلام (اردو ترجمہ بنام اسلام اور معاشی تحفظ) ص ۶۳۔۶۴ طبع لاہور
٢٧ ایضاً
٢٨ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں کتب فقہ و حدیث متعلقہ ابواب
٢٩ (الف) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو): ۱: ۴۳۷ طبع اسلام آباد
" (ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبلؓ کی تقریر (فتوح الشام ازدی ص: ۱۰۵ کلکتہ)
٣٠ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶، طبع کلاں کراچی
(ب) صحیح مسلم: ۲: ۲۰۱ طبع کراچی
(ج) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳: طبع کراچی
(د) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان
٣١ ملاحظہ ہو: (الف) سیرت نبویہ لابن کثیر: ۴: ۷۱۳ طبع قاہرہ
(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۳۵۱۔۳۵۲ طبع مصر
(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزہد: ص: ۶۹ دار الفکر

(و) الماوردی: اعلام النبوہ: ۱۹۹ طبع ازھر، مصر

(ھ) ابن جوزی: کتاب الحدائق: ۲۹۷ بیروت

۳۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۴۴ طبع کراچی

۳۳ ملاحظہ ہو: (الف) صحیح بخاری: ۱: ص: ۴۴۷، طبع کراچی

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰ طبع کراچی

(ج) امام احمد: کتاب الزہد ص: ۹۷ دار الفکر

(د) مسند ابی یعلی: ۱: ۱۱۱۔۱۱۲

(ھ) بیہقی: دلائل النبوہ: ۱: ۳۳۵ بیروت، مکتبہ اثریہ لاہور

ابن سعد: الطبقات الکبری ۱: ۱۰۵ طبع بیروت

۳۴ مشکوۃ، باب فضل الفقراء ص: ۴۴۹

۳۵ سنن ابی داؤد (کتاب الادب) ۲: ۱۱۷ اصح المطابع کراچی

۳۶ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس) ۲: ۵۷۳

(الف) سنن ابی داؤد، ۲: ۵۵۷

۳۷ سورۃ النساء: ۵

۳۸ جصاص: احکام القرآن تحت آیت

۳۹ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی (باب الکسب و التجارۃ والحث علی طلب الرزق)

۴۰ المبسوط للسرخسی: ۲۲: ۲

۴۱ بخاری کتاب الزراعۃ

۴۲ سورۃ الکھف: ۳۲۔۳۳ سورۃ الواقعہ: ۶۳۔۶۴

۴۳ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸: ۵۸۶

۴۴ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری: ۱: ۳۱۴، طبع کلاں کراچی

(ب) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص: ۶۵۔۶۴ بیروت

(ج) المحلی لابن حزم: ۸: ۲۳۶ مسئلہ ۱۳۴۸ مصر

(د) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۷ طبع کلاں کراچی

(ھ) زیلعی نصب الرایہ (کتاب الغصب)

۴۵ دیکھیے: (الف) کتاب الخراج لیحیٰ ابن آدم ص: ۹۳ طبع بیروت

(ب) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱ طبع اسلام آباد

(ج) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۵ طبع کراچی

۴۶ بدائع الصنائع للکاسانی: ۶: ۱۹۴

۴۷ (الف) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۵ طبع کلاں کراچی

(ب) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱ اسلام آباد

(ج) یحیٰ ابن آدم، کتاب الخراج ص: ۹۳ بیروت

۴۸ سنن ابی داؤد: ۲: ۴۹۲ طبع کلاں کراچی

۴۹ بدائع الصنائع للکاسانی (کتاب الشرب) ج: ۶: ۴۵۲ (اردو ترجمہ)

۵۰ (الف) صحیح مسلم: ۲: ۱۸ طبع کلاں کراچی

(ب) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۵ طبع کلاں کراچی

(ب) سنن ابی داؤد: ۲: ۴۳۵ طبع کلاں کراچی

(ج) جامع ترمذی ص: ۲۰۴ طبع کلاں کراچی

(د) یحیٰ ابن آدم (کتاب الخراج ص: ۱۰۷ بیروت)

۵۱ طحاوی: شرح معانی الاثار: ۲: ۲۶۱ طبع دہلی۔

۵۲ سورۃ الحدید: ۲۵۔ سورۃ الاعراف ۳۶۔ سورۃ النحل: ۴۴۔ سورۃ سبا: ۱۱۔ ۱۰

۵۳ مشکوۃ ص: ۲۴۱ طبع کلاں کراچی

۵۴ امام غزالی۔ احیاء علوم الدین (باب فضل الکسب) ۲: ۶۳

۵۵ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (ابواب طلب الرزق) ج: ۲

۵۶ سورۃ الانفال: ۶۱

۵۷ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام: ۱: ۱۵۸

۵۸ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی عدد ۱۴۷ ص: ۶ شوال ۱۴۱۵ھ

۵۹ سورۃ جمعہ: ۱۵، سورۃ النساء: ۲۹، سورۃ فاطر ۱۲۱۔ سورۃ البقرہ: ۱۶۴۔ ۱۷۵۔ ۱۹۹

٦٠ (الف) سیرت حلبیہ:۱:۱۲۱تا۱۲۳طبع بیروت

(ب) طبقات ابن سعد:۱:۱۲۱طبع بیروت

٦١ سورۃ المؤمنون:۸۴،۸۵،۸۸۔سورۃ البقرۃ:۲۸۴۔سورۃ نور:۳۳

٦٢ سورۃ حدید:۷

(ب) تفسیر کبیر للرازی:۲۹:۲۱۶مصر

٦٣ سورۃ الحشر:۷

٦٤ سورۃ الذاریات:۱۹

٦٥ سورۃ البقرۃ:۸۳،۱۷۷،۲۱۵سورۃ التوبہ:۶۰

٦٦ سورہ البقرہ:۲۷۹

٦٧ صحیح بخاری (کتاب الزکوۃ)۱:۲۰۳

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ☆

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الرؤف الرحیم الکریم امابعد:

امت مسلمہ کی نااتفاقی، عملی اعتبار سے نظام اسلام سے دوری، تمام وسائل ہونے کے باوجود اقتصادی معاشی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے لحاظ سے پستی، اکثر اسلامی ممالک میں حکمرانوں کی عوام میں جڑیں اور خلافت کا جمہوری و شورائی نظام نہ ہونے کے باعث نفسیاتی کمزوری، مفاد پرستی، دینی بے حمیتی، ذاتی اقتدار کی خاطر بڑی طاقتوں کی کاسہ لیسی اور آلہ کار بننے کی پالیسی، غاصب اقوام کے ظلم و جبر کے خلاف ردعمل کے طور پر حریت پسندوں اور مجاہدین کی بعض اوقات بے محل کاروائیوں اور فدائی حملوں اور مسلمان نوجوانوں میں جذبہ جہاد کی بیداری جیسی وجوہات اور سب سے بڑھ کر استبدادی استعماری اور صیہونی قوتوں کے اسلام کے خلاف مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے مغربی میڈیا اور پریس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس وقت ''کلمة حق ارید بها الباطل'' کے مصداق دنیا میں نام نہاد امن قائم کرنے کے نام پر مسلمانوں کے خلاف ''مذہبی انتہا پسندی، رجعت پسندی، تشدد اور دہشت گردی'' جیسے یک طرفہ و بے بنیاد الزامات اور پروپیگنڈے کی مہم زور و شور سے شروع کر رکھی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑا المیہ اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ اکثر اسلامی حکومتوں نے ان من گھڑت الزامات کو بلا تحقیق اور بلا ادنیٰ غور و خوض اس طرح قبول کر لیا ہے اور اس طرح ''آمَنَّا وَصَدَّقْنَا'' کہا ہے کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا ہوگا۔

☆ یہ مقالہ قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۴ء/۱۴۲۵ھ کے لیے لکھا گیا۔ نیز ماہنامہ سوئے حجاز لاہور میں ستمبر تا نومبر ۲۰۰۴ء قسط وار شائع ہوا۔

بہرکیف آئندہ سطور میں زیر بحث عنوان کے حوالے سے پہلے ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذہبی انتہا پسندی ہے کیا؟ اس کی کون کون سی صورتیں شرعی اعتبار سے ممنوع اور ناپسندیدہ ہیں اور ان کا خاتمہ ضروری ہے اور کون سی صورتوں پر غلط اطلاق کیا جا رہا ہے۔ پھر ان تمام صورتوں میں تعلیمات وہدایات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کیا ہے؟

انتہا پسندی کا معنیٰ وسبب

''انتہا پسندی'' کا لفظ کوئی ایسا مغلق اور مشکل لفظ نہیں جس کی تحقیق کے لیے ہمیں لمبی چوڑی بحث اور لغت کی کتابیں کھنگالنے کی ضرورت پیش آئے۔ یہ لفظ عربی اور فارسی کے دو الفاظ سے مرکب ہے۔ اس کا لفظی ولغوی معنیٰ کسی چیز کی آخری حد اور اخیر کنارے کو انتخاب کر لینا اور چن لینا کے ہیں۔ اس حوالے سے مذہبی انتہا پسندی کا معنیٰ یہ ہوگا کہ مذہبی عقائد و اعمال اور مسائل جن کے متعدد پہلو ہوں یا جن کے بارے میں کئی اقوال و آراء ہوں تو ان میں سے اپنی پسند کے ایک ہی نقطہ نظر کو اپنا لینا اور دوسرے نقطہ نظر کو غلط سمجھنا یا مذہبی اعمال و احکام اور اوامر ونواہی کو ان کے اصل درجہ وشرعی حیثیت سے گھٹا دینا یا بڑھا دینا دوسرے لفظوں میں ان کے اندر افراط وتفریط سے کام لینا۔ یا مکلفین کی قوت واستعداد اور حالات کا لحاظ کیے بغیر سب پر یکساں حکم لگانا وغیرہ۔ یہی سوچ اور طرز عمل مذہبی انتہا پسندی کا بڑا سبب ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کی چند صورتیں

(۱) اپنا مذہب زبردستی منوانا

مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنا مذہب وعقیدہ بلا دلیل اور دوسرے آدمی کی دلی رضا ورغبت کے بغیر زبردستی اور دھونس سے اس پر ٹھونسا جائے۔ دوسرے لفظوں میں جبر واکراہ کے ذریعے دوسروں کو اپنے مذہبی افکار ونظریات اور عقائد کا قائل بنایا جائے۔ اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ میں اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی قطعاً گنجائش نہیں۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا بلکہ اس کا فلسفہ بھی بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں کیونکہ اسلام میں مذہب کا اولین اور بنیادی واہم ترین جزو ایمان ہے جبکہ ایمان یقین وتصدیق قلبی کا نام ہے(۱) اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا ایک حرف بھی نقش نہیں کر سکتی۔ عالم کی تمام قوتیں بھی اگر یہ چاہیں کہ جبر واکراہ سے کسی کے قلب کو مطمئن کر دیں تو ناممکن ہے۔ تیغ وتیر اور خنجر سے کوئی عقیدہ دل میں نہیں اتارا جا سکتا۔ اس لیے قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا:

"لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" (سورۃ البقرہ:۲۵۶)

دین (کے قبول کرنے) میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں (کیونکہ) ہدایت واضح ہو چکی ہے گمراہی سے۔

دوسری جگہ فرمایا:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" (سورۃ الکہف:۲۹)

اور (اے پیغمبر!) آپ اعلان کر دیں کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے۔ سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول مکرم ﷺ کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ یونس:۹۹)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو (اے پیغمبر!) کیا آپ لوگوں کو مجبور

کریں گے حتیٰ کہ وہ مومن بن جائیں۔

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے۔ اور اس کے لیے خود رسول محتشم ﷺ کی حیات طیبہ میں متعدد غزوات و سرایا کی مثال موجود ہے۔ جس سے مخالفین اور معاندین نے بزعم خویش یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائیاں صرف اس لیے لڑی گئیں کہ اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلایا جائے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر و غیرہ مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو اور نہ سیرت طیبہ سے کوئی ایسا واقعہ دکھایا جا سکتا ہے جس میں کسی کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو۔ بلکہ قرآن مجید میں تو حضور اکرم ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

> "اور اگر (لڑائی میں) مشرکین میں سے کوئی ایک آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (قرآن مجید) سن لے۔ پھر اس کو اپنے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ یہ قوم لاعلم ہے" (سورۃ توبہ:۶)

یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام الٰہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔ ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہو گا اس کی تبدیلی مذہب کا محرک تلوار نہیں بلکہ قرآن مجید کی حقانیت ہو گی۔

اسلامی جہاد (جسے آج مغربی میڈیا "دہشت گردی" قرار دے کر اصل حقائق اور اہل اسلام کے خلاف اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے) کا ایک مستقل اصول و ضابطہ اور مشہور قانون ہے کہ لڑائی سے قبل میدان جنگ میں برسرپیکار دشمن کے سامنے پہلے دو باتیں یا آپشن پیش کی جائیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو تو تم دین حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور اگر یہ بات منظور نہ ہو تو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو۔ اس صورت میں

تمہارے جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہماری ہوگی۔ اگر وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات قبول کرلیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پرمبنی ہے، اس کو دشمنان دین نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی۔ جبکہ رحمت عالم ﷺ کا دامن اس الزام بلکہ بہتان سے یکسر پاک ہے۔(۲)

(۲) دوسرے مذاہب کو برداشت نہ کرنا

مذہبی انتہا پسندی کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب وعقیدہ کو دیکھنے اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اسلام اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس نے دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو ان کے پسندیدہ مذہب کے عقائد و نظریات کے مطابق عبادت اور معاشرتی معاملات طے کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ مشترک اور مسلمہ امور کی بنیاد پر انہیں اتحاد کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

> "قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ......... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (سورۃ آل عمران: ۶۴)
>
> (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہمارے (مسلمانوں) اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ ٹھہرائے۔

پھر ایک مسلمان کی اپنے مذہب وعقیدہ اور اپنے معبود حق کے ساتھ محبت و

عقیدت اور جذباتی لگاؤ ایک فطری امر ہے۔اس جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بعید نہیں کہ کوئی آدمی محبت الٰہی اور تبلیغ اسلام کے جوش وجنون میں دوسرے مذاہب کے معبودان باطل اور ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کو دشنام طرازی کرنے لگے جس کے نتیجے میں معبودان باطل کے پیروکار معبود حقیقی کی شان میں زبان درازی کے مرتکب ہوں اور یوں فرقہ وارانہ و مذہبی فسادات کا دروازہ کھل جائے۔اس لیے سختی سے ہدایت فرمائی گئی:

> "وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ "(سورۃ الانعام:۱۰۸)
>
> اور (اے اہل ایمان) دشنام نہ دو ان معبودوں کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کفر وشرک کی) حد سے گزر کر از راہ جہالت اللہ (جل شانہ) کو گالیاں بکنے لگیں۔

علاوہ ازیں دوسرے مذہب کے انبیاء کے بارے یں ایک مسلمان کے لیے کیا عقیدہ، کیا سوچ اور کس طرح کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟اس حوالے سے سید سلیمان ندوی نے متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کا نقطہ نظر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

> "ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے۔ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ایک زردشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہوسکتا ہے۔اور وہ ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کے پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کسی پیغمبر کا

انکار کر سکے...... غرض کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت و حقانیت راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے"۔ (۳)

کتب الٰہی پر ایمان کی بحث میں سید موصوف لکھتے ہیں:

"یہود توراۃ کے سوا کچھ نہیں مانتے۔ عیسائی توراۃ کے احکام نہیں مانتے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں تاہم انجیل سے پہلے کی دسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، توراۃ، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کرے اور دوسری اگلی آسمانی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں تکذیب نہ کرے کہ ان کا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے"۔

پھر تھوڑا سا آگے چل کر نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول ﷺ کی اس تعلیم نے دنیا میں امن امان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کے لیے آمادہ کیا اور مجوسیوں صابیوں یہودیوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت کو پیدا کیا"۔ (۴)

نبی رحمت ﷺ نے غیر مسلم اقوام اور دیگر مذاہب کو کس خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور کس طرح مذہب وعقیدہ کی آزادی عنایت فرمائی۔ اس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہونے والے نبی رحمت ﷺ کے دو معاہدوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ، میثاق مدینہ اور اہل نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ معاہدہ۔ ان معاہدوں میں دیگر انسانی و معاشرتی حقوق پر مشتمل دفعات کے علاوہ ان کے ساتھ جس مذہبی رواداری کا شاندار مظاہر کیا گیا اس کی نظیر پوری مذہبی تاریخ اور خود یہودیت و عیسائیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ معاہدے مختلف عقائد، مذاہب، قبائل اور جماعتی وابستگی رکھنے والوں کو اعلیٰ انسانی مقاصد کی خاطر ایک نظام میں متحد کر دینے کی بے نظیر مثالیں ہیں۔ چنانچہ میثاق مدینہ میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کے حوالے سے درج ذیل دفعات قابل ذکر ہیں:

☆ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

☆ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ (۵)

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس معاہدہ کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی“۔ (۶)

اسی طرح نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نبی رحمت ﷺ نے جو تاریخی معاہدہ فرمایا اور اس میں ان کو جو مذہبی آزادی اور حقوق عنایت فرمائے، اس کی نظیر بھی مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس معاہدہ کی درج ذیل دفعات قابل ملاحظہ ہیں:

☆ نجران اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے پوری پوری ذمہ داری ہے۔

☆ ان کے خون ان کے مال ان کی ملت ان کے گرجے ان کے مذہبی رہنما ان کے پادری اور ان کے موجودہ غائب کے حقوق کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

☆ اسی طرح ہمیں یہ حق نہ ہوگا کہ ہم ان کے کسی پادری بشپ یا مذہبی رہنما کو تبدیل کریں۔ نہ ہی انہیں جنگی مہمات کے لیے جمع کیا جائے گا۔(۷)

البتہ مذہب ورائے کی اس آزادی اور برداشت کی کچھ حدود متعین ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں ان حدود کو توڑتے ہوئے اللہ ورسول ﷺ اور شعائر اللہ کی توہین کا مرتکب ہوگا اور اسلام دشمنی سے باز نہیں آئے گا تو کعب بن اشرف اور چند دوسرے معاندین کی طرح اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ غیر مسلم ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے ان حدود کو توڑا اور اسلام دشمنی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر سارے اہل مکہ کی معافی کے باوجود چند شیاطین اور گستاخوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے برعکس آج کشمیر فلسطین عراق افغانستان وغیرہ کے مسلم علاقوں میں حریت پسندوں اور مجاہدین اسلام کی اپنے اپنے ملک ووطن پر ناجائز قبضہ اور استبدادی قوتوں کی طرف سے ان کے جائز وعام انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف جدوجہد آزادی اور احتجاجی تحریک پر آج جس طرح مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے الزامات لگائے جا رہے اور جملہ مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے اور یہود ونصاریٰ اور دیگر استعماری طاقتوں کے حد درجہ مظالم اور ان کی مذہبی انتہا پسندی سے جس طرح چشم پوشی کی جا رہی اور ان کے ہولناک مظالم پر پردہ ڈالا جا رہا ہے، اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

• مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی تاریخ دوسرے مذاہب پر ظلم وستم، قتل و غارت، بربریت، سفاکیت اور چنگیزیت کی ہولناک داستانوں سے بھری پڑی ہے(۸) اور آج بھی کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے نہتے اور بے قصور مسلمانوں پر لاکھوں کروڑوں لوگوں کے احتجاج کے باوجود ظلم و بربریت کی جو داستانیں رقم کی جا رہی ہیں، وہ دنیا سے مخفی نہیں۔

(۳) دین میں غلو

مذہبی انتہا پسندی کی ایک خطرناک اور مہلک صورت دین میں ''غلو'' سے کام لینا ہے۔ ''غلو'' کا معنی ہے ''حد سے تجاوز کرنا'' (۹) اور دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھ جائیں مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ ان کو خلق خدا میں سب سے افضل جانے۔ اس حد سے آگے بڑھ کر انہیں کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دینا اعتقادی غلو ہے۔(۱۰)

قرآن وحدیث میں اس قسم کی ''مذہبی انتہا پسندی'' یا ''غلو فی الدین'' سے بھی سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

''یٰاَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِی دِیْنِکُمْ'' (سورۃ النساء:۱۷۱)

اے اہل کتاب دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِی دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِ''

(سورۃ المائدہ:۷۷)

(اے پیغمبر!) فرما دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہر کرتے ہوئے معصوم

بناڈالا اوران کو بھی حرام وحلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

(سورۃ التوبہ:۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔

یہ رب بنانا حدیث کے مطابق ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔(۱۱)

اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع فرمایا گیا ہے:

نبی اکرم ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے خدشہ کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا:

''لاتطرونی کمااطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبداللہ ورسولہ''(۱۲)

تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھا دینا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

ایک دوسری حدیث میں غلو فی الدین سے بچنے کی یوں تاکید فرمائی:

''ایاکم والغلوفی الدین فانما ھلک من کان قبلکم بالغلوفی الدین''(۱۳)

دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کے باعث ہی ہلاک ہوئیں۔

لیکن افسوس اس تنبیہ کے باوجود بھی امت محمدیہ کے بعض لوگ اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکے جس میں عیسائی مبتلا ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر اور صالح بندوں کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا۔ اسی طرح فقہاء مجتہدین کی تقلید کے مشروع معا... بھی بعض غالی قسم کے مقلدین حد سے گزر گئے اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی اقوال و آراء کو

خود ائمہ مجتہدین کی ہدایات (۱۴) کے برعکس حرف آخر اور پتھر کی لکیر ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھنے لگے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقلید کے معاملے میں اس قسم کے غلو کا شکوہ وکرب متعدد مقامات پر ظاہر کیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (۱۵)

چنانچہ ایک فقیہ نے تو یہ کہہ کر غلو کی حد کردی کہ:

"ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو، وہ ماؤل یا منسوخ ہے"۔ (۱۶)

اسی طرح کے غلو کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

"سماع (قوالی) کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں منعقدہ ایک مذاکرہ میں معروف چشتی صوفی خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں جب ایک حدیث نبوی ﷺ بیان کرنا چاہی تو مقابل علماء احناف نے یہ کہہ کر سننے سے انکار کردیا کہ ہمارے ملک میں فقہی روایات احادیث پر مقدم ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان احادیث کو نہیں سننا چاہتے کیونکہ ان سے امام شافعیؒ نے تمسک کیا ہے اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں"۔ (۱۷)

المختصر تعلیمات نبوی ﷺ میں اس قسم کے غلو کی قطعاً گنجائش نہیں۔

(۴) عبادات وتکالیف شرعیہ میں تشدد وتعمق

تمام عبادات اور تکالیف شرعیہ میں تخفیف، آسانی، عدم حرج اور بقدر استطاعت تکلیف کی رعایت شریعت اسلامیہ کا اصل الاصول اور ایک امتیازی خصوصیت ہے (۱۸) یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے عمال حکومت اور دیگر صحابہؓ کو متعدد مواقع پر احکام شریعت کے نفاذ میں عوام الناس کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا اور دشواریاں پیدا کرنے سے منع فرمایا۔ (۱۹)

اس کے باوجود عبادات اور دیگر دینی معاملات میں تشدد اور تعمق کو اختیار کرنا بھی مذہبی انتہاپسندی کی ایک صورت ہے۔ تشدد فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کے دو پہلو ہوں ایک آسان اور دوسرا اس کی نسبت مشکل۔ اب ایک جذباتی آدمی اگر ہمیشہ مشکل پہلو اختیار کرتا ہے تو یہ "تشدد فی الدین" ہے اور تعمق کے معنی ہیں کسی معاملے میں بہت گہرا چلا جانا اور تعمق فی الدین کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی آدمی ضرورت سے زیادہ متقی بننے کی کوشش کرے اور اس معاملے کو خواہ مخواہ مشکل بنا دے۔ مذہبی و دینی انتہاپسندی کی یہ شکل بھی راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہے اور شرعی اعتبار سے ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ کیونکہ یہ طرز عمل نبی رحمت ﷺ کے ذاتی طرز عمل اور آپ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔ چنانچہ محدثین نے آپ کا یہ عام معمول نقل کیا ہے کہ

"ماخیر رسول اللہ ﷺ فی امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثمافان کان اثما کان ابعد الناس منہ"(۲۰)

رسول مقبول ﷺ کو جب بھی دو معاملات میں اختیار دیا گیا (کہ ان میں سے ایک کو اختیار فرمالیں) تو آپؐ نے ہمیشہ ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوتا۔ پھر اگر آسان معاملہ بھی گناہ کا ہوتا تو آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے ہوتے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من ابتلی ببلیتین فعلیہ ان یختار اھونھما"(۲۱)

جو آدمی دو آزمائشوں، مصیبتوں سے آزمایا جائے اس پر لازم ہے کہ ان میں سے آسان، ہلکی کو اختیار کرے۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه فسددوا وقاربوا وبشروا" (۲۲)

بے شک دین سراسر آسان ہے اور کوئی آدمی دین کے آسان حکم کو چھوڑ کر مشکل حکم اختیار کر کے دین کا مقابلہ کرنا چاہے گا تو دین بہر صورت اس پر غالب آ جائے گا۔ لہٰذا راہ راست اختیار کرو۔ دین میں تشدد چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو اور رحمت خداوندی سے بشارت حاصل کرو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ نے عبادت کے جوش میں جب اس قسم کے تشدد فی العبادت کا ارتکاب کیا تو آپ ؐ نے سختی سے منع فرما دیا مثلاً:

۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے متعلق نماز میں لمبی قراۃ کی وجہ سے لوگوں کے لیے دشواری پیدا کرنے کی شکایت ہوئی تو آپ ﷺ نے۔ حضرت معاذ سے باز پرس کرتے ہوئے فرمایا "اَفَتَّانٌ اَنْتَ" (کیا تم دین میں فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو) پھر انہیں اور ہر امام کو مختصر نماز پڑھانے کی ہدایت فرمائی۔ (۲۳)

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے ذاتی طرز عمل کے خلاف جب ایک صحابی نے یہ عہد کیا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزہ رکھوں گا۔ اور تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا تو یہ سن کر آپ ﷺ نے ان معاملات میں اپنے اعتدال پسندانہ طرز عمل کو واضح کرتے ہوئے فرمایا "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي" (جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں) (۲۴)۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے لگاتار روزانہ روزہ رکھنے کے مطالبے بلکہ اصرار کے باوجود انہیں "صوم داؤد" سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت نہ دی۔ (۲۵)

۴۔ صحابہ نے آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی صوم وصال رکھنے شروع کر دیئے تو منع فرما دیا۔ (۲۶)

۵۔ عبادت کے لیے بندھی سیدہ زینب کی رسی کھلوا دی (۲۷) وغیرہ وغیرہ۔

اِسی طرح شرعی معاملات واحکام میں احکام کی درجہ بندی (فرض واجب سنت مستحب مباح حرام مکروہ اولی عدم اولی وغیرہ) کا لحاظ نہ کرتے ہوئے کسی مستحب ومباح یا سنت چیز کو فرض وواجب کا درجہ دینا اور مکروہ یا عدم اولی کو حرام کے درجے میں تصور کرنا بھی ناجائز، ایک قسم کی انتہاپسندی اور دین میں تنگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

(۵) اجتہادی وفروعی مسائل میں تعصب وتکفیر بازی

شریعت کے وہ احکام جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں۔ جن پر دین اور ایمان کا دارومدار نہیں اور ان کے بارے میں شارع علیہ السلام سے ایک سے زیادہ اور بظاہر متعارض ارشادات منقول ہیں یا قرآن وسنت میں ان کی تعبیر کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کے احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس و رائے پر رکھی گئی ہو یا پیش آمدہ ایسے جدید مسائل جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے شرعی حکم میں فقہاء ومجتہدین کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر اور بیدار مغزی کی علامت ہے۔ایسا اختلاف شریعت کی نگاہ میں مذموم اور خلاف شریعت نہیں بلکہ محمود ہے۔

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر معروف اصولی فقیہ امام شاطبیؒ نے الموافقات جلد چہارم کتاب الاجتہاد کے ''تیسرے مسئلہ'' میں تفصیلی بحث کی ہے اور پھر شاہ ولی اللہ محدیث دہلویؒ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس اجتہادی اختلاف کے ''منشاء الٰہی'' اور ''مرضی رسول ﷺ'' ہونے کے ثبوت میں اپنے ''مقدمہ تدوین فقہ'' میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے قریب بڑی مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور درج بالا قسم کے احکام میں صحابہ کرامؓ کے درمیان نبی رحمت ﷺ کی زندگی میں بھی اختلاف ہوا جس کی آنجنابؐ نے تائید فرمائی۔(۲۸) اور آپ کے وصال کے بعد بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد، جیش اسامہ کی روانگی، سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم، یزید کے

خلاف مسئلہ خروج جیسے مسائل کے پہلو بہ پہلو، وضو طہارت عبادات اور معاملات کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلافات سامنے آئے اور قائم رہے۔ (۲۹)

صحابہ کرامؓ کے یہی اختلافات آگے چل کر تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب و مسالک کی تشکیل کا سب سے بڑا سبب بنے۔ (۳۰) پھر صحابہ وائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف اور فقہی مذاہب و مسالک کی تشکیل، فقہ و اجتہاد کے فروغ، اجتہادی بصیرت اور فکر و نظر کی جلاء، علماء میں استنباط و استخراج احکام کے ملکہ میں ترقی اور سب سے بڑھ کر امت کے لیے وسعت، آسانی، رحمت اور شریعت پر عمل درآمد کے لیے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ (۳۱)

ان اجتہاد و فروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب و مسالک سے تعلق کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضحیک تذلیل دشنام طرازی باہمی مخالفت اور بغض و عناد۔ دوسرے مسالک کی تفسیق، تکفیر، مشرک اور بدعتی کی پھبتی حتی کہ "کافر کافر" اور "من شک فی کفرہ فقد کفر" کا فتویٰ بھی مذہبی انتہاپسندی کی ایک گھناؤنی صورت ہے۔ جس نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے، اسے ہر حوالے سے کمزور کرنے اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنان دین کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور خطرناک منصوبوں کی تکمیل میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس قسم کے متعصب تشدد پسند اور انتہاپسند لوگوں کا درج بالا قسم کا نفرت انگیز رویہ نہ تو ان کے اپنے مسلک کی کوئی خدمت ہے اور نہ اسلام کی۔

دوسرے یہ طرز عمل صحابہ کرامؓ اور خود فقہی مسالک کے بانی ائمہ مجتہدین (جن کی طرف منسوب ہونے کا فخر سے دعویٰ کیا جاتا ہے) کی تعلیمات اور ان کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ یہ ائمہ مجتہدین اور ان کے براہ راست شاگرد متعدد مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف، خلوص و محبت، تعظیم و تکریم اور باہمی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ (۳۲)

تیسرے ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف بقول علامہ زاہد الکوثری صرف ایک تہائی مسائل میں ہے جبکہ دو تہائی مسائل میں اتفاق ہے اور جس ایک تہائی میں اختلاف ہے وہ بھی جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ صرف اولیٰ و عدم اولیٰ کا اور اس حد تک ہے کہ ''احوط و ایسر'' اور ''افضل و بہتر'' کیا ہے؟ (۳۳)

چوتھے یہ مسالک اصولی و بنیادی طور پر بھی ایک ہیں (۳۴) اور شاہ ولی اللہؒ کے ایک کشف کے مطابق باطنی و روحانی طور پر بھی یکساں ہیں اور کسی کو دوسرے پر شرعاً کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ (۳۵)

پانچویں یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔ (۳۶)

ان ساری چیزوں کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش اور مفاد پرست لوگ پہلے بھی مسلکی اختلافات میں تعصب و غلو کا شکار ہوتے رہے۔ مثلاً ایک حنفی متشدد نے کہا:

''فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قبول ابی حنیفة'' (۳۷)

(اس آدمی پر ریت کے ذرات کے برابر ہمارے رب کی لعنت ہو جس نے امام ابوحنیفہؒ کے کسی قول کو رد کیا۔)

اسی طرح ایک شافعی مقلد گویا ہوئے:

''جب امام شافعیؒ سے کسی مسئلے میں دو قول منقول ہوں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے بعد کا قول کونسا ہے؟ تو وہ قول جو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مخالف ہو، وہ اس قول سے زیادہ راجح ہے، جو امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہو''۔ (۳۸)

علیٰ ہذا القیاس بعض غالی قسم کے غیر مقلدین نے قرآن وسنت کی واضح نصوص اور صحابہ و جمہور مسلمانوں کے تعامل کے برخلاف تقلید کو "حرام" اور تقلید کرنے والے مسلمان کو "چوپائے کے برابر" قرار دیا۔(۳۹) اور آج بھی اس قسم کے جذباتی نادان اور کم علم لوگ دوسرے مسالک کی مساجد پر قبضہ کر کے محراب و منبر کو اپنے فرقہ وارانہ نظریات کے پرچار کا ذریعہ اور دوسرے مسالک کی مساجد امام بارگاہوں اور عبادت گاہوں میں تخریب کاری کے ذریعے نمازیوں کو شہید کر کے اپنے مسلکی تعصب وتشدد اور غلو کا مظاہرہ اور بغض عناد کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں۔

آج کل ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی اسی مسلکی تعصب کا شاخسانہ ہے جبکہ صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور خیر القرون کے لوگوں کو مسائل میں ہزار باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہ تھا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براكان اوفاجرا"(۴۰)

ہر مسلمان خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔

ایک روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"صلوا خلف كل من قال لااله الاالله وفى رواية خلف كل بر وفاجر"(۴۱)

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح مسالک کی بنیاد پر مساجد کی تفریق وتقسیم حتیٰ کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو اپنی مسجد میں داخل نہ ہونے دینا بھی انتہائی درجے کا تعصب ہے۔ جبکہ نبی رحمت ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد نبوی کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ نے سورۃ التوبہ کی آیت "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ الخ" کے تحت لکھا ہے کہ:

"ولم یکن اھل الذمۃ ممنوعین من ھذہ المواضع"

(ان مواضع یعنی مساجد میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے)

اور اس رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیان کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔ (۴۲)

مذہبی انتہا پسندی کا غلط اطلاق

(۱) اصولوں پر استقامت اور دینی حمیت

اسلامی اصولوں پر مضبوطی اور پوری ہمت و جرءت سے قائم رہنا، کسی بھی قیمت پر اصولوں سے پیچھے نہ ہٹنا اور سودے بازی نہ کرنا، باطل طاغوت ظلم و ناانصافی اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور کفر کے سامنے اپنی دینی حمیت و غیرت کا مظاہرہ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت محمدیہ کا مطلوب ایک مؤمن کے شایان شان اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی ہے۔ اس معاملے میں لچک دکھانا، مصلحتوں کو دیکھنا، پسپائی اختیار کرنا، ذاتی مفادات کو مدنظر رکھنا، ڈر کے مارے ظالم کے سامنے کندھا پیش کر دینا اور نام نہاد دہشت گردی اور فرضی دہشت گردوں کے خلاف کارائی کے نام پر غریب ممالک پر کھلم کھلا ظلم و بربریت میں طاغوتی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا رواداری اور روشن خیالی نہیں بلکہ دینی بے حمیتی بزدلی اور جرم ضعیفی ہے۔ جس سے متنبہ کرتے ہوئے شاعر مشرقؒ نے برسوں پہلے بتایا تھا۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
کہ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اللہ کریم نے تعریفی و توصیفی انداز میں اصحاب رسول ﷺ کا یہ امتیازی وصف بتایا ہے کہ:

"وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ" (سورہ الفتح:۲۹)

اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت ہیں۔

کفار پر اصحاب محمد ﷺ کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تند خوئی سے پیش آتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی اصول کی مضبوطی سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ لیں، وہ نرم چارہ نہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ انہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جا سکتا۔ انہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جا سکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں اس مقصد عظیم سے ہٹا دیں جس کے لیے وہ سر دھڑ کی آواز لگا کر محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے اٹھے ہیں۔ (۴۳)

ایک دوسری آیت میں اللہ کریم نے اہل ارتداد کے مقابلے میں اپنے پسندیدہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ وصف بیان فرمایا کہ:

"اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" (سورۃ المائدہ:۵۴)

(ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں گے)

اس آیت کی تفسیر میں ابوالاعلیٰ سید مودودی نے لکھا ہے:

"مؤمنوں پر نرم" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے، اس کی ذہانت، اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا اثر و رسوخ، اس کا مال، اس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو رحم دل ہمدرد اور حلیم انسان پائیں۔

"کفار پر سخت" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مؤمن آدمی اپنے ایمان کی پختگی، دینداری کے خلوص، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کہ کسی طرح اپنے مقام سے ہٹایا نہ

جا سکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ پائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے ان پر ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔ (۴۴)

علاوہ ازیں قرآن مجید میں درج انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں امت مسلمہ کے لیے عبرت و نصیحت کا جہاں اور بہت سارا سامان ہے وہاں کفر و شرک اور باطل و طاغوت کے سامنے ڈٹ جانے اور پتھر کی چٹان کی طرح کھڑے ہو جانے کا بھی سبق ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اولوالعزمی اور استقامت سے عبارت ہیں۔ ساری قوم ساری طاقتیں پورا معاشرہ اور حکومت ایک طرف ہوتی ہے اور پیغمبر میدان حق میں اکیلا کھڑا ہوتا ہے مگر اس کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہیں آتی۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام باطل کے سامنے پورے قد سے کھڑے ہو کر بانگ دہل اعلان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو (ہوا کرے) میرا خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ سو تم اپنی تدابیر (جو کچھ کر سکو) مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو۔ پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونا چاہیے (یعنی جو کچھ تدبیر کرو کھل کر کرو۔ میرا لحاظ نہ کرو) پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو (ذرا) مہلت نہ دو (حاصل یہ کہ میں تمہاری ان باتوں سے نہ ڈرتا ہوں اور نہ تبلیغ سے رک سکتا ہوں) (سورہ یونس: ۷۱)

اسی طرح سورہ ہود کی آیت نمبر ۵۴۔۵۵ میں حضرت ہود علیہ السلام کا مخالف قوم کے سامنے اسی طرح کا دوٹوک اعلان بھی ایمان تازہ کر دینے والا ہے۔

اور پھر سلسلہ نبوت کی سب سے آخری اور زریں و نورانی کڑی سیدنا محمد مصطفیٰ

احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے باطل اور مخالفتوں واذیتوں کے ایک سیلاب کے مقابلہ میں جس استقامت اور پامردی کا مظاہرہ فرمایا اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے کبھی پہلے دیکھی تھی اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گی۔ مکہ مکرمہ بلکہ پورے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ بے یار ومددگار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم نبوی ﷺ سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفین کی تمام قوت بالآخر اس کے سامنے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کونسا ایسا خوف ہے جس کے ذریعے آپ ﷺ کو ڈرایا نہیں گیا؟ کونسی ایسی اذیت ہے جو آپ ﷺ کو نہیں پہنچائی گئی؟ تذلیل وتحقیر کی کونسی ایسی صورت ہے جس سے اس معصوم اور ''بعد از خدا بزرگ توئی'' ذات ﷺ کو واسطہ نہیں پڑا؟ وہ کونسا حربہ ہے جو آنجناب ﷺ کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے استعمال نہیں گیا گیا؟ کونسا ایسا کیچڑ ہے جو آپ ﷺ پر اچھالا نہیں گیا؟ اور کونسی طاقت ہے جو آپ ﷺ کے لیے استعمال نہیں کی گئی۔ لیکن دنیا گواہ ہے کہ آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ غزوہ حنین میں تیروں کی بوچھاڑ کے دوران جب بعض مجاہدین اسلام کے قدم اکھڑ گئے تھے تو آپ نے اس ہولناک اور مرعوب کن وقت میں بھی پوری جرءت واستقلال سے اعلان فرمایا۔

''انا النبی لا کذب انا عبدالمطلب'' (۴۵)

(میں پیغمبر صادق ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یعنی کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا)

ایک آدمی جب ایمان واسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لیے آخر ایمانی غیرت و وقار کو قائم رکھنا اور دینی حمیت وخودداری کا مظاہرہ کرنا بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ جب کوئی فاتح یا طاقتور یہ کہے کہ: ''ہبل جیت گیا اور (العیاذ باللہ) محمد کا خدا ہار گیا'' تو اس وقت ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس گستاخی کا جواب دیا جائے۔ (۴۶)

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان طے پانے والی شراط پر حضرت عمرؓ جس پریشانی کا مظاہر فرما رہے تھے یا ان شرائط پر اعتراض کرنے کی جو انہیں جرءت ہوئی تھی تو اسی ایمانی غیرت کا جذبہ ان کے اندر کام کر رہا تھا۔ ورنہ پیغمبر کے کسی کام پر اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ (۴۷)

المختصر اصولوں پر سودے بازی نہ کرنا باطل و طاغوت اور استبداد و ظلم کے خلاف ڈٹ جانا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا راز اور ایمانی غیرت و حمیت کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذلت یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام، مال و دولت، حکومت و اقتدار اور اہل و عیال کی محبت میں گرفتار ہو کر حفاظت حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) ظلم کے خلاف جدوجہد

ظلم کے خلاف اور اپنی مذہبی آزادی و خود مختاری اور جائز انسانی حقوق کے لیے جدوجہد کرنا اور ظالم و غاصب قوتوں کے خلاف جنگ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

> ترجمہ: ”جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے“۔
>
> (سورۃ الحج: ۳۹۔۴۰)

بعض مفسرین (۴۸) کے نزدیک یہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو تلوار اٹھانے اور جنگ و قتال کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس میں قابل توجہ یہ نکتہ

ہے کہ جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، وسائل معیشت ہیں یا وہ تجارت کی ایک منڈی ہیں یا وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں بلکہ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو پروردگار کہنے پر اہل اسلام کو تکلیفیں پہنچاتے اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اپنی مدافعت میں جنگ ہی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس طرح کے دوسرے مظلوموں کی اعانت و حمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور و بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنجہ سے آزاد کراؤ۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

> ترجمہ: اور (اے اہل ایمان) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکالنے کا کوئی انتظام فرما جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفا کار ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنی طرف سے کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما" (سورۃ النساء:۷۵)

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کی اجازت دی گئی، یہ آیت ہے:

> ترجمہ: "اور (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور احد سے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور ان کو مارو جہاں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے"۔
> (سورۃ البقرہ:۱۹۰۔۱۹۱)

درج بالا سورۃ الحج اور سورۃ البقرہ کی آیات قتال سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں:

۱۔ جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو ان کے لیے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے:

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں۔ ان کے حقوق سلب کریں اور انہیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کیساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیے۔

۳۔ جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اور انہیں محض اس لیے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کے لیے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

۴۔ دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دے یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹا دے، اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو انہیں ان تمام مقامات سے دشمن کو نکال دینا چاہیے جہاں سے اس نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔ (۴۹)

درج بالا آیات اور ان سے مستنبط ہونے والے احکام سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور دیگر مقبوضہ اسلامی علاقوں میں حریت پسند اور مجاہدین اپنے جائز ملکیتی علاقوں کی آزادی و خود مختاری، وہاں سے غاصب و ظالم غیر ملکی افواج کے اخراج اور اپنی ذاتی و مذہبی آزادی کے لیے اپنے دستیاب وسائل کے اندر جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس پر دہشت گردی یا مذہبی انتہا پسند کا لیبل چسپاں کرنا ہر اعتبار سے غلط ہے اور صریحاً ناانصافی ہے۔ اقوام متحدہ جیسا ادارہ ان کو آزادی دلانے میں بے بس ہے۔ تمام اسلامی ممالک نے ان پر ہونے والے مظالم پر آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور کوئی ملک ان کے حق میں آواز اٹھانے کے لیے تیار نہیں تو وہ بے چارے فدائی حملے کر کے احتجاج نہ کریں تو کیا کریں؟

خلاصۂ بحث

درج بالا بحث اور ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اپنا مذہب وعقیدہ اور نظریات زبردستی دوسروں سے منوانا مذہبی انتہا پسندی ہے۔ جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔

۲۔ دوسرے مذاہب وعقائد اور ان کے پیروکاروں کو برداشت نہ کرنا اور اپنے مذاہب کے مطابق ان کو جینے اور عبادات کرنے کا حق نہ دینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے۔ جو تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کے بالکل برعکس ہے۔

۳۔ شریعت کے غیر اساسی احکام، اجتہادی وفروعی مسائل اور مختلف فقہی مذاہب و مسائل میں صرف اپنے ہی مسلک اور اپنی ہی نقطہ نظر کو حق وصواب سمجھ کر دوسرے مسلک اور نقطۂ ہائے نظر کی تغلیط بلکہ تفسیق وتکفیر ان کے حاملین کی تذلیل وتحقیر اور کافر مشرک اور بدعتی کے فتوے اور دوسرے مسالک کی مساجد و عبادت گاہوں میں تخریب کاری اور قبضہ کی کوشش بھی مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتی ہے جو تعلیمات نبوی ﷺ اور خود نبی رحمت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین کے اسوہ کے خلاف ہے۔

۴۔ مذہبی عبادات، احکام اور اوامر ونواہی میں غلو سے کام لینا اور ان کے حکم میں افراط وتفریط سے کام لینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے۔

۵۔ باطل اور ظلم وعدوان کے خلاف ڈٹ جانا، ثابت قدم رہنا، دینی حمیت کا مظاہرہ کرنا، کسی قسم کی سودے بازی پر تیار نہ ہونا اور ظالم کے ساتھ تعاون نہ کرنا مذہبی انتہا پسند نہیں بلکہ تعلیمات نبویہ کا مطلوب، مؤمن کی امتیازی شان اور دنیا میں عزت ووقار سے جینے کا راز ہے۔

۶۔ ظالم وغاصب قوتوں کے خلاف اپنے ملک کی آزادی، خودمختاری، مذہبی آزادی

وذاتی حقوق کے حصول کے لیے مقدور بھر جدوجہد کرنا بھی مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔

تجاویز:

آخر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمہ کے۔لیے درج ذیل تجاویز پر عمل درآمد کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے:

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب جس کے باعث انتہا پسندی کی کئی شکلیں جنم لیتی ہیں (جن کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا) اور جسے ''ام الاسباب'' بھی قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کم علمی، کم فہمی، ناقص العلمی، دینی بے بصیرتی اور فقہی مسائل میں گہرائی گیرائی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا نہ ہونا ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں مذہبی انتہا پسندی، مذہبی تعصب وتنافر اور عقائد واعمال اور عبادات ومعاملات میں غلو کے واقعات میں زیادہ تر ہاتھ اسی کم علمی اور ناقص العلمی کا ہے۔لہٰذا دینی مدارس کو اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہاں سے علوم دینیہ خصوصاً قرآن وحدیث اور فقہ واجتہاد میں گہری بصیرت اور رسوخ کے حامل علماء پیدا ہوں۔

۲۔ ملک بھر کی مساجد انتظامیہ کو ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور مقامی نمائندوں کی معرفت اس بات کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے کہ ائمہ وخطباء کے تقرر میں باقاعدہ فارغ التحصیل اور قرآن وحدیث اور فقہی مسائل پر نظر رکھنے والے علماء کا تقرر کتنا ضروری ہے۔

۳۔ مذہبی محافل اور تقاریب میں مذہبی تنفر پھیلانے والے قصہ خواں واعظوں، شعلہ بیان مقررین اور پیشہ ور نعت خوانوں کو بلانے اور ان پر نوٹ نچھاور کرنے کی بجائے محقق اہل علم کو بلانے، ان کی علمی وتحقیقی گفتگو سننے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرنے کا سامعین کو عادی بنایا جائے۔

۴۔ سیاسی مفادات کے لیے فرقہ وارانہ تنظیموں اور انکے قائدین کی سرکاری سطح پر عزت افزائی اور پروٹوکول کا سلسلہ بند کیا جائے اور مختلف حکومتی حیلوں سے انہیں نوازنے کا سلسلہ روکا جائے۔

۵۔ مساجد میں اذان اور عربی خطبہ کے علاوہ سپیکر کے استعمال پر پابندی کے قانون کو مؤثر بنایا جائے اور خلاف ورزی کرنے والے خطیبوں اور واعظوں کو قرار واقعہ سزا دی جائے۔

۶۔ مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے علماء ومشائخ اپنے اپنے معتدین ومریدین کو دوسرے مسالک کے علماء کے بارے میں تقریر وتحریر کے اندر ناشائستہ، بازاری اور توہین آمیز زبان استعمال کرنے سے سختی سے روکیں اور ایسے غالی قسم کے معتقدین سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔

۷۔ حکومت کی طرف سے مذہبی مسائل ومعاملات اور مذہبی مدارس میں بے جا مداخلت بھی مذہبی انتہا پسندی کا ذریعہ بنتی ہے۔لہٰذا اس سے بھی گریز ضروری ہے۔

۸۔ مذہبی انتہا پسندی کا ایک داعیہ اسلامی حکومتوں کا طاغوتی اور ظالم وغاصب طاقتوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں چڑھانا اور ظلم وستم میں ہر ممکن تعاون کرنا بھی ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی حکومتیں اپنی اس بزدلانہ اور مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کریں۔

۹۔ ریڈیو۔ٹی وی پر ''رحماء بینھم '' کے عنوان سے ایک پروگرام کا اجراء بھی بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔جس میں صحابہؓ، ائمہ مجتہدین اور پچھلی صدیوں کے مختلف مسالک کے علماء اور مختلف سلاسل طریقت کے صوفیاء کے باہمی احترام وتکریم کے واقعات بتائے جائیں۔

۱۰۔ مساجد کے نام کے ساتھ کسی مسلک کا نام لکھے جانے پر پابندی لگائی جائے۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

☆...☆

حوالہ جات وحواشی

۱ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (کتاب الایمان۔ حواشی) طبع کلاں کراچی ج ۱ ص ۵

۲ مزید تفصیل اور دلائل کے لیے دیکھئے:

(الف) صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ''کتاب الجہاد والسیر''

(ب) ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی الاسلام (باب چہارم بعنوان اشاعت اسلام اور تلوار) اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۱ء ص ۱۵۳ تا ۱۷۵

۳ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی: الفیصل اردو بازار، ۱۹۹۱ء ۴: ۳۱۱

۴ ایضاً ص ۳۲۰۔۳۲۱

۵ ایضاً ج ۱ ص ۱۸۴

۶ محمد حسین ہیکل: حیاۃ محمد، مطبعۃ العصریہ، القاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۲۲۷

۷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن (کتاب الخراج باب اخذ الجزیۃ) طبع کلاں کراچی ج ۲ ص ۴۳۱

(ب) البلاذری: فتوح البلدان، دار النشر القاہرہ ۱۹۵۷ء ص ۷۲

(ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسۃ، مطبع الجنۃ التالیف والترجمہ القاہرہ ۱۹۴۱ء ص ۸۰۔۸۱

۸ مودودی: الجہاد فی الاسلام، ص ۲۰۷

۹ راغب اصفہانی المفردات، نور محمد کراچی ص ۳۶۵

۱۰ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ج ۳ ص ۲۱۸

۱۱ ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی (ابواب التفسیر۔ سورۃ توبہ) طبع کلاں نور محمد کراچی ص ۴۴۱

۱۲ امام بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء ج ۱ ص ۴۹۰

۱۳ احمد بن حنبل: مسند، طبع قدیم مصر ج ۱ ص ۲۱۵

۱۴ دیکھئے: (الف) شاطبی الاعتصام، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ت۔ن۔ ج ۲ ص ۳۴۶

(ب) ابن عابدین شامی: شرح عقود رسم المفتی (رسائل ابن ابدین) سہیل اکیڈمی، لاہور

۱۳۹۶ھ ص ۵۲۴

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید، قرآن محل کراچی۔ت۔ن ص ۵۹ و ۹۴

۱۵ تفصیل کے لیے دیکھئے۔

(الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ) قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۱ء ج ۱ ص ۶۸۸۔۶۹۰

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) علماء اکیڈمی لاہور ۱۴۰۱ھ ص ۹۳، نیز ص ۸۶

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید ص ۴۸۔۴۹

(د) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ج ۱ ص ۲۰۶

۱۶ شیخ محمد خضری: تاریخ التشریع الاسلام (اردو ترجمہ) نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ص ۴۲۱۔

۱۷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) پروفیسر خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی ۱۹۸۰ء ج ۱ ص ۴۱۴۔۴۲۵

(ب) ڈاکٹر مظہر بقا: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی آباد (اشاعت اول) ۱۹۷۳ء ص ۱۷

۱۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) سورۃ البقرۃ: ۱۵۸/ سورۃ المائدہ: ۶/ سورۃ الحج: ۳۸/ سورہ البقرہ: ۲۸۶/ سورۃ الطلاق: ۷

(ب) بخاری: م ن (کتاب الایمان باب الدین یسر) طبع کلاں کراچی ج ۱ ص ۱۰

(ج) ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور ج ۱ ص ۲۱۷

(د) ابوبکر جصاص: احکام القرآن مطبعۃ البہیہ مصر ۱۳۴۸ھ ج ۱ ص ۲۲۳

۱۹ تفصیل کے لیے دیکھئے:

(الف) بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا) ج ۲ ص ۵۰۴: کتاب المغازی، ج ۲ ص ۶۲۲ اور کتاب العلم ج ۱ ص ۱۶

(ب) ابوداؤد: سنن، (کتاب الادب باب فی کراھیۃ المراء) ج ۲ ص ۶۶۴۔۶۶۵

۲۰ (الف) بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولاتعسروا) ج ۲ ص ۹۰۴۔ نیز کتاب المناقب، ج ۱ ص ۵۰۳۔

(ب) مسلم بن حجاج قشیری: الجامع الصحیح مع نووی (کتاب الفضائل باب مباعدتہ للاثام واختیارہ من المباح) طبع کلاں کراچی ج ۲ ص ۲۵۶

(ج) ابوداؤد: سنن، (کتاب الادب باب فی العفو والتجاوز) ج ۲ ص ۶۶۰

۲۱ الکاسانی: بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) دیال سنگھ لائبریری لاہور، ج ۱ ص ۴۰۶

۲۲ بخاری: م ن، (کتاب الایمان) ج ۱ ص ۱۰

۲۳ تفصیل کے لیے دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، کتاب الاذان) ج ۱ ص ۹۷۔۹۸

(ب) مسلم: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ بتخفیف الصلوٰۃ) ج ۱ ص ۱۸۸

(ج) ابوداؤد: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ بتخفیف الصلوٰۃ) ج ۱ ص ۱۱۵

۲۴ دیکھئے: (الف) بخاری: م ن، (کتاب النکاح پہلا باب) ج ۲ ص ۷۵۷

(ب) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۳۷۱۔۳۷۲

۲۵ دیکھئے: (الف) بخاری، م ن، (کتاب الصوم، باب صوم الدھر) ج ۱ ص ۲۶۵

(ب) بخاری، م ن، (کتاب النکاح) ج ۲ ص ۷۸۳

(ج) ابوداؤد: م ن، (کتاب الصیام باب فی صوم الدھر تطوعا، ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۳۰

۲۶ ملاحظہ ہو: (الف) بخاری: م ن: کتاب الصوم، باب الوصال، ج ۱ ص ۲۶۳

(ب) مسلم: م ن (کتاب الصیام باب النھی عن الوصال) ج ۱ ص ۳۵۲۔۳۵۳

۲۷ نووی، یحیٰ بن شرف: ریاض الصالحین، باب فی الاقتصاد فی الطاعۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۷۸۔

۲۸ دیکھئے: (الف) بخاری: م ن (کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب) ج ۲ ص ۵۹۱

(ب) نسائی احمد بن شعیب: سنن (باب فی من لم یجد الماء ولا الصعید) نور محمد کراچی ج ۱ ص ۳۵

۲۹ ابن عبدالبر: جامع البیان العلم وفضلہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ج ۲ ص ۸۳۔۸۴

۳۰ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱ ص ۶۵۷۔۶۵۸

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۴

۳۱۔ ملاحظہ ہو: (الف) شاطبی: الموافقات (کتاب الاجتہاد المسئلۃ الثالث) مطبعۃ السلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ ج ۴ ص ۶۶

(ب) ابن عبدالبر: م ن، اردو ترجمہ) دہلی ص ۱۷۰۔۱۷۱

(ج) ابن عابدین شامی: ردالمحتار علی الدر المختار، المصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۶ھ ج ۱ ص ۶۸

۳۲۔ ملاحظہ ہو: (الف) شیخ محمد خضری: م ن، ص ۴۴۵

(ب) زرقا: ڈاکٹر مصطفیٰ احمد: ماہنامہ چراغ راہ کراچی "اسلامی قانون نمبر" ج ۱ ص ۳۶۴

۳۳۔ دیکھئے: (الف) زاہد الکوثری: مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۱

(ب) مناظر احسن گیلانی: مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ لاہور ص ۱۲۳

۳۴۔ دیکھئے: (الف) خضری: م ن ص ۴۲۹ ومابعد

(ب) ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی، (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۱ تا ۶۹

۳۵۔ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، (مشہد نمبر ۱۰) قرآن محل کراچی ص ۹۰،۹۱

(ب) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالہیہ (مبشرہ نمبر ۱۰) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۳۹۰ھ ج ۲ ص ۳۹۱

۳۶۔ دیکھئے: (الف) ابن نجیم حنفی: البحرائق، دار الکتب العربیہ بیروت ج ۵ ص ۱۲۴

(ب) ملا علی قاری: شرح فقہ اکبر، مجتبائی دہلی، ص ۱۹۹

(ج) الشعرانی عبدالواب: المیزان الکبری (مقدمہ) عیسی البابی حلبی ت۔ن مصر ص ۱۳

۳۷۔ السفارینی محمد بن احمد: التحقیق فی بطلان التلفیق، دار الضمینی، ریاض سعودی عرب ۱۴۱۸ھ ص ۹۲

۳۸۔ محمد جواد مغنیہ: علم اصول الفقہ فی ثوبہ الجدید، دار العلم بیرت ۱۹۸۰ء ص ۴۴۴

۳۹۔ دیکھئے: (الف) احمد بن علی بدایونی: الوصول الی الاصول، مکتبہ المعارف ریاض سعودی عرب ۱۴۰۴ھ، ج ۲ ص ۳۶۰

(ب) ابن عبدالبر: م ن، (عربی) ج ۲ ص ۱۱۴

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید، ص ۵۸

۴۰۔ ولی الدین ابو عبداللہ: مشکوٰۃ المصابیح، (باب الامامۃ) سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

۴۱۔ الکاسانی: م ن، ج ۱ ص ۵۱۳

۴۲۔ جصاص ابوبکر رازی: م ن، ج ۳ ص ۱۰۹

۴۳۔ مولانا مودودی: تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۶۳، ادارۂ ترجمان القرآن لاہور ت ن

۴۴۔ مولانا مودودی: تفہیم القرآن، ج ۱، ۴۸۲، ادارۂ ترجمان القرآن لاہور ت ن

۴۵۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ حنین

۴۶۔ ابن کثیر: سیرۃ النبیؐ (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ، لاہور ج ۲ ص ۶۴

۴۷۔ ایضا ص ۲۴۰

۴۸۔ تفسیر قرطبی، روح المعانی اور مظہری وغیرہ تحت آیت

۴۹۔ مولانا مودودی: الجہاد فی الاسلام، ص ۶۳

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مذہبی رواداری اور پاکستانی معاشرے میں اس کا اطلاق ☆

(سیرت طیبہ کے حوالہ سے)

خالق کائنات کی تکوینی مشیت کے علاوہ انسانی عقل و دماغ، سوجھ بوجھ اور فہم و بصیرت میں قدرتی تفاوت اس امر کا متقاضی ہے کہ لوگوں میں مذہب و مسلک، عقیدہ و سوچ، افکار و نظریات اور نقطۂ نظر کا اختلاف موجود رہے۔ اس مذہبی و نظریاتی اختلاف میں دینی دنیوی اور اخروی اعتبار سے کئی حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اس لیے دین اسلام نے مختلف مذہب و عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو جبر و اکراہ کے ذریعے اسلام قبول کرانے کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ اس نے اللہ کے ہاں صحیح مذہب و عقیدہ اور صراط مستقیم کی نشاندہی کے بعد ان تمام مذاہب اور اہل مذاہب کو نہ صرف برداشت کرنے بلکہ ان کے ساتھ مکمل رواداری کا مظاہرہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یہود و نصاریٰ، مشرکین مکہ، منافقین مدینہ اور دیگر باطل مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ جس طرح کی مذہبی رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا اس کی نظیر یہودیت، عیسائیت، ہندومت یا دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ محض عقیدت یا خالی دعویٰ نہیں بلکہ اس پر نبی رحمت ﷺ کی زبانی تعلیمات و ہدایات کے علاوہ آپ ﷺ کے عملی اقدامات اور معاہدے مثلاً میثاق مدینہ، اہل نجران کے ساتھ معاہدہ، صلح حدیبیہ، معاہدہ خیبر اور فتح مکہ وغیرہ گواہ ہیں۔

علاوہ ازیں خود قرآن و سنت کی مجمل و مبہم نصوص کی تعبیر و تشریح، ان سے استنباط و استخراج مسائل اور غیر منصوص پیش آمدہ جدید اجتہادی و قیاسی مسائل میں ائمہ مجتہدین اور

☆ یہ مقالہ کراچی یونیورسٹی، شعبہ علوم اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقدہ ''قومی کانفرنس'' مؤرخہ ۲۹۔۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء میں پڑھا گیا۔

فقہاء اسلام کا اختلاف واقع ہونا جہاں ایک فطری عمل ہے وہاں علماء اسلام کی بے دار مغزی کی علامت اور امت مسلمہ کے لیے رحمت و آسانی کا باعث ہے۔ لہٰذا فقہاء کے اس مذہبی مسلکی اجتہادی اور نقطۂ نظر کے اختلاف کو برداشت کرنا اور اہل اسلام میں سے دوسرے مذہب و مسلک کے حاملین کے ساتھ رواداری اور احسان و محبت کا سلوک کرنا شرعی لحاظ سے نہ صرف بدرجہ اولیٰ ضروری ہے بلکہ عالم اسلام کو درپیش حالات و مشکلات اور حکمت و دانش مندی کا تقاضا بھی ہے۔

مذہبی رواداری کے حوالہ سے تعلیماتِ اسلام، سیرت طیبہ اور اسوہ رسول ﷺ کے درج بالا اجمالی تذکرہ کی روشنی میں جب ہم وطن عزیز میں مذہبی رواداری کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو شرعی حکم کے علاوہ ملکی حالات اس بات کا شدت سے تقاضا کرتے ہیں کہ یہاں مذہبی رواداری کی جتنی ضرورت آج ہے شاید کبھی نہ تھی۔ بدقسمتی سے مذہبی رواداری کے فقدان، مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ تعصب و تشدد نے امن و امان کی صورت حال کو مخدوش، عوام کے جان و مال کو غیر محفوظ اور اندرونی اور بیرونی طور پر ملکی استحکام کو خطرات سے دوچار کر رکھا ہے۔ ملک میں امن و امان قائم رکھنے، ملکی استحکام کو یقینی بنانے اور قیام پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وطن عزیز میں اسی طرح کی مذہبی رواداری اور مسلکی اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا جائے جس طرح تحریک پاکستان میں حصول آزادی کے لیے کیا گیا تھا۔ تاریخ پاکستان اس بات پر گواہ ہے کہ قیام پاکستان میں برصغیر کے تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں نے مثالی مذہبی رواداری اور باہمی اتفاق کا مظاہرہ کر کے وہ چیز ممکن بنادی جو بظاہر ناممکن اور دیوانے کا خواب نظر آتی تھی۔

زیر نظر مقالہ میں اسی درج بالا اجمال کی قدرے تفصیل کے لیے مذہبی رواداری کا مفہوم، مذہبی رواداری کی اسلامی تعلیم، اس سلسلے میں حضور ﷺ کی تعلیمات و اسوۂ حسنہ، رواداری کی حدود، پاکستانی معاشرے میں رواداری کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اطلاق پر

روشنی ڈالنے نیز مذہبی رواداری کے فروغ کے لیے چند تجاویز پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذہبی رواداری کا مفہوم

مذہبی رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ جس فرد یا قوم نے اپنے فطری جذبۂ بندگی کی تسکین کے لیے اپنی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کے مطابق جو عقیدہ، جو نظریہ، جو نقطہ نظر، عبادت و بندگی کے اظہار کا جو طریقہ اور جو دین اختیار کر رکھا ہے، اسے آزادیِ رائے کے انسانی حق کے طور پر قبول کیا جائے اور اپنے عقیدہ و دین پر قائم رہتے ہوئے اس عقیدہ و نظریہ اور دین کے حامل لوگوں کو کھلے دل سے برداشت کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں پر امن بقائے باہمی (Peaceful Mutual Co-existence) کے لیے انہیں ''جیو اور جینے دو'' کا حق دیتے ہوئے ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ'' کے زریں اصول پر عمل کیا جائے۔

مذہبی اختلاف۔ ایک فطری و تکوینی امر

بنی نوع انسان کے عقل و دماغ، ذہانت و فطانت اور فہم و فراست میں فطری و طبعی تفاوت کے باعث لوگوں کے درمیان عقائد، افکار و نظریات، نقطہ نظر، مذہب و مسلک اور دین (طریقہ زندگی) کا اختلاف ہونا جہاں ایک قدرتی امر ہے، وہاں انسانی معاشرے اور اہل علم و فکر کی بیدار مغزی کی علامت بھی ہے۔ علاوہ ازیں بے شمار حکمتوں کے تحت (جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) خالق کائنات کی تکوینی مشیت بھی یہی ہے کہ لوگوں کے درمیان مذہب و مسلک اور دین کا اختلاف موجود رہے گا۔ کیونکہ اس نے قبول ہدایت کا معاملہ زبردستی کی بجائے لوگوں کے ارادہ و اختیار پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ نبی رحمت ﷺ کو مشرکین مکہ کے ایمان لانے کے بارے میں حد درجہ فکر و غم پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا!

''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ'' (سورۃ الانعام: ۳۵)

"اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا آپ ﷺ (خلاف مشیت ایزدی چاہ کر) نادانوں میں سے نہ ہو جایئے"

دوسری جگہ اسی سیاق و سباق میں فرمایا گیا:

"وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ. وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ"

(سورۃ الانعام: ۱۰۷-۱۰۶)

"اور (اے رسول ﷺ!) آپ ﷺ مشرکوں (کے معاملے میں اتنا غم نہ کیجیے بلکہ ان) کی طرف سے منہ پھیر لیجیے اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی (جیسا کہ آپ ﷺ آرزو رکھتے ہیں) تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور (دوسرے) ہم نے آپ ﷺ کو ان پر کوئی نگران (ایمان نہ لانے کا ذمہ دار) نہیں بنایا اور نہ آپ ﷺ ان کے وکیل ہیں۔

بنابریں اسلام نے مذہب کے معاملے میں قرآن و صاحب قرآن کے ذریعے حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کی رہنمائی اور آفاق و انفس میں توحید الٰہی کی واضح آیات کی نشاندہی کرتے ہوئے انسان پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ چاہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور چاہے تو انکار کر دے (فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر ۔ سورۃ الکہف: ۲۹)

مذہبی رواداری اور اسلام

مذہبی معاملے میں لوگوں کے درمیان اختلاف کی درج بالا وجوہ کی بنا پر اسلام نے دیگر مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے برعکس اپنے ماننے والوں کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی کہ وہ دین اسلام کے ہر جہت و زاویہ سے عقلی و فطری طور پر برحق ہونے اور محکم آیات و واضح دلائل پر مبنی ہونے کے باوجود دوسروں پر جبر و اکراہ کے ذریعے ٹھونسنے کی کوشش کریں اور اس کا فلسفہ بھی بتایا ہے کہ دین و مذہب زبردستی کی چیز نہیں کیونکہ دین

اسلام کی ساری عمارت کی بنیاد ایمان ہے جبکہ ایمان اصطلاح شریعت میں یقین وتصدیق قلبی کا نام ہے (۱) اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زور کے ساتھ پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہوا:

"لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" (سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

"دین کے قبول کرنے میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں۔ بے شک ہدایت واضح ہو چکی ہے گمراہی سے"

دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول خدا ﷺ کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا، چنانچہ فرمایا گیا:

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" (سورۃ یونس:۹۹)

"اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو (اے پیغمبر!) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن بن جائیں"

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے اور اس کے لیے خود رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں متعدد غزوات وسرایا کی مثال موجود ہے، جس سے مخالفین نے بزعم خویش یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائیاں صرف اس لیے لڑی گئیں کہ اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلایا جائے حالانکہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر و غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو اور نہ سیرت طیبہ سے کوئی ایسا واقعہ دکھایا جا سکتا ہے جس میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو بلکہ قرآن مجید میں تو رسول خدا ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

''اور اگر (لڑائی میں) مشرکین میں سے کوئی ایک آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (قرآن مجید) سن لے۔ پھر اس کو اپنے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ یہ (حکم) اس لئے ہے کہ یہ قوم لاعلم ہے'' (سورۃ توبہ:٦)

یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام الٰہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔ ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا اس کی تبدیلیٔ مذہب کا محرک تلوار نہیں بلکہ قرآن مجید کی حقانیت ہوگی۔

اسلامی جہاد (جسے آج مغربی میڈیا ''دہشت گردی'' قرار دے کر اصل حقائق اور اہل اسلام کے خلاف اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے) کا ایک مستقل اصول وضابطہ اور مشہور قانون ہے کہ لڑائی سے قبل میدان جنگ میں برسرپیکار دشمن کے سامنے پہلے دو باتیں یا ''آپشن'' پیش کی جائیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور اگر یہ بات منظور نہ ہو تو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کرلو۔ اس صورت میں تمہارے جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔ اگر وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات قبول کرلیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اس کو دشمنان دین نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی۔ جبکہ رحمت عالم ﷺ کا دامن اس الزام بلکہ بہتان سے یکسر پاک ہے۔ (۲)

اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے پسندیدہ مذہب کے عقائد و نظریات کے مطابق عبادت اور معاشرتی معاملات طے کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں

بلکہ مشترک اور مسلمہ امور کی بنیاد پر انہیں اتحاد کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ..... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (آل عمران:۶۴)

(اے پیغمبر ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہمارے (مسلمانوں) اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ ٹھہرائے۔

پھر ایک مسلمان کی اپنے مذہب وعقیدہ اور اپنے معبودِ حق کے ساتھ محبت وعقیدت اور جذباتی لگاؤ کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اس جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بعید نہیں کہ کوئی آدمی محبت الٰہی اور تبلیغ اسلام کے جوش وجنون میں دوسرے مذاہب کے معبودانِ باطل اور ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کو دشنام طرازی کرنے لگے جس کے نتیجے میں ان کے پیروکار معبودِ حقیقی کی شان میں زبان درازی کے مرتکب ہوں اور یوں فرقہ وارانہ و مذہبی فسادات کا دروازہ کھل جائے۔ اس لیے سختی سے ہدایت فرمائی گئی:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" (سورۃ الانعام:۱۰۸)

اور (اے اہل ایمان) دشنام نہ دو ان معبودوں کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کفر وشرک کی) حد سے گزر کر ازراہ جہالت اللہ (جل شانہ) کو گالیاں بکنے لگیں۔

مذہبی رواداری کے معاملے میں "مشتے از خروارے" کے طور پر یہ اسلام کی چند تعلیمات ہیں ورنہ قرآن وحدیث غیر مسلموں سے مذہبی رواداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اور احکام وہدایت سے بھرے پڑے ہیں۔ جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔

مذہبی رواداری اور اسوہ رسول ﷺ

پیغمبر اسلام نے مذکورہ احکام وہدایات الٰہی اور انسانیت کے ساتھ اپنی کمال طبعی رافت شفقت اور رحمۃ للعالمینی کی بنا پر غیر مسلموں کے ساتھ جس مذہبی رواداری، خندہ پیشانی، عہد کی پابندی، کشادہ ظرفی، وسعت قلبی اور حسن سلوک کا نمونہ پیش فرمایا ہے، اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ آج تک دیکھ سکی ہے۔ تمام مشرکین، یہود ونصاری اور منافقین مدینہ بوجوہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ جو حد درجہ عداوت، بغض وعناد، انتقامی جذبات اور خدا واسطے کا بیر رکھتے تھے، اس کا اظہار انہوں نے کئی مواقع پر برملا کیا اور آتش انتقام بجھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا مگر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود رحمت عالم ﷺ کی طرف سے زندگی بھر ان کے ساتھ جس عفو ودرگزر، جس احسان، جس برداشت اور جس مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا جاتا رہا۔ اس کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ تاہم بطور ثبوت چند واقعات کی طرف اشارہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔

(۱) مشرکین مکہ کے ساتھ برتاؤ

نبی رحمت ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال تک قریش مکہ نے جس طرح آپ ﷺ کو بلاوجہ ستایا، تنگ کیا، گالیاں دیں، جسم نبوی پر اوجھری پھینکی، راستے میں کانٹے بچھائے، کاشانہ نبوی میں غلاظت پھینکی اور طرح طرح کے آوازے کسے، مذاق اڑایا، قتل کا منصوبہ بنایا حتی کہ اپنے آبائی شہر سے ہجرت پر مجبور کر دیا، یہ دلگداز اور جگر پاش داستان ابن ھشام، ابن سعد، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن جریر طبری اور دیگر سیرت نگاروں ومؤرخین نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے (۳) اس کے باوجود جب مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تو آپ ﷺ نے اہل مکہ کے لیے پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھجوائی (۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین

مکہ نے صلح نامہ میں ''محمد رسول اللہ'' کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھوانے کا مطالبہ کیا تو کمال رواداری اور وسعت ظرفی سے تسلیم کرلیا (۵) اسی طرح محض امن وآشتی کی خاطر حضرت عمرؓ جیسے کبار صحابہ کی رائے کے خلاف اہل مکہ کی سخت اور من پسند شرائط صلح قبول فرمالیں (۶) اور حدیبیہ کے مقام پر عین صلح کے وقت حضرت ابو جندل بیڑیاں پہنے آ گئے تو حسب معاہدہ انہیں لوٹا دیا۔(۷) علی ھذا القیاس فتح مکہ کے موقع پر جب یہ جانی دشمن آپ ﷺ کے سامنے گردن جھکا کے کھڑے تھے اور اگر سب کی گردنیں اڑادی جاتیں تو بے انصافی نہ ہوتی اس کے باوجود آپ ﷺ نے قائد مکہ ابوسفیان کی جس طرح عزت افزائی فرمائی اور جس طرح سب جانی دشمنوں کو معاف فرمادیا، اس کی مثال بھی آسمان کی آنکھ نے آج تک نہیں دیکھی (۸)

(۲) یہود ونصاری کے ساتھ رواداری

یہود ونصاری کی کھلم کھلا اسلام دشمنی اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہمیشہ سازش شر پسندی اور تخریب کاری کے جال بنتے رہنے کے باوجود پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کے ساتھ ہمیشہ جو مشفقانہ برتاؤ فرمایا اور ان کے ساتھ جس طرح مذہبی رواداری کا مظاہرہ فرمایا' اس کی ساری تفصیلات تو یہاں ممکن نہیں البتہ ان کے ساتھ ہونے والے دو معاہدوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ایک یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ میثاق مدینہ اور دوسرا اہل نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ معاہدہ۔ان معاہدوں میں دیگر انسانی ومعاشرتی حقوق پر مشتمل دفعات کے علاوہ ان کے ساتھ جس مذہبی رواداری کا شاندار مظاہرہ کیا گیا اس کی نظیر پوری مذہبی تاریخ اور خود یہودیت وعیسائیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔یہ معاہدے مختلف عقائد' مذاہب' قبائل اور جماعتی وابستگی رکھنے والوں کو اعلی انسانی مقاصد کی خاطر ایک نظام میں متحد کردینے کی بے نظیر مثالیں ہیں۔چنانچہ میثاق مدینہ میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کے حوالے سے درج ذیل دفعات قابل ذکر ہیں:

☆ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

☆ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔(۵)

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس معاہدہ کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے، لکھتے ہیں:

"یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی"(۶)

اسی طرح نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نبی رحمت ﷺ نے جو تاریخی معاہدہ فرمایا اور اس میں ان کو جو مذہبی آزادی اور حقوق عنایت فرمائے، اس کی نظیر بھی مذہبی تاریخ میں ناپید ہے۔ اس معاہدہ کی درج ذیل دفعات قابل ملاحظہ ہیں:

☆ نجران اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کیلئے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری ذمہ داری ہے۔

☆ ان کے خون، ان کے مال، ان کی ملت، ان کے گرجے، ان کے مذہبی رہنما، ان کے پادری اور ان کے موجود و غائب کے حقوق کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

☆ اسی طرح ہمیں یہ حق نہ ہوگا کہ ہم ان کے کسی پادری بشپ یا مذہبی رہنما کو تبدیل کریں، نہ ہی انہیں جنگی مہمات کیلئے جمع کیا جائے گا۔(۷)

(۳) رئیس المنافقین کے ساتھ حسن سلوک

آستین کے سانپ تمام منافقین مدینہ خصوصاً رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی منافقانہ اور گھٹیا حرکات سے کون واقف نہیں۔ مدینہ منورہ کے امن و امان کو تباہ کرنے کی کوشش، مسلمانوں کو لڑانے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کی سازش، عین میدان جنگ میں دھوکہ دہی، پھر سب سے بڑھ کر حرم نبوی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان کا طوفانِ بد

تمیزی کھڑا کر کے حضور ﷺ اور خاندان صدیقی کو ذہنی اذیت پہنچانا غرض کون سا ایسا جرم تھا جو اس کی گردن اڑا دینے کا جواز پیدا نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود رحمت دو عالم ﷺ نے ہمیشہ اس ''سرغنہ'' کو صرف برداشت ہی نہیں کیا بلکہ جب وہ مرا تو اس پر جنازہ پڑھ کر اور اس کے کفن کے لیے اپنا ذاتی پیراہن مبارک عطا فرما کر رواداری کی ایسی مثال قائم فرمائی کہ دنیا آج تک محوِ حیرت ہے۔ (۱۲)

مذہبی رواداری کی حدود

مذہبی رواداری کے حوالے سے درج بالا اسلام کی تعلیمات اور اسوہ رسول ﷺ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اس معاملے میں غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کرتے ہوئے انہیں صرف عقیدہ و مذہب کی ہی آزادی نہیں دی بلکہ ان کے دیگر انسانی حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں بھی کوئی دوسرا مذہب اس کا حریف نہیں۔ تاہم اس نے اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ایسی رواداری اتنی ''روشن خیالی'' اتنی ''اعتدال پسندی'' اتنی نرمی اور اتنی لچک کی بھی اجازت نہیں دی کہ کفر و اسلام کا امتیاز ختم ہو جائے، شرک و توحید گڈمڈ ہو جائے، ایمان و الحاد کا بنیادی فرق مٹ جائے، نیا ''دین الہی'' پیدا ہو جائے اور غیر مسلموں کی رواداری میں اسلامی شعائر، اسلامی تہذیب و تمدن، اور اسلام کی پاکیزہ روایات کی نفی ہونے لگے۔ ''میراتھن ریس'' کے نام پر احکام ستر و حجاب کا مذاق اڑایا جائے اور وہ ماتھے پر ''تلک'' لگوانے لگیں۔ ''ہولی'' کی تقریب میں جسم و لباس پر رنگ ڈلوانے لگیں، غیر اسلامی تہوار منانے میں خوشی محسوس کرنے لگیں اور ان کی غیرت و حمیت اتنی مردہ ہو جائے کہ مسجد کا سنگ بنیاد بھی ان کے ناپاک ہاتھوں سے رکھوانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ کفار مکہ کی ایک جماعت نے نبی اکرم ﷺ کو معاشرے میں ''امن و امان'' کے نام پر جب اس نام نہاد مصالحت، سمجھوتہ، سودے بازی اور کمپرومائز کی دعوت دی کہ

"نعبد الهتنا سنة و نعبد الهک سنة" (۱۳) "ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ ﷺ کے خدا کی عبادت کیا کریں گے۔ تو اس پیشکش کے جواب میں اللہ کریم نے سورۃ الکافرون (قل یایھا الکفرون ۔الخ) نازل کرتے ہوئے اپنے محبوب ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ کفار کے معبودوں اور ان کے دین باطل سے براءت و بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے برملا اور ڈنکے کی چوٹ پر اعلان فرمادیں کہ:

"لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ"

(تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے)

اس سورہ کے شان نزول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا سید مودودی نے لکھا ہے!

"اس پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مذہبی رواداری کی تلقین کے لیے نازل نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آج کل کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ اس لیے نازل ہوئی تھی کہ کفار کے دین اور ان کی پوجا پاٹ اور ان کے معبودوں سے قطعی براءت بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کر دیا جائے اور انہیں بتادیا جائے کہ دین کفر اور دین اسلام بالکل ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے باہم مل جانے کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ بات اگرچہ ابتداءً قریش کے کفار کو مخاطب کر کے ان کی تجاویز مصالحت کے جواب میں کہی گئی تھی۔ لیکن یہ انہی تک محدود نہیں بلکہ اسے قرآن میں درج کر کے تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لیے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دین کفر جہاں جس شکل میں بھی ہے ان کو اس سے قول اور عمل میں براءت کا اظہار کرنا چاہیے اور بلا رعایت کہہ دینا چاہیے کہ دین کے معاملہ میں وہ کافروں سے کسی قسم کی مداہنت یا مصالحت نہیں کر سکتے۔ (۱۴)

پاکستانی معاشرہ اور مذہبی رواداری

مذہبی رواداری کی درج بالا تعلیمات اسلام اور اسوہ رسول ﷺ تمام تر ان غیر مسلموں سے متعلق ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا ایمان و کفر، حق و باطل اور اسلام کے

اساسی عقائد ونظریات کے معاملے میں بنیادی اختلاف ہے۔تو جہاں اہل اسلام کے مختلف فقہی مذاہب ومسالک اور مکاتب فکر میں ایمان وکفر، حق وباطل اور بنیادی عقائد کا اختلاف نہیں بلکہ صرف غیر منصوص غیر قطعی الثبوت اور غیر قطعی الدلالۃ اجتہادی وفروعی مسائل کا اختلاف ہے اور وہ بھی ''جائز ناجائز'' کی بجائے صرف اولی وعدم اولی، افضل وغیر افضل، احوط وغیر احوط اور مستحب اور غیر مستحب کا ہے (۱۵) تو وہاں مذہبی رواداری، برداشت اور وسیع النظری کا مظاہرہ کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

پاکستان کو زیادہ تر اسی سلسلے میں مذہبی رواداری کے فقدان، عدم برداشت، تنگ نظری اور تشدد کا سامنا ہے۔ موجودہ قومی وبین الاقوامی صورت حال میں وطن عزیز کے اندر مذہبی رواداری اور مسلکی اتحاد واتفاق کی جتنی ضرورت آج ہے شائد کبھی نہیں رہی۔ تحریک آزادی اس بات پر گواہ ہے کہ انگریز حکومت سے حصول آزادی اور قیام پاکستان کے لیے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت جو زوردار تحریک چلی اور جس نے بظاہر نا ممکن کو ممکن بنادیا اس میں برِصغیر کے عام مسلمانوں کے علاوہ تمام سلاسل تصوف کے مشائخ عظام، اہل السنۃ والجماعۃ، اہل تشیع اور دیگر تمام مسالک ومکاتب فکر کے علماء کرام اور ان کے عقیدت مند شامل تھے۔ ان سب کی مشترکہ جدوجہد اور اتحاد واتفاق کی برکت سے ہی پاکستان ایک عظیم اسلامی مملکت کے طور پر معرض وجود میں آیا۔ اس لئے وطن عزیز کی آزادی کسی ایک مکتبہ فکر اور مسلک کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں۔ مگر قیام پاکستان کے بعد بعض خودغرض، ملک دشمن اور مفاد پرست عناصر اور قرآن وسنت اور دین اسلام کی روح سے لابلد پیشہ ور واعظین وذاکرین اور انتہا پسند علماء نے اپنے ذاتی اور گروہی ومسلکی مفادات کی خاطر جزوی وفروعی اختلافات کو ہوا دے کر اس قدر تعصب وتشدد اور فرقہ واریت کا بازار گرم کیا کہ مستقل مسلح ''سپاہیں''، ''جیش''، ''لشکر'' اور ''تحریکیں'' وجود میں آگئیں۔ دہشت گردی کے اتنے واقعات رونما ہوئے کہ بڑے بڑے علماء اور دانشوران قوم اس زہر آلود فرقہ

واریت کے بھینٹ چڑھ گئے۔ مساجد و امام بارگاہیں غیر محفوظ ہو گئیں حتی کہ آج تک نمازیں پولیس کے پہرے میں پڑھی جا رہی ہیں۔

اہل علم و فکر سے مخفی نہیں کہ کسی بھی ملک کے داخلی استحکام اور امن و امان کے لیے اہالیان ملک کے درمیان اتحاد و اتفاق اور باہمی اخوت و بھائی چارہ ایک جسم میں جان کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن میں اسے عظیم نعمت قرار دیا گیا ہے۔ (۱۶) اس کی نظر میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی اختلاف کا خاتمہ ہے۔ (۱۷) اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے (۱۸) دوسرے باہمی اختلاف و تنازعات امت مسلمہ کی کمزوری اور عذاب الٰہی کا سبب ہیں (۱۹) اس لیے اس نے اتحاد امت کے راستے میں حائل ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے جو باہمی بغض و عداوت اور نفرت و کدورت کا سبب بنتی ہیں مثلاً تمسخر، استہزاء، طعنہ زنی، برے القاب سے پکارنا، بدگمانی، تجسس، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ (۲۰) امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے حضور ﷺ نے تمام مؤمنین کو باہمی رحم اور باہمی محبت و الفت کے معاملے میں ایک جسم سے تشبیہ دی ہے (۲۱) اور انہیں ایک دوسرے کو مضبوط و طاقتور بنانے کے لیے بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) قرار دیا ہے۔ (۲۲) امت کا باہمی اتحاد حضور ﷺ کے نزدیک اتنا ضروری ہے کہ رحمۃ للعالمین اور مؤمنین کے ساتھ رؤف رحیم ہونے کے باوجود امت میں افتراق و انتشار پیدا کرنے والوں کی گردن اڑا دینے تک کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

"من اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا ما کان" (۲۳)

(جب کوئی آدمی امت کے اس معاملے کو اس وقت پارہ پارہ کرنا چاہے جبکہ وہ مجتمع و اکٹھی ہو تو تلوار سے اس کی خبر لو چاہے وہ کوئی ہو)

مذہبی و مسلکی اختلافات کی حقیقت

بعد ازیں یہاں ان مذہبی و مسلکی اختلافات کی حقیقت، اصلیت اور شرعی حیثیت سے بھی پردہ اٹھانا ضروری ہے جن پر وطن عزیز میں انتہاء پسندی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، مذہبی حلقوں میں سر پھٹول ہورہی ہے، ساری توانائیاں صرف کی جارہی ہیں، مساجد کو ''فتح'' کیا جارہا ہے اور جن کی وجہ سے معاشرتی امن وامان تباہ ہوگیا ہے، لوگوں کے جان و مال غیر محفوظ ہوگئے ہیں، ملک کی سالمیت خطرے میں پڑگئی ہے اور دور جاہلیت کی وہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے جس میں ایک جاہلی شاعر نے کہا تھا:

الالا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجا ھلینا

چنانچہ اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت کے وہ احکام جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں۔ جن پر دین وایمان کا دارومدار نہیں اور ان کے بارے میں شارع علیہ السلام سے ایک سے زیادہ اور بظاہر متعارض ارشادات منقول ہیں یا قرآن وسنت میں ان کی تعبیر کیلئے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کے احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس ورائے پر رکھی گئی ہو یا پیش آمدہ ایسے جدید مسائل جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے شرعی حکم میں فقہاء و مجتہدین کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر اور بیدار مغزی کی علامت ہے۔ ایسا اختلاف شریعت کی نگاہ میں مذموم اور خلاف شریعت نہیں بلکہ محمود ہے۔

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر معروف اصولی فقیہ امام شاطبی نے الموافقات جلد چہارم کتاب الاجتہاد کے ''تیسرے مسئلہ'' میں تفصیلی بحث کی ہے اور پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس اجتہادی اختلاف کے ''منشاء الٰہی'' اور ''مرضی رسول ﷺ'' ہونے کے ثبوت میں اپنے ''مقدمہ تدوین فقہ'' میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے قریب بڑی مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے (جس

کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور درج بالا قسم کے احکام میں صحابہ کرامؓ کے درمیان نبی رحمت ﷺ کی زندگی میں بھی اختلاف ہوا جس کی آنجناب ﷺ نے تائید فرمائی۔(۲۴) اور آپ کے وصال کے بعد بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد، جیش اسامہ کی روانگی، سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم، یزید کے خلاف مسئلہ خروج جیسے مسائل کے پہلو بہ پہلو وضو طہارت، عبادات اور معاملات کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلافات سامنے آئے اور قائم رہے۔(۲۵)

صحابہ کرامؓ کے یہی اختلافات آگے چل کر تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل کا سب سے بڑا سبب بنے (۲۶) پھر صحابہ وائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف اور فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل، فقہ واجتہاد کے فروغ، اجتہادی بصیرت اور فکر ونظر کی جلاء، علماء میں استنباط واستخراج احکام کے ملکہ میں ترقی اور سب سے بڑھ کر امت کیلئے وسعت، آسانی، رحمت اور شریعت پر عمل درآمد کیلئے مدد ومعاون ثابت ہوئے۔(۲۷)

ان اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب ومسالک سے تعلق کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضحیک، تذلیل، دشنام طرازی، باہمی مخالفت اور بغض و عناد، دوسرے مسالک کی تفسیق، تکفیر، مشرک اور بدعتی کی پھبتی حتی کہ "کافر کافر" اور "من شک فی کفرہ فقد کفر" کا فتوی بھی مذہبی رواداری کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے، جس نے:

۱۔ امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اسے ہر حوالے سے کمزور کرنے اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنان دین کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور خطرناک منصوبوں کی تکمیل میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس قسم

کے متعصب تشدد پسند اور انتہا پسند لوگوں کا درج بالاقسم کا نفرت انگیز رویہ نہ تو ان کے اپنے مسلک کی کوئی خدمت ہے اور نہ اسلام کی۔

۲۔ یہ طرز عمل صحابہ کرامؓ اور خود فقہی مسالک کے بانی ائمہ مجتہدین (جن کی طرف منسوب ہونے کا فخر سے دعویٰ کیا جاتا ہے) کی تعلیمات اور ان کے ذاتی نمونہ کے خلاف ہے۔ یہ ائمہ مجتہدین اور ان کے براہ راست شاگرد متعدد مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف، خلوص ومحبت، تعظیم وتکریم اور باہمی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ (۲۸)

۳۔ ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف بقول علامہ زاہدالکوثری صرف ایک تہائی مسائل میں ہے جبکہ دو تہائی مسائل میں اتفاق ہے اور جس ایک تہائی میں اختلاف ہے وہ بھی جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ صرف اولیٰ وعدم اولیٰ کا اور اس حد تک ہے کہ "احوط وایسو" اور "افضل وبہتر" کیا ہے؟ (۲۹)

۴۔ یہ مسالک اصولی وبنیادی طور پر بھی ایک ہیں (۳۰) اور شاہ ولی اللہ کے ایک کشف کے مطابق باطنی وروحانی طور پر بھی یکساں ہیں اور کسی کو دوسرے پر شرعاً کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ (۳۱)

۵۔ یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ "اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کیلئے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔ (۳۲)

آج کل ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی اسی مذہبی و مسلکی تعصب کا نتیجہ ہے جبکہ صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور خیر القرون کے لوگوں کو بے شمار مسائل میں باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہ تھا (۳۳) کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الصلوۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا" (۳۴)

ہر مسلمان خواہ وہ نیک ہو یا بد اُس کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔

ایک روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"صلوا خلف کل من قال لا الہ الا اللہ وفی روایۃ خلف کل برو فاجر" (۳۵)

ہر کلمہ گو اور نیک فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو

اسی طرح مسالک کی بنیاد پر مساجد کی تفریق و تقسیم حتی کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو اپنی مسجد میں داخل نہ ہونے دینا بھی انتہائی درجے کی عدم مذہبی رواداری ہے۔ جبکہ نبی رحمت ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد نبوی کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر جصاص نے سورۃ التوبہ کی آیت "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ الخ" کے تحت لکھا ہے:

"ولم یکن اھل الذمۃ ممنوعین من ھذہ المواضع"

(ان مواضع یعنی مساجد میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے)

اور اس رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد بنوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیان کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔ (۳۶)

الغرض یہاں مذہبی رواداری کے حوالے سے قرآن وسنت کی جملہ تعلیمات کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ صرف یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ مذہبی رواداری فروغ اسلام کا بنیادی و

لازمی تقاضا ہے۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے گزشتہ تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ

(الف) مذہبی رواداری کا مطلب مخالف مذہب و دین اور اس کے حاملین کو برداشت کرنا ہے۔

(ب) عقائد اور مذہب کا اختلاف ایک فطری امر اور منشاء الٰہی ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کے ختم کرنے کے لیے جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دی

(ج) مذہبی رواداری، حکم الٰہی، اسلام کی لازمی تعلیم، اور مذاہب عالم میں اس کا طرہ امتیاز ہے۔

(د) مذہبی رواداری کے معاملے میں نبی رحمت ﷺ نے مسلمانوں کے لیے ایک مثالی اور قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔

(ھ) اہل اسلام کے درمیان فقہی مذاہب و مسالک کا اختلاف صرف غیر منصوص اور اجتہادی مسائل میں ہے۔ یہ اختلاف حق و باطل اور جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ محض اولیٰ و عدم اولیٰ کا ہے۔

(و) اسلام کے مذہبی، مسلکی اور غیر منصوص فقہی اجتہادی اور فروعی مسائل کے اندر اختلاف میں ائمہ مجتہدین اور اسلاف امت نے ہمیشہ رواداری، وسعت ظرفی، برداشت اور باہمی احترام و محبت کا مظاہرہ کیا ہے۔

(ز) امت مسلمہ میں انتشار اور فرقہ واریت کا ذریعہ بننا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔

(ح) قیام پاکستان کا بنیادی مقصد اسلامی نظام حیات کا مکمل نفاذ تھا۔ مگر اس مقصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی رواداری اور باہمی اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔

(ط) مقصد ھذا کے حصول کے علاوہ وطن عزیز میں امن و امان کا قیام، لوگوں کے جان و مال کا تحفظ اور ترقی و استحکام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مذہبی رواداری

کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور اسوہ رسول ﷺ کو عملی جامہ پہنانے کی شکل نہیں دے دی جاتی۔

(ی) مذہبی رواداری کا مطلب کفر واسلام، شرک وتوحید، حق وباطل کا امتیاز ختم کر دینا اور اسلامی وغیر اسلامی تہذیب وثقافت کو خلط ملط کر دینا نہیں بلکہ غیر مسلموں کے مذہبی وانسانی حقوق کی پاسداری ہے۔

تجاویز

آخر میں وطن عزیز کے اندر مذہبی رواداری کے فروغ کے لیے درج ذیل چند تجاویز کی طرف توجہ دلانا بھی بے سود نہ ہوگا۔

۱۔ مذہبی رواداری کی جگہ انتہاء پسندی کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب جس کے باعث انتہاء پسندی کی کئی شکلیں جنم لیتی ہیں اور جسے "ام الاسباب" بھی قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کم علمی، کم فہمی، ناقص العلمی، دینی بے بصیرتی اور فقہی مسائل میں گہرائی، گیرائی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا نہ ہونا ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں مذہبی انتہاء پسندی، مذہبی تعصب، فرقہ واریت اور عقائد واعمال اور عبادات اور معاملات میں غلو کے واقعات میں زیادہ تر ہاتھ اسی کم علمی اور ناقص العلمی کا ہے۔ لہٰذا ملک بھر کی مساجد انتظامیہ کو ریڈیو۔ ٹی وی اخبارات اور مقامی نمائندوں کی معرفت اس بات کی اہمیت سے آگاہ کیا جانا چاہیے کہ ائمہ و خطباء کے تقرر میں امام وخطیب کا محض "باشرع" صرف "قاری صاحب" یا "منظور نظر" اور "ہم مسلک" ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا باقاعدہ فارغ التحصیل اور قرآن وحدیث اور فقہی مسائل پر نظر رکھنے والا عالم ہونا کتنا ضروری ہے۔

۲۔ سرکاری اور پرائیویٹ مذہبی تقاریب میں مذہبی تنفر پھیلانے والے قصہ خواں، واعظوں، شعلہ بیان مقررین اور پیشہ ور نعت خوانوں کو بلانے اور ان پر نوٹ

نچھاور کرنے کی بجائے محقق اہل علم کو بلانا، ان کی علمی و تحقیقی گفتگو سننا اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرنا بھی مذہبی رواداری کے فروغ میں معاون ثابت ہوگا۔

۳۔ سیاسی مفادات کے لیے فرقہ وارانہ تنظیموں اور ان کے قائدین کی سرکاری سطح پر عزت افزائی اور پروٹوکول بھی مذہبی انتہاء پسندی کا ایک سبب ہے۔ لہذا مذہبی رواداری کے فروغ کیلئے یہ سلسلہ بھی رکنا چاہیے۔

۴۔ مساجد میں اذان اور عربی خطبہ کے علاوہ سپیکر کے استعمال پر پابندی کے قانون کو مؤثر بنایا جانا اور خلاف ورزی کرنے والے خطیبوں اور واعظوں کو اس قانونی خلاف ورزی کی سزا دی جانا بھی مفید ہوگا۔

۵۔ مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے علماء و مشائخ کا اپنے اپنے معتقدین و مریدین کو دوسرے مسالک کے علماء کے بارے میں تقریر و تحریر کے اندر ناشائستہ، بازاری اور توہین آمیز زبان استعمال کرنے سے روکنا اور ایسے غالی قسم کے معتقدین سے لاتعلقی کا اظہار کرنا بھی مذہبی رواداری کیلئے مؤثر ہوگا۔

۶۔ ریڈیو، ٹی وی پر "رحماء بینھم" کے عنوان سے ایک پروگرام کا اجراء بھی بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے جس میں صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت، ائمہ مجتہدین اور مختلف مسالک کے علماء اور مختلف سلاسل طریقت کے صوفیہ کے باہمی احترام و تکریم اور مذہبی رواداری کے واقعات بتائیں جائیں۔

۷۔ مساجد کے نام کے ساتھ کسی مسلک کا نام لکھے جانے پر پابندی بھی مذہبی رواداری کے فروغ میں بڑی معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھئے: (الف) بخاری محمد بن اسماعیل، امام (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح (کتاب الایمان۔ حواشی)، طبع کلاں کراچی ۱/۵

(ب) عسقلانی، حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) فتح الباری شرح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، ۱/۴۶ تا ۴۸

۲۔ ملاحظہ ہو: (الف) صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ''کتاب الجہاد والسیر''۔

(ب) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، الفیصل اردو بازار، لاہور ۱۹۹۱ء، ۱/۳۵۷ تا ۳۶۶

(ج) مودودی، ابوالاعلیٰ (م ۱۹۷۹ء) الجہاد فی الاسلام، (باب چہارم) اسلامک پبلیکشنز، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۳ تا ۱۷۵

۳۔ دیکھئے: (الف) ابن ھشام، ابو محمد عبد الملک (م ۲۱۳ھ) سیرۃ النبی، قاہرہ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۷ء ق ۱ ص ۳۲۱ ومابعد

(ب) ابن سعد، محمد (م ۲۳۰ھ) الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت ۱۹۶۰ء، ۱/۲۰۱ تا ۲۱۲

(ج) ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) تاریخ طبری مطبعہ حنفیہ مصر، ۱/۲۲۳ ومابعد

(د) ابن اثیر، عزالدین علی بن ابی الکرم (م ۶۳۰ھ) الکامل التاریخ، دار صادر، بیروت ۱۳۸۵ھ۔ ۱۹۶۵ء، ۲/۷۰ تا ۷۵

(ھ) حلبی، علی بن برہان الدین (م ۱۰۴۴ھ) السیرۃ الحلبیہ، مصطفیٰ البابی مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۴ھ/ ۴۵۶ تا ۴۸۵

(و) ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین (م ۷۷۴ھ) سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۹۶ء/۱ ۳۴۴ تا ۳۵۰

۴۔ دیکھئے: (الف) شیبانی، محمد ابن حسن (م ۱۸۹ھ) السیر الکبیر (باب صلۃ المشرک) قاہرہ ۱۹۷۵ء، ۱/۹۶

(ب) سرخسی، شمس الائمہ (م ۴۸۳ھ) المبسوط، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۴۰۹ھ، ۱۰/۹۲

(ج) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر (م ۲۰۰۲ء) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۲۵۱۔ ۲۵۷

۵۔ دیکھئے: (الف) بخاری، الجامع الصحیح (کتاب الصلح، باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان ابن

فلان) ۳۷۲/۱

(ب) مسلم بن حجاج قشیری، (م ۲۶۱ھ) الجامع الصحیح (کتاب الجہاد والسیر باب صلح الحدیبیہ) مطبعہ کلاں کراچی، ج ۲ ص ۱۰۵

۶۔ دیکھیے: صحیح بخاری، (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ) ودیگر کتب حدیث وسیرت تحت تذکرہ صلح حدیبیہ

۷۔ بخاری، الجامع الصحیح ۳۷۱/۱

۸۔ دیکھیے: کتب حدیث، سیرت وتاریخ تحت بحث فتح مکہ

۹۔ دیکھیے: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، الفیصل اردو بازار، لاہور ۱۹۹۱ء ۱۸۴/۱

۱۰۔ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، القاہرہ ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷

۱۱۔ ملاحظہ ہو: (الف) ابوداؤد سلیمان بن اشعث، (م ۲۷۵ھ) سنن (کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ) طبع کلاں کراچی ۲/ ۳۳۶

(ب) البلاذری، احمد ابن یحییٰ (م ۲۷۹ھ)، فتوح البلدان، دار النشر القاہرہ ۱۹۵۷ء، ص ۷۲

(ج) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر (م ۲۰۰۲ء) الوثائق السیاسیہ، مطبع لجنۃ التالیف والترجمہ، القاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۸۰۔۸۱

۱۲۔ ملاحظہ ہو: (الف) سورۃ توبہ کی آیت ۸۳ اور ۸۴ کے تحت تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر

(ب) صحیح بخاری (کتاب الجنائز) ۱/ ۱۶۹، ۱۸۰، ۱۸۲، نیز کتاب المرضیٰ، باب ۱۵، کتاب الادب، باب ۱۱۱۵ اور کتاب الاستیذان، باب نمبر ۶

(ج) ابن کثیر (م ۷۷۴ھ)، البدایہ والنہایہ، مصر ۵/ ۳۴۔۳۵

(د) قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ)، الشفاء بتعریف حقوق المصطفےٰ، مصر ۱/ ۱۰۸

(ھ) ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن (م ۵۹۷ھ) الوفا باحوال المصطفےٰ، بیروت، لبنان، ص ۴۲۲

۱۳۔ تفسیر جلالین ودیگر تفاسیر تحت تفسیر سورۃ الکافرون

۱۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۸۱ء ۶/ ۵۰۱

۱۵۔ دیکھیے: (الف) زاہد الکوثری، مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی، ت۔ن، ص ۱۲۱

(ب) مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ت۔ن، ص ۱۲۳

۱۶۔ سورۃ آل عمران: ۱۰۳

۱۷۔ سورۃ البقرۃ:۲۱۳

۱۸۔ سورۃ الروم:۳۱۔۳۲

۱۹۔ سورۃ آل عمران:۱۰۵، سورۃ الانفال:۴۶

۲۰۔ سورۃ الحجرات:۱۱۔۱۲

۲۱۔ ولی الدین، ابوعبداللہ الخطیب (م ۷۳۷ھ) مشکوٰۃ المصابیح، طبع کلاں سعید کمپنی کراچی، ص ۴۴۲

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ) الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ والقضاء/ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۲۰

۲۴۔ دیکھئے: (الف) بخاری: م ن (کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب) ج ۲ ص ۵۹۱

(ب) نسائی احمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ)، سنن (باب فی من لم یجد الماء ولا الصعید) نور محمد کراچی ج ۱ ص ۳۵

۲۵۔ ابن عبدالبر: جامع البیان العلم وفضلہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ج ۲ ص ۸۳۔۸۴

۲۶۔ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، حجۃ اللہ البالغہ، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ج ۱ ص ۶۵۷۔۶۵۸

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو ترجمہ) علماء اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۴

۲۷۔ ملاحظہ ہو: (الف) شاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م ۷۹۰ھ) الموافقات (کتاب الاجتہاد المسئلۃ الثالثۃ) مطبعۃ السلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ ج ۴ ص ۶۶

(ب) ابن عبدالبر جامع بیان العلم وفضلہ، (اردو ترجمہ) ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء ص ۱۷۰۔۱۷۱

(ج) ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) ردالمحتار علی الدر المختار مصطفٰے البابی مصر ۱۳۸۶ھ ج ۱ ص ۶۸

۲۸۔ ملاحظہ ہو: (الف) شیخ محمد خضری، تاریخ التشریع الاسلامی، (اردو ترجمہ) نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ص ۴۴۵

(ب) زرقا: ڈاکٹر مصطفیٰ احمد: ماہنامہ چراغ راہ کراچی ''اسلامی قانون نمبر''، ج ۱ ص ۳۶۴

۲۹۔ دیکھئے: (الف) زاہد الکوثری: مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۱

(ب) مناظر احسن گیلانی: مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ لاہور ص ۱۲۳

۳۰۔ دیکھئے: (الف) خضری: م ن، ص ۴۲۹ ومابعد

(ب) ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی، (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۱ تا ۶۹

۳۱۔ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین (مشہد نمبر ۱۰) قرآن محل کراچی ص ۹۰۔۹۱

(ب) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالہیہ (مبشرہ نمبر ۱۰) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۳۹۰ھ ج ۲ ص ۳۹۱

۳۲۔ دیکھئے: (الف) ابن نجیم حنفی (م ۹۷۰ھ) البحر الرائق، دار الکتب العربیہ بیروت ج ۵ ص ۱۲۴

(ب) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)، شرح فقہ اکبر، مجتبائی دہلی، ص ۱۹۹

(ج) الشعرانی عبد الوہاب: المیزان الکبریٰ (مقدمہ) عیسی البابی حلبی ت۔ن مصر ص ۱۳

۳۳۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو ترجمہ) ص ۹۰۔۹۱

۳۴۔ ولی الدین ابو عبد اللہ: مشکوٰۃ المصابیح (باب الامامۃ) سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

۳۵۔ الکاسانی علاؤ الدین ابوبکر مسعود (م ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) دیال سنگھ لائبریری، لاہور ج ۱ ص ۵۱۳

۳۶۔ جصاص ابوبکر رازی (م ۳۷۰ھ)، احکام القرآن، مطبع بہیہ مصر ۱۳۴۷ھ، ج ۳ ص ۱۰۹

☆☆☆

بسم اللہ والحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

آج کے سلگتے مسائل کا حل

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)☆

آج کے سلگتے مسائل کے حوالے سے جب ہم انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسان کو درپیش پیچیدہ اور سنگین معاشی، معاشرتی، سیاسی، داخلی اور خارجی مسائل کو دیکھتے ہیں تو یہ دنیا ہمیں "مسائلستان" کا منظر پیش کرتی نظر آتی ہے۔ مگر انسانی معاشرے میں مسائل کا پیدا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ مسائل ہمیشہ سے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ کیونکہ انسان اور مسائل لازم وملزوم ہیں اور ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اصل تشویش، المیہ اور لائق توجہ بات یہ ہے کہ ان گتھیوں کو سلجھانے اور ان گوناگوں مسائل کے حل کے لیے انفرادی، تنظیمی، جماعتی، حکومتی اور بین الاقوامی سطح پر اصحابِ فکر ونظر، اربابِ حل وعقد، دانشوران قوم اور عقلائے زمانہ جتنی مساعی وتدابیر اور جتنے ذرائع ووسائل اختیار کر رہے ہیں وہ سب "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا مصداق بن رہے ہیں۔

مسائل کے حل کے لیے یہ مساعی کیوں بارآور اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہورہیں؟ اور پیغمبر اسلام محسن انسانیت رحمت دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ان مسائل کا حل کیا ہے؟ آئندہ سطور میں اسی چیز کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

بعثت نبوی کے وقت مسائل کی سنگینی

دنیا کو آج جتنے بھی مسائل کا سامنا ہے، اُن کے بارے میں اتنی بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ان مسائل کی ہولناکی، سنگینی اور شدت وحدت اُس درجہ سے بہرکیف کم

☆ یہ مقالہ شیخ زاید اسلامک سنٹر کراچی یونیورسٹی کے زیراہتمام منعقدہ "سیرت سیمینار" مؤرخہ ۱۱۔اپریل ۲۰۰۹ میں پڑھا گیا۔

ہے جس درجہ میں اُس نے بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ محسن انسانیت ﷺ کی سراپا ہدایت ونور بعثت سے قبل ''دور جاہلیت'' میں عرب، دیگر دنیا اور اقوام کا مذہبی اخلاقی معاشی معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے جو ہولناک اور دردناک نقشہ سیرت نگاروں نے کھینچا ہے، اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے۔(۱) بعض مفسرین کے نزدیک قرآن مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ ایجاز اور بلیغ انداز میں دریا کو کوزے میں بند کرتے ہوئے درج ذیل آیت میں اسی دور جاہلیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ''

(سورۃ الروم:۴۱)

''لوگوں کی بداعمالیوں رکرتوتوں کے سبب خشکی اور تری (تمام دنیا) میں ہر قسم کا فساد ظاہر ہو گیا۔''

چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں امام ابوحیان الاندلسی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی یہ قول نقل کیا ہے کہ

''وكان قد ظهر الفساد برا وبحرا وقت بعثة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدين و ازال الفساد و اخمده صلى الله عليه وسلم''(۲)

''رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت خشکی اور تری (تمام دنیا) میں ہمہ جہتی فساد بپا ہو چکا اور تمام روئے زمین پر ظلم عام ہو چکا تھا کہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کی برکت سے دین (اسلام) کو غالب اور ہر قسم کے فساد کو زائل فرمایا اور فساد کی آگ بجھادی (ﷺ)''۔

زیر نظر آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی اسے دور جاہلیت پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا لیکن جس خوفناک عموم وشمول کے ساتھ بعثت محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق ومغرب اور بروبحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانے کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اس مشہور ومعروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے۔ (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ وفساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔"(۳)

اسی طرح ایک دوسری آیت کریمہ میں دور جاہلیت کی انتہائی سنگین اور تباہ کن صورت حال کی یوں بلیغ تعبیر فرمائی گئی ہے۔

"وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا"

(سورة آل عمران:۱۰۳)

"اور تم اپنے ماضی میں آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے (گراہی چاہتے تھے) پس اس (اللہ) نے تمہیں (اپنے رسول کے ذریعے) اس میں گرنے سے بچالیا۔"

مسائل کے حل کا اصولی ونبوی ﷺ طریقہ

یہ ایک اصولی بات ہے جس میں دو رائے نہیں کہ دنیا کے کسی بھی کام کو سرانجام دینے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عقلی ونقلی طور پر ضروری ہے کہ اس کے لیے متعین و مقرر راستے کو اختیار کیا جائے ورنہ ساری محنت رائیگاں جائے گی اور مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایک دانا نے کہا ہے:

ترجوا النجاة و لم تسلک مسالکها

ان السفینة لا تجری علی الیبس

''تو نجات کی آرزو رکھتا ہے مگر اس کے متعین راستوں پر نہیں چل رہا۔ (یاد رکھ) بے شک کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔''

اسی طرح ایک دوسرے دانا نے اس حقیقت کی طرف یوں توجہ دلائی:

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

محسن انسانیت اور نبی رحمت ﷺ کی بعثت اور تشریف آوری کا ایک مقصد قرآن مجید کے الفاظ میں یہ بھی تھا کہ

''وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ''

(سورۃ الاعراف:۱۵۷)

''اور وہ (پیغمبر اسلام) ان لوگوں سے اتار پھینکے گا ان کے بوجھ اور وہ بیڑیاں، قیدیں (طرح طرح کے مسائل و مشکلات) جنہوں نے اب تک انہیں جکڑ رکھا تھا۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے احکام کی تنگیوں کو دور کرنے اور انسانیت کو درپیش گوناگوں گھمبیر اور سنگین مسائل و مشکلات سے نجات دلانے کے لیے اپنے نور نبوت سے دیکھ کر ایک حاذق طبیب (۴) کی طرح اصولی طریقہ اپناتے ہوئے اصل مرض کی تشخیص کی اور فرمایا:

''الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب'' (متفق علیہ) (۵)

''آگاہ رہو! بے شک انسانی بدن میں ایک ایسا گوشت کا لوتھڑا ہے

کہ جب وہ درست وصحیح ہو تو سارا بدن صحیح رہتا ہے اور جب وہ بگڑ

جائے تو سارے کا سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سن لو اور وہ ہے دل"۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت اور عام مشاہدہ ہے کہ جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی۔ پوری زندگی اور دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ میں ہے۔ معاشرے کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، انبیاء کرام اور دیگر مصلحین ومفکرین میں یہی فرق ہے کہ انبیاء نے مسائل کے حل کے لیے اصل مرض کی تشخیص کی جبکہ دوسرے مصلحین اصل مرض کی تشخیص کیے بغیر تجربات کرتے اور ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ درج بالا ارشاد نبوی میں پیغمبر اسلام ﷺ نے بتایا کہ معاشرے اور انسانیت کے لیے مسائل پیدا کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ دل کا ہے۔ بنیادی طور پر انسان کے دل میں بگاڑ آ گیا ہے۔ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے۔ اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کی طرف زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے، اس کے دل کو مانجھا جائے اور اس کا تزکیۂ نفس کیا جائے۔ مسائل اور پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کی اسی نبوی حکمت عملی کے پیش نظر مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

ہر قسم کے مسائل کو حل کرنے اور خرابیوں کو دور کرنے کے لیے طریقۂ انبیاء کے مطابق دل کی اصلاح کس قدر ضروری اور کتنی مقدم ہے؟ اس کی وضاحت کے لیے سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ تجزیہ قابل مطالعہ ہے:

"پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا مزاج نہیں بدلتا، تو کچھ

نہیں بدلتا...... پیغمبر دلوں میں انجکشن لگاتے ہیں۔ لوگ باہر کی ٹیپ
کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں۔ پیغمبر اندر کے گھن
کی فکر کرتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں یہ ہو رہا ہے۔ انسانیت کا
درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کیڑا اس کے گودے کو
کھائے چلا جا رہا ہے۔ لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا
رہے ہیں۔ درخت کے اندر کی سر سبزی اور اس کے نشو ونما کی جو قوت
تھی وہ ختم ہو چکی ہے لیکن پتیوں کو سر سبز کرنے کو ہوائیں
(Gases) پہنچائی جا رہی ہیں۔ پانی چھڑکا جا رہا ہے کہ خشک پتے
ہرے ہوں۔ پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی۔
انہوں نے اسے ایمانی انجیکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے
انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے چلتے پھرتے
اسے نگراں مان۔''(۶)

الغرض آج کے سلگتے مسائل کے حل اور موجودہ گھمبیر بلکہ انسانیت کش صورت
حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ وہی طریقہ اپنایا جائے جسے ہمارے پیغمبر اکرم ﷺ
اور سابقہ انبیاء کرام سلام اللہ علیہم اجمعین نے اختیار فرمایا۔ کیونکہ

لیس لنا الا الیک، فرارنا وایـن فرار الناس الا الی الرسل

اور بقول شیخ سعدیؒ

خلاف پیمبر کسے راہ گزید که ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

آج کے تمام سلگتے مسائل کا احاطہ اس مقالہ میں ممکن نہیں۔ اس لیے آئندہ سطور
میں چند اہم سلگتے مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی
روشنی میں ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ا) انسان سازی کی ضرورت

درج بالا تمہیدی معروضات کی روشنی میں راقم الحروف کے نزدیک آج کے سلگتے مسائل میں سر فہرست مسئلہ "انسان سازی کی ضرورت" ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان جسے اللہ کریم نے "احسن تقویم" کی صورت میں پیدا فرما کر اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ پھر اس کے سر پر "ولقد کرمنا بنی آدم" کا تاج سجا کر اسے "خلیفۃ اللہ فی الارض" کے عظیم اور عالی مرتبت منصب پر فائز کیا ہے، درحقیقت اس کی شکل وشباہت رنگ روپ اور قد کاٹھ کا نام نہیں بلکہ اس کے ایمان، عمل صالح، زہد وتقویٰ، قلب وباطن کی صفائی، افکار وخیالات کی پاکیزگی، اللہ ورسول کی محبت، انسانیت کی ہمدردی وخیر خواہی اور حسن اخلاق کا نام ہے۔ ظاہری شکل وصورت، چہرے کی بناوٹ اور اعضاء وجوارح کی ساخت کے لحاظ سے تو سارے بنی آدم ایک جیسے ہیں مگر یہی اخلاق اور اوصاف حمیدہ ایک انسان کو اعلیٰ علیین اور دوسرے کو اس کی بداعمالی "اسفل السافلین" میں پہنچا دیتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

گر بصورت آدمی انساں بودے   احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آج انسان نے مادی اعتبار سے اور سائنسی تحقیقات وایجادات کے میدان میں جتنی ترقی کر لی ہے، رسل ورسائل کے تیز ترین ذرائع سے جس طرح شرق وغرب کے فاصلے سمیٹ دیئے گئے ہیں، دنیا کے ایک کونے پر بیٹھے ہوئے آدمی کی بات کو سننا اور اسے دیکھنا دوسرے کونے پر بیٹھے ہوئے آدمی کے لیے جس طرح ممکن ہو گیا ہے اور تعیشات کے جتنے سامان مہیا کر دیے گئے ہیں، ۷۰۔۶۰ سال پہلے ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جتنی تیز رفتاری سے انسان سائنسی ومادی میدان میں ترقی کر رہا ہے، اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اتنی ہی اس کے اندر انسانی اقدار کی کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔ حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے شاید

اسی امر کو مد نظر رکھ کر کہا تھا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

آج انسانوں کو دنیا میں جتنے مسائل درپیش ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کے نہیں بلکہ ''ایں ہمہ آوردہ تست'' کے مصداق انسان کے ہی پیدا کردہ ہیں۔

در دست طبیب است علاج ہمہ دردے
دردے کہ طبیبے دہد آں راچہ علاجے

اس حقیقت کی وضاحت سید ابوالحسن علی ندوی نے بڑے عمدہ پیرائے میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس دنیا کی بدبختی و بدنصیبی آلات و وسائل اور سازوسامان کا فقدان نہیں، بلکہ ان آلات و وسائل کا غلط اور بے محل استعمال ہے۔ اس دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ مصیبت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرت سلیمہ سے انحراف ہے۔ وسائل و ذرائع تو انسان کے لیے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں، جو اس کا حکم مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی قصور ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت و تندی اور اس کی کمیت و کیفیت میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔''(۷)

انسان سازی کی اسی ضرورت اور حد درجہ اہمیت کے پیش نظر محسن انسانیت ﷺ نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور عقیدہ وفکر کی اصلاح اور ذہن سازی پر دیا۔ اپنے فرض منصبی کو نباہتے ہوئے اپنے نور نبوت اور فیض صحبت سے ایک ایک آدمی کا تزکیہ نفس کیا۔ انہیں دنیا پرستی، خود غرضی، حرص ولالچ، انا پسندی، ظلم وزیادتی، خواہش پرستی اور حب جاہ ومال جیسی نفسانی اور تمام مفاسد کی جڑ آلاؤشوں سے پاک کر کے انکا ایسا تزکیہ وتحلیہ کیا اوران میں ایسے اوصاف حمیدہ، اخلاق حسنہ، انسانی خوبیاں اور کمالات پیدا کر دیے کہ ان جیسے باکمال اور رشک ملائکہ انسان آسمان کی آنکھ نے اس سے پہلے کبھی دیکھے تھے نہ آج تک دیکھ سکی ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات اور کمالات میں سب سے بڑا معجزہ اور کمال یہ ہے کہ آپؐ نے دور جاہلیت کی ظلمت در ظلمت میں بھٹکنے والے عرب کے بدوؤں گنواروں اور امیوں کو قعر مذلت سے نکال کر آسمان ہدایت کا درخشندہ ستارہ بنا دیا۔(۸)

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پراوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

(۲) جرائتمند، دیانتدار اور مخلص قیادت کا فقدان

آج کے سلگتے مسائل میں ایک سلگتا ہوا مسئلہ نڈر، دلیر، جرائتمند، دیانتدار، ہمدرد، خیر خواہ، ایثار پیشہ اور مخلص قیادت کا فقدان ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس قسم کی مؤثر بے لوث اور اہل قیادت کا فقدان صرف سیاسی سطح پر نہیں، مذہبی و روحانی میدان بھی اس طرح کی قیادت سے خالی نظر آتا ہے، کچھ اسی طرح کی صورت حال کو دیکھ کر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

انسانی نفسیات اور عام مشاہدہ ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین اور طور اطوار پر چلتے ہیں) اس لیے اصولی طور پر کسی بھی ملک وقوم کے استحکام، ترقی وعروج اور سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی قیادت اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنے مشن سے مخلص، بے لوث اور جرأتمند ہو۔ کوئی خوف اور لالچ اسے اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکے۔ کیونکہ کسی بھی ملک وقوم کی داخلی وخارجی سلامتی اور استحکام کے لیے چند لازمی عناصر ہوتے ہیں جن کا گراف جس قدر اونچا ہوتا ہے ملک اسی قدر مضبوط ومستحکم ہوتا ہے اور جتنا گراف نیچے آتا ہے ملک اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی چیز یارائس العناصر جرأتمند، پراعتماد اور مخلص قیادت ہے جو نامساعد حالات میں بھی قوم میں مایوسی پیدا نہ ہونے دے۔ قوم کے سامنے ایسا بلند نصب العین پیش کرے جو اتنا واضح ہو کہ قوم کو اس کی حقانیت میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ پھر قیادت اس نصب العین اور مشن کے ساتھ اتنی مخلص ہو کہ قوم کا کوئی فرد اس کے اخلاص پر انگلی نہ رکھ سکے۔ قیادت میں اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو قوم کی طرف سے فطری طور پر وفا ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور قوم وقیادت کے درمیان اس طرح کا وفادارانہ اور فدایانہ تعلق ملکی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے موجود ہے، اعلان نبوت کے بعد کونسی ایسی اذیت اور مصیبت ہے جو مکہ مکرمہ میں آپ کو پیش نہیں آئی۔ کون سا ایسا لالچ ہے جو آپ کو نہیں دیا گیا مگر آنجنابؐ نے ان کٹھن حالات میں بھی نہ خود ہمت ہاری نہ پستی دکھائی نہ اپنے مشن سے پیچھے ہٹے نہ اپنے ماننے والوں (صحابہ) کا حوصلہ پست ہونے دیا بلکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے انہیں عرب وعجم کے ان کے باجگوار ہونے کا مژدہ سنایا۔ (۹) لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی خیر خواہی اور غمخواری کی چشم دید گواہی آپ کی قریب ترین شخصیت یعنی ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے دی ہے۔ (۱۰) اپنی قوم کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی کا بے مثال طرز عمل آپؐ نے اس وقت بھی نہ چھوڑا جب آپؐ

دس لاکھ مربع میل کے واحد حکمران تھے۔ (۱۱) اور جب رب کریم نے آپؐ کے واسطے زمین کے خزانے کھول دیے بلکہ زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت فرمادی تھیں۔ (۱۲) جب آپؐ کے سامنے ہدایا خمس جزیہ اور مال غنیمت کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ (۱۳) اور جب آپؐ کے لیے پہاڑوں کو سونا بنادینے کی پیشکش کی گئی۔ (۱۴)

اپنی لیڈری چمکانے کے لیے عوامی ہمدردی، خیر خواہی اور خدمت کے نعرے لگانے والے بہت مل سکتے ہیں مگر چشم فلک نے آج تک ایسا بے لوث قائد نہیں دیکھا جس پر ہن برس رہا ہو، اقتدار قدم چوم رہا ہو، عیش و آرام کے تمام مواقع میسر ہوں مگر وہ یہ دعاء کر رہا ہو:

"اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین" (۱۵)

جس کی اپنی قوم کے ساتھ حد درجہ ہمدردی خیر خواہی اور رافت و رحمت کی گواہی خود ان کا رب دے رہا ہو۔ (۱۶) جو پہلے اپنے غلاموں کو کھلاتا ہو بعد میں خود کھاتا ہو۔ (۱۷) جو پریشان حال لوگوں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہو اور اسے اس وقت تک چین نہ آتا ہو جب تک کہ ان کی پریشان حالی کا سامان نہ کر لے۔ (۱۸)

اپنے غلاموں یا اپنی رعایا کے ساتھ اس حد درجہ اخلاص اور شفقت و رحمت کے جواب میں غلامان محمدؐ نے جس عقیدت و محبت اور جس بے مثال وفا کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ مجموعی طور پر حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی حد درجہ عقیدت و محبت، اطاعت و اتباع اور تعظیم و تکریم کا اندازہ کرنے کے لیے عروہ بن مسعود ثقفی کی وہ چشم دید گواہی کافی ہے جو انہوں نے معاہدہ صلح حدیبیہ سے واپسی پر اہل مکہ کے سامنے دی تھی اور جو "الفضل ماشھدت بہ الاعداء" کا درجہ رکھتی ہے۔ (۱۹)

(۳) دفاعی قوت کی کمزوری

آج کے سلگتے اور حد درجہ افسوسناک مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے پاس اس وقت جتنی افرادی قوت اور جتنے وسائل ہیں، اتنے زبردست اور وافر وسائل کا

وجود گذشتہ چودہ صدیوں میں نظر نہیں آتا۔ اس کے باوجود پورا عالم اسلام دفاعی اعتبار سے جتنا کمزور اور جنگی تیاریوں، سامان حرب اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنا پیچھے ہے، اس کی مثال بھی ماضی میں نہیں ملتی۔ اس سے بھی بڑا المیہ کمزوری یا لائق ماتم امر یہ ہے کہ استحصالی سامراجی استعماری اور اسلام دشمن قوتیں افغانستان اور عراق جیسے قدیم اسلامی ممالک میں لاکھوں بے گناہ اہل ایمان کو تہہ تیغ کرنے کے بعد وہاں اپنے ظالمانہ پنجے گاڑ چکی ہیں اور بظاہر دور دور تک چھٹکارے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ اسی طرح ان کی فوجیں سعودی عرب، کویت اور پاکستان میں بھی ڈیرے جمائے بیٹھی ہیں اور جب ان کا جی چاہتا ہے ''القاعدہ'' اور نام نہاد ''دہشت گردی'' کے خاتمہ کی آڑ میں ''ڈرون'' حملوں سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ کسی اسلامی ملک میں اتنی جرأت نہیں کہ ان درندوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکے اور ان کے منہ زور گھوڑے کو لگام دے سکے۔ جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ کسی اسلامی ملک کے پاس اتنی دفاعی قوت اور کسی مسلمان حکمران میں اتنا دم خم نہیں کہ ان کے مذموم اور مسلمان کش عزائم میں حائل ہو سکے۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس کے برعکس فطری امر ہے کہ اگر کسی حملہ آور انسان کو یہ معلوم ہو کہ جس آدمی یا ملک پر وہ حملہ کرنے لگا ہے وہ غافل کمزور اور چوڑیاں پہن کر نہیں بیٹھا ہوا بلکہ پوری طرح مسلح مضبوط اور تیار ہے تو وہ حملہ کرنے سے پہلے دس بار سوچے گا۔ اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دفاعی میدان میں دشمن کے مقابلے میں بھرپور تیاری حفاظتی تدابیر اور تمام ممکنہ وسائل اپنانے کی تاکید کی ہے تاکہ کسی دشمن اسلام کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا خُذُوْا حِذْرَکُمْ" (سورۃ النساء:۷۱)

"اے ایمان والو! اپنی احتیاط کرلو یا اپنے ہتھیار تیار رکھو۔"

مفسرین کے مطابق "حذر" کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے۔ ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے، اس میں شامل ہے۔ خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدابیر اور منصوبے۔ مسلمان کی ساری زندگی ویسے تو جہاد سے عبارت ہے لیکن جب جہاد نہ ہو تو جہاد کی تیاری بھی عین جہاد ہے۔ یہ حضورؐ کی مسلسل جنگی تیاریوں کا ہی نتیجہ تھا کہ غزوۂ بدر میں مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ تھی جو فتح مکہ کے وقت دس ہزار اور غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مشکل ترین حالات میں بھی تیس ہزار ہو گئی۔

جہاد اور جہاد کی تیاری سے غفلت قرآن و حدیث کے مطابق اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (۲۰) دفاع اور جنگی تیاریوں کے سلسلے میں حکم الٰہی ہے:

"اور ان (دشمنان اسلام) سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو طاقت سے اور جہاد کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعے تم خوف زدہ رکھ سکو اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو جن کو تم نہیں جانتے ہو مگر اللہ انہیں جانتا ہے۔" (سورۃ الانفال:۶۹)

علامہ زمخشری، بیضاوی، رازی اور ابوبکر جصاص وغیرہ کبار مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں "ما" اور "قوۃ" کا لفظ عام ہے جس میں قیامت تک تیار ہونے والے ہر زمانے کے جنگی تقاضوں کے مطابق جدید آلات حرب اور سامان جنگ داخل ہے جو اپنے زمانے میں دشمن کے خلاف طاقت حاصل کرنے اور اس پر خوف طاری رکھنے کا ذریعہ بن سکے۔ اسی طرح "رباط الخیل" سے مراد وہ تمام اسباب وسائل ہیں جن سے میدان جنگ میں دشمن کو نیچا دکھایا جا سکے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ "قوۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے معلم کتاب وحکمت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ فرمایا:

"الاان القوۃ الرمی الاان القوۃ الرمی الاان القوۃ الرمی "(۲۱)

"سن لو! بیشک قوۃ سے مراد "رمی" ہے۔"

اس وقت رمی کی معروف و متعارف شکل تیر اندازی تھی۔ اس لیے "رمی" سے مراد عام طور پر تیر اندازی ہی سمجھا جاتا ہے مگر حضور ﷺ اپنے نور نبوت سے آنے والے زمانے میں راکٹ، میزائل اور بم وغیرہ جیسے جنگی ہتھیاروں کو بھی دیکھ رہے تھے اس لیے صاحب جوامع الکلم نے کمال بلاغت سے قوۃ کی تفسیر ایسے لفظ سے فرمائی جس میں تیر کے علاوہ دور سے پھینکے جانے والے تمام ہتھیار (راکٹ، میزائل، بم وغیرہ) بھی آجاتے ہیں۔

ان جنگی تیاریوں کا مقصد سامراجی طاقتوں کی مانند بلاوجہ کسی قوم و ملک پر جنگ مسلط کرنا، جارحیت کرنا یا اس کے وسائل پر قبضہ کرنا نہیں بلکہ فقط "ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و آخرین من دونھم" ہے تاکہ کسی دشمن اسلام کو "القاعدہ" کی آڑ میں اسلامی بستیوں پر قبضہ کرنے، ڈرون حملے کرنے، بمباری کرنے، فساد بپا کرنے، امن عام میں خلل ڈالنے، انسانیت پر ظلم کرنے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے راستے میں حائل ہونے کی جرأت نہ ہو۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی دفاع سے غافل نہیں رہے۔ (۲۲) آپ کی مدنی زندگی کے دس سال دشمنان اسلام سے عملاً جہاد یا جہاد کی تیاری میں گزرے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں:

"بہر حال لوگوں کی فوجی تربیت کے لیے مختلف انتظامات کیے جاتے تھے۔ تفصیلات میں میں جا نہیں سکتا۔ صرف یہ عرض کروں گا کہ فوج کو حالت امن میں جنگی کاموں کے لیے تیار کیا جاتا۔ گھوڑ دوڑ کرائی جاتی، اونٹوں کی دوڑ ہوتی تھی۔ گدھوں کی دوڑ ہوتی تھی۔ آدمیوں کی

دوڑ ہوتی تھی۔ کشتیوں کے مقابلے کرائے جاتے تھے۔ اسی طرح تیراندازی کی بہت ترغیب دی جاتی۔ اس پر انعامات دیے جاتے۔ گھوڑ دوڑ میں بھی جیتنے والوں کو انعام دیا جاتا۔ غرض فوج حالت امن میں بھی تن دھن قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی۔" (۲۳)

نبی اکرم ﷺ جنگی تیاری اور فوجی مشقوں کی کس طرح حوصلہ افزائی فرماتے تھے، اس کا اندازہ درجہ ذیل ایمان افروز روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔

"حضرت سلمہ بن الاکوع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو ایک بازار (میدان) میں تیراندازی کا باہمی مقابلہ کر رہے تھے۔ آپؐ نے (یہ چیز دیکھ کر بطور حوصلہ افزائی) فرمایا: اے بنی اسماعیل! تیراندازی جاری رکھو کیونکہ تمہارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی بڑے تیرانداز تھے اور میں دونوں ٹیموں میں سے بنی فلاں کی ٹیم کے ساتھ ہوں۔ اس پر مد مقابل ٹیم نے مقابلے سے اپنے ہاتھ روک لیے۔ حضرت سلمہ کہتے ہیں: آپؐ نے ان سے فرمایا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم کیسے تیراندازی (مقابلہ) کر سکتے ہیں جبکہ آپؐ بنی فلاں کے ساتھ ہیں۔ (اس انتہائی تعظیم اور ادب رسول کو دیکھ کر) آپؐ نے فرمایا: تم تیراندازی (مقابلہ) جاری رکھو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ (۲۴)

اسی طرح آپؐ نے تعلیم امت کے لیے اپنے زمانے کے جدید آلات حرب مثلاً دبابہ اور منجنیق وغیرہ کا بھی استعمال فرمایا۔ (۲۵)

(۴) تفرقہ بازی اور مسلکی تعصب

آج کے سلگتے مسائل میں ایک انتہائی تباہ کن مسئلہ بلکہ ازروئے قرآن "عذاب" (۲۶)
اہل اسلام کی باہمی تفرقہ بازی اور گروہ بندی بھی ہے۔ تفرقہ بازی کا یہ اندرونی عذاب بدقسمتی سے اتنا پھیل گیا ہے کہ دنیاداروں، کاروباری لوگوں برادریوں اور سیاستدانوں میں تو یہ چیز پائی ہی جاتی تھی مذہبی طبقہ بھی بری طرح سے اس کا شکار ہو گیا ہے۔ جس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" اس تفرقہ بازی سے آگے مختلف مکاتب فکر میں جو مذہبی و مسلکی تعصب آ گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ لمحہ فکریہ ہے۔

آج ہمارا وطن عزیز پاکستان جو برصغیر کے لاکھوں مسلمان مردوں، جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور شیر خوار بچوں کی جانی و مالی قربانیوں اور تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کی کئی سالوں پر مشتمل مشترکہ جدوجہد کے بعد جا کر حاصل ہوا تھا، جس فرقہ وارانہ تشدد، مسلکی تعصب اور مذہبی منافرت یا مذہب و مسلک کے نام پر دہشت گردی کے افسوس ناک حالات سے دوچار ہے، اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ پاکستان کا کونسا ایسا شہر ہے جہاں فتنہ وفساد کی آگ نہیں سلگ رہی۔ کوئی گھر محفوظ نہیں۔ کوئی ادارہ محفوظ نہیں، کوئی پبلک مقام محفوظ نہیں حتی کہ مساجد اور امام بارگاہیں بھی دہشت گردی سے نہیں بچ سکیں۔ نوبت بایں جا رسید کہ نماز جیسی عبادت مسجد جیسی پرامن جگہ میں کلاشنکوفوں اور بندوقوں کے سایہ میں پڑھنی پڑ رہی ہے۔ مساجد اور عبادت گاہوں کا احترام تو غیر مسلم بھی کرتے تھے اس وقت قبائے ملت تار تار ہے اور چادر اخوت واتحاد پارہ پارہ۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یوم نحر کے دن حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک روایت کے مطابق میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی گردن مارنے لگے۔ (۶۷) بتاتا ہے کہ آپس کا کشت وخون نگاہ نبوی میں کفر وضلال ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، مقلد وغیر مقلد کے فروعی اختلافات کو ہوا دے کر اور ان میں بے جا تشدد کا

راستہ اختیار کر کے اپنے ملک کی بنیادوں کو کمزور کیے جا رہے ہیں۔ جو رسول اپنے پرائے دوست دشمن بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آیا، جس نے محض امن کی خاطر حدیبیہ کے مقام پر ناروا شرائط کے باوجود مکہ کے کافروں سے صلح کر لی۔ اہل بیت اطہار کے سرخیل جس امام عالی مقامؓ نے میدان کربلا میں بھی حتیٰ الامکان مسلمانوں کی باہمی خون ریزی سے بچنے کی کوشش کی اور جن صحابہ کرامؓ کی خصوصی شان اور وصف قرآن مجید نے رحماء بینھم (آپس میں رحم دل ہیں) بیان کیا ہے۔ آج انہیں امن کی پیامبر و علمبردار پاکیزہ ہستیوں کے نام پر اور ان کی نسبت سے مختلف ''مذہبی تنظیمیں'' اور ''تحریکیں'' وجود میں آ گئی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر امت مسلمہ میں تفرقہ ڈالنے اور نفرت پھیلانے کے گناہ عظیم کا ارتکاب کر رہی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ انہیں اس ناقابل معافی جرم کا احساس بھی نہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

زیر بحث مسئلہ کی حد درجہ سنگینی کے پیش نظر یہ صراحت بے جا نہ ہو گی کہ شریعت کے وہ احکام جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں۔ جن پر دین و ایمان کا دار و مدار نہیں اور ان کے بارے میں شارع علیہ السلام سے ایک سے زیادہ اور بظاہر متعارض ارشادات منقول ہیں یا قرآن و سنت میں ان کی تعبیر کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کے احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس و رائے پر رکھی گئی ہو یا پیش آمدہ ایسے جدید مسائل جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے شرعی حکم میں فقہاء و مجتہدین کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر اور بیدار مغزی کی علامت ہے۔ ایسا اختلاف شریعت کی نگاہ میں مذموم اور خلاف شریعت نہیں بلکہ محمود ہے۔

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر معروف اصول فقہ امام شاطبیؒ نے الموافقات

جلد چہارم کتاب الاجتہاد کے "تیسرے مسئلہ" میں تفصیلی بحث کی ہے۔ پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس اجتہادی اختلاف کے "منشاء الٰہی" اور "مرضی رسول ﷺ" ہونے کے ثبوت میں اپنے "مقدمہ تدوین فقہ" میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل بڑی مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور درج بالا قسم کے احکام میں صحابہ کرامؓ کے درمیان نبی رحمت ﷺ کی زندگی میں بھی اختلاف ہوا جس کی آنجنابؐ نے تائید فرمائی۔ (۲۸) اور آپؐ کے وصال کے بعد بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد، جیش اسامہ کی روانگی، سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم، یزید کے خلاف مسئلہ خروج جیسے مسائل کے پہلو بہ پہلو، وضو طہارت عبادات اور معاملات کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلافات سامنے آئے اور قائم رہے۔ (۲۹)

صحابہ کرامؓ کے یہی اختلافات آگے چل کر تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی وفروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل کا سب سے بڑا سبب بنے۔ (۳۰) پھر صحابہ وائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف فقہی مذاہب ومسالک کی تشکیل، فقہ واجتہاد کے فروغ، اجتہادی بصیرت اور فکر ونظر کی جلاء، علماء میں استنباط واستخراج احکام کے ملکہ میں ترقی اور سب سے بڑھ کر امت کے لیے وسعت، آسانی، رحمت اور شریعت پر عمل درآمد کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوئے۔ (۳۱)

دوسرے یہ متعصبانہ رویہ صحابہ کرامؓ اور خود فقہی مسالک کے بانی ائمہ مجتہدینؒ (جن کی طرف منسوب ہونے کا فخر سے دعویٰ کیا جاتا ہے) کی تعلیمات اور ان کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ یہ ائمہ مجتہدین اور ان کے براہ راست شاگرد متعدد مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف، خلوص ومحبت، تعظیم وتکریم اور باہمی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ (۳۲)

تیسرے ائمہ مجتہدینؒ کا اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف بقول علامہ زاہد الکوثری صرف ایک تہائی مسائل میں ہے جبکہ دو تہائی مسائل میں اتفاق ہے اور جس ایک تہائی میں اختلاف ہے وہ بھی جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ صرف اولیٰ و عدم اولیٰ کا اور اس حد تک ہے کہ "احوط و ایسر" اور "افضل و بہتر" کیا ہے؟ (۳۳)

چوتھے یہ مسالک اصولی و بنیادی طور پر بھی ایک ہیں۔ (۳۴) اور شاہ ولی اللہؒ کے ایک کشف کے مطابق باطنی و روحانی طور پر بھی یکساں ہیں اور کسی کو دوسرے پر شرعاً کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ (۳۵)

پانچویں یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی نازک معاملہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔ (۳۶)

ان ساری چیزوں کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش اور مفاد پرست لوگ پہلے بھی مسلکی اختلافات میں تعصب و غلو کا شکار ہوتے رہے اور آج بھی اسی تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

آج کل ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی اسی مسلکی تعصب کا شاخسانہ ہے جبکہ صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور خیر القرون کے لوگوں کو مسائل میں ہزار باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہ تھا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان او فاجراً" (۳۷)

"ہر مسلمان خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس کے پیچھے با جماعت نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔"

ایک روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"صلوا خلف كل من قال لا اله الا الله وفي رواية خلف كل بر و فاجر" (۳۸)

''ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔''

اسی طرح مسالک کی بنیاد پر مساجد کی تفریق و تقسیم حتیٰ کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو اپنی مسجد میں داخل نہ ہونے دینا بھی انتہائی درجے کا تعصب ہے۔ جبکہ نبی رحمت ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد نبوی کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ الخ'' کے تحت لکھا ہے:

''ولم یکن اهل الذمة ممنوعین من هذه المواضع''

''ان مواضع یعنی مساجد میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے''۔

اور اس رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد قیس کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیان کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔(۳۹)

(۵) غربت وافلاس

اس وقت ساری دنیا کو بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص درپیش سنگین اور تشویشناک مسائل میں ایک اہم اور فوری غور وفکر اور مؤثر حل کا متقاضی مسئلہ غربت وافلاس ہے۔ جس نے اکثر لوگوں کا دم ناک میں بلکہ خودکشی اور اولاد بیچنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اس غربت وافلاس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کنندگان وہ ظالم، لٹیرے، قارون صفت، حریص اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ یہی حرص و لالچ، ناانصافی اور استحصال معیشت کے میدان میں ''ام الخبائث'' یا ''ام الامراض'' ہے۔ جو بے شمار خرابیوں کی بنیاد اور جڑ ہے۔ آج سے کوئی چودہ سو سال قبل درس گاہ نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے تعلیم و فیض یافتہ حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض

قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس لیے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔" (۴۰)

کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے جس انسان کو پیدا کیا ہے اس کے رزق کا بھی وافر مقدار میں سامان کیا ہے۔ مگر آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ اس ہوس کو بمطابق حدیث نبوی قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔ (۴۱)

مشہور مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے ایک امیر کے زیادہ کھانے اور ایک غریب کو کھانا نہ ملنے کے باعث پیٹ میں درد ہو جانے کا چشم دید واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہے:

آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا۔ نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے۔ البتہ طاقتور کمزوروں کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آجاتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے یہ سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین و آسمان۔ (۴۲)

زیر بحث غربت و افلاس کا بنیادی سبب خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ فطری و طبعی طور پر انسان کا واقعی اور ناگزیر اور ہر زمانے میں بڑی اہمیت کا حامل مسئلہ رہا ہے اس کے حل کے لیے معاشی مفکرین اور اہل حل وعقد نے اپنے انسانی عقل وفہم کے مطابق کئی معاشی و اقتصادی نظام وضع کر کے تجربات کیے ہیں مگر محدود اور طبعی طور پر خود غرضی کا شکار انسانی

ذہن اب تک دنیا کے اس ناگزیر اور اہم ترین مسئلہ کا معقول، قابل قبول، منصفانہ اور کامیاب حل پیش نہیں کر سکا۔ ان ایجاد بندہ اقتصادی نظاموں کا تحقیقی تجزیہ یہاں ممکن نہیں۔ البتہ اتنی بات اظہر من الشمس ہے کہ ان نظامہائے معیشت نے دنیا کے اس لازمی مسئلے کو حل کرنے کی بجائے الٹا اسے الجھایا اور غربت کے مارے لوگوں کے دکھوں میں اجتماعی طور پر اضافہ ہی کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

اب آیئے اس سلگتے مسئلے کا حل محسن انسانیت ﷺ کے عملی اسوۂ حسنہ، سیرت طیبہ اور تعلیمات وہدایات کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ اور یہ بات محض عقیدت نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ دنیا خصوصاً امت مسلمہ جب تک اس سراج منیر سے روشنی حاصل نہیں کرے گی۔ یوں ہی ہر میدان میں ذلیل وخوار ہوتی رہے گی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات اور عملی تدابیر کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

i۔ محنت وروزگار کا فروغ

پیدائش دولت کا ایک اہم ذریعہ محنت ہے۔ محنت کے حوالے سے جب ہم سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کو جو عزت، جو حوصلہ افزائی اور قابل رشک حد تک جو مرتبہ ومقام آپ ﷺ نے بخشا اس کا وجود روئے زمین پر آپ کی تشریف آوری سے قبل تھا نہ آج کی متمدن ومہذب اور بزعم خویش حقوق انسانی کی علمبردار دنیا میں پایا جاتا ہے۔ محنت مزدوری اور ہاتھ سے کما کر کھانے کو آپ کس قدر و منزلت سے دیکھتے تھے اور اس کی دنیوی واخروی برکات ودرجات کیا ہیں اس کے لیے اکثر کتب حدیث میں موجود باب "باب طلب کسب الحلال" کا مطالعہ کافی ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لیے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا۔ (۴۳)

ہاتھ سے کما کر کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہو سکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔" (۴۴)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ پھر اسے کوئی دے یا نہ دے۔" (۴۵)

نبی اکرم ﷺ نے خود بھی جیسا کہ اوپر گزرا، محنت مزدوری کو کبھی عار نہ سمجھا اور تعلیم امت کے لیے ہاتھ سے کما کر کھانے والوں کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ اس سے بڑھ کر محنت مزدوری کی حوصلہ و عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا: "یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے۔" (۴۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی۔ (۴۷)

پاک نبی ﷺ پر نازل ہونے والی پاک کتاب نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ بوجوہ محنت و روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔ (۴۸)

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ہر مؤمن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت بازو اور اپنی خداداد جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمین پر پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے اپنی پسند کے مطابق شرعاً جائز ذرائع سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی معاش کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں وہ آزاد ہوگا۔ اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو نہ صرف

دور کیا جائے گا بلکہ اسلامی ریاست اس کے لیے روزگار کے مواقع مہیا کرے گی۔ جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک بے روزگار نوجوان کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کے فروخت کیے۔ ایک درہم سے اس کے اہل خانہ کے لیے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار میں بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔ (۴۹)

ii۔ ایثار و انفاق اور مؤاسات کی تلقین

یہ بات چنداں محتاج بیان نہیں کہ کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحب ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا اور بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں از روئے قرآن مجید کئی تکوینی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ (۵۰) مگر ہم خالق کائنات کے تکوینی نظام کی بجائے اس کے آخری رسول ﷺ کے عطا کردہ تشریعی نظام کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ جو دین فطرت ہے، درجات معیشت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات کی تو قائل نہیں البتہ اس نے "حق معیشت" میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔ اس کے لیے اس نے بالعموم خوشدلانہ، رضا کارانہ اور برادرانہ مؤاسات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات وجذبات سے کام لیا ہے۔ اس لیے غربت وافلاس کا مسئلہ زیادہ تر تو شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہو جاتا ہے باقی کسر قانون کی مدد سے نکال لی جاتی ہے۔ سیرت نبوی میں اسکی سب سے بڑی مثال سرکار دو عالم ﷺ کا وہ عقد مؤاخاۃ ہے جو آپ ﷺ نے اجڑے بچھڑے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان قائم فرمایا تھا۔ جس کی مدد سے آنجناب ﷺ نے مہاجرین کی رہائش خوراک اور کاروبار کا مسئلہ فوری طور پر اتنی آسانی سے حل فرمایا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خورد و نوش، لباس، تعلیم، علاج معالجہ کی

بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور دوسری طرف ایک طبقہ عیش و عشرت فضول خرچیوں اور اپنے اللوں تللوں سے ان غربت کے مارے لوگوں کے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ صورت حال کچھ یوں ہو کہ

ہے اِدھر بھی آدمی، ہے اُدھر بھی آدمی
اس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرے پر نہیں

حضرت جریرؓ سے مروی مسلم شریف کی یہ روایت قابل غور ہے کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ جب ننگے پاؤں ننگے جسم اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو "فتمعر وجه رسول الله ﷺ" یعنی ان کی یہ خستہ حالی دیکھ کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور آنجناب ﷺ کو اس وقت تک چین نہیں آیا اور اس وقت تک آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار نہیں ہوئے جب تک کہ ان کی اس تنگ حالی کا ضروری سامان نہیں ہو گیا۔ (۵۱)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دینے کی نبی اکرم ﷺ نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ

"ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی اپنی سواری پر آپ ﷺ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادراہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادراہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں۔ (۵۲)

امام غزالیؒ کی "الاسلام والمناهج الاشتراکیه" کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے:

"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے (کہ ان کی نگہداشت کرے) لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کا ملالیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا"۔ (۵۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ

"اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔" (۵۴)

یہی حضور اکرم ﷺ کی حسین تعلیمات تھیں جنہوں نے امراء و اغنیاء کے دل میں غریب کی محبت، احساس ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری، ایثار و قربانی کے جذبات پیدا کئے۔ ترمذی میں ہے:

"یؤثرون ذاالحاجة و یحفظون الغریب" (۵۵)

"وہ حاجتمند کو (اپنی ذات کے مقابلے میں) ترجیح دیتے اور غریب / اجنبی آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔"

الغرض ایثار و انفاق مؤاسات کی اسلامی تعلیمات اور مؤثر و منظم و مخلصانہ ترغیب

کو کام میں لا کر اس وقت بھی غربت وافلاس کا مسئلہ بڑی حد تک حل کیا جا سکتا ہے۔

اقبال ناامید نہیں ہے اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

iii۔غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے قانونی دفعات

غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے طبعی بخل کے پیش نظر ایثار وانفاق کی صرف اخلاقی اور ترغیبی قسم کی ہدایات پر انحصار کر کے غرباء ومساکین کو دولتمندوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس نے اس کے لیے کچھ قانونی اور لازمی دفعات بھی رکھی ہیں۔ مثلاً قانون زکوٰۃ، قانون نفقہ، قانون میراث، کفارات، خراج، جزیہ وغیرہ جن کی تفصیلات اور جزئیات حدیث وفقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

i۔زکوٰۃ کا نفاذ:

ان قانونی دفعات میں صرف زکوٰۃ ہی ایک ایسی ایمانی دفعہ اور بابرکت ذریعہ ہے کہ اگر آج بھی پوری دیانتداری سے وصول وتقسیم کی جائے تو معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ حدیث نبوی کی رو سے اس کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک علاقے کے مالداروں سے لے کر وہاں کے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دی جائے۔ (۵٦) اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ دور کی نام نہاد جمہوری حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں۔ یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقہ اور غرباء سے وصول کیے جاتے اور اغنیاء وامراء کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں کاریگروں تاجروں ملازمین اور صنعت پیشہ لوگوں سے مختلف ٹیکسوں کے نام پر وصول کی جاتی ہے۔ بڑی سخاوت بلکہ "مال مفت دل بے رحم" کے عین مصداق بڑی بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ صدر مملکت، وزیراعظم، وزراء ومشیران کرام، عوامی نمائندوں بیوروکریٹس

اور افسران بالا کے اللوں تللوں، فضول خرچیوں، نام نمود، پرتکلف سرکاری ضیافتوں، حکومتی وسیاسی پروپیگنڈا، پروٹوکول، شاہانہ طرز کے دفاتر اور فرنیچر وغیرہ پر خرچ کردی جاتی ہے جبکہ اسلام میں زکوٰۃ کا مصرف کسی حکومت کی صدابدید پر نہیں بلکہ قرآن مجید میں ان مصارف کا تعین کردیا گیا ہے۔ جن سے باہر زکوٰۃ صرف نہیں ہوگی۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے یہی بات واضح ہوجاتی ہے کہ معاشی واقتصادی سطح پر زکوٰۃ کا ادارہ معاشرہ میں معاشی عدل وانصاف اور غربت وافلاس کو دور کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عہد نبوی، عہد خلفاء راشدین اور بعد کے کئی ادوار میں اس ذریعہ کو استعمال میں لاکر اسلامی ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ دنیا میں لاوارث نہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے اعلان فرمایا تھا: ''انا ولی من لا ولی له'' (۵۷) ''میں ہر اس شخص کا والی ہوں جس کا دنیا میں کوئی والی نہیں۔''

ایک حدیث میں فرمایا:

''جو آدمی بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہوں گے خواہ جو بھی ہوں، اور اگر وہ اپنے ذمہ دین چھوڑ کر مرا یا بچے چھوڑ کر مرا تو وہ دین اور یتیم بچے مرے ذمہ۔ میں ان کا والی ہوں۔'' (۵۸)

ii۔ قانون نفقہ کا اجراء

زکوٰۃ کے بعد اہم قانونی دفعہ قانون نفقہ ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ''کتاب النفقہ'' کے اندر دیکھی جاسکتی ہیں۔ غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے یہ وہ منفرد قانون ہے جو صرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے دولتمند رشتہ دار پر اپنے قریبی اور غریب ونادار رشتہ داروں کا نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشی ومعاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ''مشکلات الفقر وکیف عالجھا الاسلام'' میں لکھا ہے:

''فقہ اسلامی میں کتاب النفقات کے تحت رشتہ دار پر خرچ کرنے کے باب میں جو احکام دیئے گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ایسے احکام نہ

پرانی شریعتوں میں کہیں ملیں گے اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس
کا خیال تک پایا جاتا ہے۔"(۵۹)

پھر آگے چل کر انہوں نے اپنے ایک استاذ محترم ڈاکٹر محمد موسیٰ کی زبانی ان کا ایک چشم دید اور عجیب واقعہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

"شاید یہ بہتر ہو اگر میں یہاں ذکر کر دوں کہ میں قیام فرانس کے دوران جس گھر میں کچھ عرصہ رہا ہوں ایک نوجوان لڑکی بحیثیت خادمہ کے رہا کرتی تھی۔ جس کے چہرے سے خاندانی شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے گھر کی مالکہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی کیوں خادمہ بنی ہوئی ہے؟ کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو اس سے یہ کام چھڑوا دے اور اس کے لیے زندگی کی آسائشیں فراہم کر دے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکی شہر کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا ایک چچا ہے جو بڑا مالدار ہے۔ مگر وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اپنے معاملے کو عدالت میں کیوں نہیں لے جاتی کہ وہ اسے چچا سے نان نفقہ دلوائے؟ میری بات سے وہ صاحبہ حیران رہ گئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت یہ لڑکی اپنے چچا سے ایسا کوئی مطالبہ کر سکے" تب میں نے انہیں اس سلسلے میں اسلام کا حکم سمجھایا۔ وہ کہنے لگیں۔ "کون ہے جو ہمارے لیے ایسا قانون بنائے؟ اگر ہمارے یہاں یہ قانونی لحاظ سے جائز ہو تو کوئی لڑکی یا عورت ایسی نہ ملے جو کسی کمپنی کارخانے یا فیکٹری یا حکومت کے کسی محکمے میں کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔"

المختصر صاحب حیثیت آدمی پراس کے غریب والدین، بیوی، چھوٹی اور نادار اولاد، ضرورت مند بہن بھائی اور دوسرے مستحق قریبی رشتہ داروں کا نان نفقہ واجب ہے۔
اس لیے حکومت جس طرح ہنگامی بنیادوں پر مردم شماری اور ووٹر لسٹیں بنانے کا اہتمام کرتی ہے اسی طرح حکومتی ذرائع کو کام میں لاکر ملک میں واقعی غرباء و مساکین اور ان کے قریبی صاحب ثروت رشتہ داروں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ صاحب حیثیت و ثروت اگر رضا کارانہ اور صلہ رحمی کے طور پر اپنے غریب اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو قانوناً انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ قانون نفقہ کے باقاعدہ نفاذ سے بھی غریب افلاس پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح عشر، صدقہ فطر و کفارات کی لازمی ادائیگی، خراج جزیہ، مال غنیمت و مال فے اور میراث کی تقسیم وغیرہ کے لازمی احکام کا بڑا مقصد یہی ہے کہ معاشرے سے غربت و افلاس کا خاتمہ ہو۔ (۶۱)

iii تعیّشات کی بجائے سادگی کا فروغ

کسی ملک میں غربت و افلاس کا ایک بڑا سبب وہاں کے امراء بالخصوص اہل حکومت و اقتدار کا تعیّشات اللوں تللوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بود و باش کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ (۶۲) vip کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت ﷺ سے بڑھ کر کون دنیا میں vip ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس شاہ دوعالم ﷺ کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔ (۶۳) آپ کے لیے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ (۶۴) دس لاکھ مربع میل کے حکمران (۶۵) کی رہائش جس "ایوان صدر" یا "وزیر اعظم ہاؤس" میں تھی اس کا طول و عرض آج بھی "گنبد

خضریٰ" سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب والعجم کی رہائش گاہ کے "سامان زیست" اور "کل دنیا" کی تفصیل اور چشم دید گواہی آج بھی پڑھی جاسکتی ہے۔(۶۶)

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک زوجہ محترمہ یا خاتون اول کا حجرہ کس قسم کے "سنگ مرمر ساگوان کی لکڑی اور امپورٹڈ سامان" سے بنایا گیا تھا۔ اس کی تفصیل آج بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔(۶۷) حضور علیہ نے ارشاد فرمایا:

"ایاک والتنعم فان عبادا اللہ لیس بالمتنعمین"(۶۸)

"عیش کوشی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوشی نہیں کرتے"

عام افلاس کے زمانے میں ایک صحابی کے مکان پر بالا خانہ کو پسند نہ فرمایا۔(۶۹) پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔(۷۰) ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں لٹکے پردے کو پھاڑ دیا۔(۷۱)

وطن عزیز میں عام غربت کا ایک بڑا باعث حکمرانوں، عوامی نمائندوں اور دولت مند لوگوں کی عیش کوشی اور تعیش پسندی بھی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

درد کے قصے نہ پوچھ، ہیں یہ طولانی بہت
جملے جملے سے امڈ آئے گی حیرانی بہت
دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ حدیث تاریخ اور سیرت کی مستند کتب کی روشنی میں دور جاہلیت پر درج ذیل سیرت نگاروں نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

(الف) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ۱۱۸/۴ تا ۱۶۴ مطبوعہ الفیصل لاہور ۱۹۹۱

(ب) سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (باب اول) ص ۳۷ تا ۹۹ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۹ء

(ج) پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی (جلد اول) ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

(د) علاوہ ازیں جواد علی کی المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، محمود شکری آلوسی کی بلوغ الارب فی احوال العرب، عمر فروخ کی تاریخ الجاہلیہ اور جرجی زیدان کی العرب قبل الاسلام وغیرہ میں بھی ''دور جاہلیت'' کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ ابوحیان الاندلسی۔ تفسیر البحر المحیط ۶/۷ المکتبۃ النصر الحدیثہ۔ الریاض ت۔ن۔

۳۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی (تحت آیت) ص ۵۴۴ مطبوعہ خادم الحرمین الملک فہد بن عبدالعزیز سعودی عرب۔

۴۔ نبی بحثیت طبیب کے لیے دیکھیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ ۸۹/۱ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۵

۵۔ ولی الدین ابوعبداللہ الخطیب۔ مشکوۃ المصابیح (کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال) ص ۲۴۱ طبع کلاں ایچ سعید کمپنی کراچی۔

۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تعمیر انسانیت ص ۲۳۔۲۴ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۱۷۶ مکتبہ دعوت اسلام لاہور ۱۹۷۶

۸۔ ولی الدین، ابوعبداللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح (باب مناقب الصحابہ) ص ۵۵۴

۹۔ (الف) ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱:۲:۱، بیروت ۱۹۶۰

(ب) تاریخ طبری: ۲:۳۴۴ طبع مصر

۱۰۔ صحیح بخاری: ۱:۳ طبع کلاں سعید کمپنی کراچی۔

۱۱ ڈاکٹر حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۴۴ کراچی۔

۱۲ "قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض" صحیح بخاری: ۲: ۹۵۱ طبع کلاں کراچی

۱۳ (الف) خفاجی: نسیم الریاض شرح الشفاء: ۱: ۴۷۱ تا ۴۷۴

(ب) ماوردی اعلام النبوۃ: ص ۲۱۱ طبع مصر

(ج) واقدی: کتاب المغازی: ۳: ۹۴۳ آکسفورڈ

۱۴ ملاحظہ ہو: (الف) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ۲۲: ۲۸ بیروت

(ب) مشکوۃ المصابیح ص ۴۴۲ طبع سعید کمپنی کراچی

(ج) قسطلانی: المواہب اللدنیہ: ۲: ۳۸۹ بیروت

(د) طبقات ابن سعد: ۱: ۳۸۱ بیروت

۱۵ (الف) جامع ترمذی ص ۳۴۰ طبع نور محمد کراچی

(ب) قسطلانی، المواہب اللدنیہ: ۲: ۳۹۱ بیروت

۱۶ دیکھیے سورۃ التوبہ، قبل آخری آیت۔

۱۷ دیکھیے: (الف) حاکم، المستدرک ۱۵/۳۔۱۶ طبع حیدرآباد دکن

(ب) نووی، ابوزکریا یحیٰی بن شرف، ریاض الصالحین ص ۲۲۷۔ ۲۲۸ مکتبہ رحمانیہ لاہور

(ج) سمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ۴۵۴/۲ بیروت ۱۹۷۱ء

۱۸ دیکھیے، مسلم، الجامع الصحیح (کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ) ۳۲۷ نور محمد کراچی۔

۱۹ ملاحظہ ہو (الف) بخاری، الصحیح (کتاب الوضوء باب البزاق والمخاط ونحوہ فی الثوب) ۳۸/۱

(ب) ایضاً (کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ ۳۷۹/۱

(ج) ابوداؤد، (کتاب السنۃ باب فی الخلفاء) ۶۴۰/۲ طبع کلاں نور محمد کراچی

(د) ایضاً (کتاب الجہاد باب فی صلح العدو) ۳۸۱/۲

۲۰ دیکھیے سورۃ البقرہ: ۱۹۵، سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی قولہ عزوجل ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور جامع ترمذی ص ۴۲۲۔ ۴۲۳ طبع کلاں نور محمد کراچی۔

۲۱ مسلم: الجامع الصحیح (باب فضل الرمی والحث علیہ) ۱۴۳/۲ نور محمد کراچی

۲۲ دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ خطبات بہاولپور (خطبہ نظام دفاع اور غزوات) ص ۱۹۴۔ ۱۹۵ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۲۳ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ خطاب بہاولپور ص ۲۱۷

۲۴ دیکھیے: (الف) بخاری، الجامع الصحیح (کتاب المناقب باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل) ۱: ۴۹۷

(ب) ایضاً (کتاب الانبیاء باب قول اللہ عز وجل واذکر فی الکتاب اسماعیل) ۱/۴۷۸

(ج) ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۷/۴۷ (نمبر شمار ۳۲۷۷) المطبعۃ الشرفیہ مصر

۲۵ (الف) السہیلی، روض الانف (فصل ذکر تعلیم اہل الطائف)

(ب) مقریزی، امتاع الاسماع ص ۴۱۸ مطبعۃ التالیف ۱۹۴۱ء

۲۶ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے کی اپنی قدرت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اویلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض (سورۃ الانعام: ۶۵)

"یا وہ تمہیں گروہ گروہ کر کے آپس میں بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی (کا مزہ) چکھا دے۔"

۲۷ ولی الدین ابو عبد اللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح (باب خطبۃ یوم النحر)

۲۸ (الف) بخاری الصحیح، (کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب) ج ۲ ص ۵۹۱

(ب) نسائی احمد بن شعیب: سنن، (باب فی من لم یجد الماء ولا الصعید) نور محمد کراچی ۱: ۳۵

۲۹ ابن عبد البر: جامع بیان العلم وفضلہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ج ۲ ص ۸۳۔۸۴

۳۰ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۵۷۔۶۵۸

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۴، علماء اکیڈمی لاہور

۳۱ ملاحظہ ہو: (الف) شاطبی: الموافقات (کتاب الاجتہاد المسئلۃ الثالثۃ) مطبعۃ السلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ ج ۴ ص ۶۶

(ب) ابن عابدین شامی: رد المحتار علی الدر المختار، المصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۶ھ ج ۱ ص ۶۸

۳۲ ملاحظہ ہو: (الف) شیخ محمد خضری: تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) ص ۴۴۵، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

(ب) زرقا: ڈاکٹر مصطفیٰ احمد: ماہنامہ چراغ راہ کراچی "اسلامی قانون نمبر" ج ۱ ص ۳۶۴

۳۳ دیکھئے: زاہد الکوثری: مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۱

۳۴ دیکھئے: (الف) خضری: تاریخ التشریع الاسلامی، ص ۴۲۹ ومابعد

(ب) ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی، (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۱ تا ۶۹

۳۵ دیکھئے: (الف) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، (مشہد نمبر ۱۰) قرآن محل کراچی ص ۹۰-۹۱

(ب) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالہیہ، (مبشر نمبر ۱۰) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۳۹۰ھ ج ۲ ص ۳۹۱

۳۶ دیکھئے: (الف) ابن نجیم حنفی: البحر الرائق، دار الکتب العربیہ بیروت ج ۵ ص ۱۲۴

(ب) ملا علی قاری: شرح فقہ اکبر، مجتبائی دہلی ص ۱۹۹

(ج) الشعرانی عبدالوہاب: المیزان الکبریٰ (مقدمہ) عیسیٰ البابی حلبی ت۔ن مصر ص ۱۳

۳۷ ولی الدین ابو عبداللہ: مشکوٰۃ المصابیح، (باب الاملۃ) ص ۱۰۰

۳۸ الکاسانی: بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۵۱۳، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور

۳۹ جصاص ابوبکر رازی: احکام القرآن، ج ۳ ص ۱۰۹ المطبعۃ البہیہ مصر

۴۰ ابن حزم، المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ طبع مصر (تحت مسئلہ نمبر ۷۲۵)

۴۱ مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص: ۴۵۰ طبع کراچی۔

۴۲ بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام" ص ۲۷۰ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور

۴۳ دیکھیے: (الف) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری: الجامع الصحیح: ۱: ۳۰۱ طبع کلاں، کراچی۔

(ب) محمد ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۱۲۶-۱۲۵ طبع بیروت

(ج) احمد عبدالرحمٰن البناء۔ الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۰: ۱۹۴ طبع قاہرہ

(د) حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح بخاری: ۴: ۱۹۴، طبع لاہور، ۱۹۸۱ء

(ھ) علی بن برہان الدین حلبی، سیرت حلبیہ: ۱: ۲۱۵، طبع مصر

(و) بدرالدین عینی: عمدۃ القاری شرح بخاری: ۱۲: ۸۰ طبع بیروت

(ز) حافظ نورالدین ہیثمی: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۹: ۳۲۱ طبع قاہرہ

۴۴ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۱، صحیح بخاری (کتاب البیوع): ۱: ۲۷۸

۴۵ صحیح بخاری (کتاب البیوع) ج: ۱، ص: ۲۷۸/۱۹۹ (کتاب الزکوٰۃ)

۴۶۔ (الف) شمس الائمہ سرخسی: المبسوط: ۳۰: ۲۴۵ طبع مصر
(ب) ابن حجر عسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ترجمہ حضرت سعد انصاری)
۴۷۔ ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ: ۲: ۲۶۶ (ترجمہ حضرت سعد انصاری طبع طہران)
۴۸۔ سورۃ النساء: ۱۰۰
۴۹۔ مشکوٰۃ، ص: ۱۶۳ (باب من لاتحل لہ المسئلہ) طبع کراچی
۵۰۔ سورۃ الانعام، آخری آیت۔ سورۃ الزخرف: ۳۲
۵۱۔ صحیح مسلم (کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ) ج: ۱، ص ۳۲۷
۵۲۔ صحیح مسلم (کتاب اللقطہ) ج ۲ ص ۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی
۵۳۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ''اسلام کا نظریۂ ملکیت'' طبع اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۸ء
۵۴۔ ابن حزم ''المحلی'' ج ۳ ص ۴۵۴ مسئلہ ۷۲۵ طبع مصر
۵۵۔ شمائل ترمذی: باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ
۵۶۔ صحیح بخاری: ۱: ۱۸۷ طبع کراچی
۵۷۔ زغلول۔ موسوعۃ اطراف الحدیث (تحت انا)
۵۸۔ صحیح بخاری کتاب فی الاستقراض باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا۔ کتاب النفقات باب قول النبی من ترک دینا او ضیاعا فالی)
۵۹۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی: مشکلات الفقر و کیف عالجھا الاسلام (اردو ترجمہ بعنوان اسلام اور معاشی تحفظ) ص: ۶۳۔ ۶۴ طبع لاہور
۶۰۔ ایضاً
۶۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں کتب فقہ و حدیث متعلقہ ابواب
۶۲۔ (الف) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو): ۱: ۳۴۷ طبع اسلام آباد
(ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبلؓ کی تقریر (فتوح الشام ازدی ص: ۱۰۵ کلکتہ)
۶۳۔ دیکھیے: (الف) صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶
(ب) صحیح مسلم: ۲: ۱۰۲ طبع کراچی
(ج) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان

۶۴۔ ملاحظہ ہو: (الف) سیرت نبویہ لابن کثیر: ۴: ۱۳۱۷ طبع قاہرہ

(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۴۵۱۔۴۵۲ طبع مصر

(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزہد: ص: ۶۹ دار الفکر

(د) الماوردی: اعلام النبوہ: ۱۹۹ طبع ازہر، مصر

(ہ) ابن جوزی: کتاب الحدائق: ۲۹۷ بیروت

۶۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۴۴ طبع کراچی

۶۶۔ (الف) صحیح بخاری: ۱: ص: ۴۳۷، طبع کلاں کراچی

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰ طبع کلاں کراچی

(ج) امام احمد: کتاب الزہد ص: ۹۷ دار الفکر

(د) بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۳۵ بیروت، مکتبہ اثریہ لاہور

۶۷۔ ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱: ۵۰ طبع بیروت

۶۸۔ مشکوٰۃ (باب فضل الفقراء) ص: ۴۴۹

۶۹۔ سنن ابی داود (کتاب الادب) ۲: ۷۱۱

۷۰۔ سنن ابی داود (کتاب اللباس) ۲: ۵۷۳

۷۱۔ سنن ابی داود: ۲: ۵۵۷

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

عہدِ نبوی ﷺ میں عوام کی بنیادی ضروریات کا اہتمام ☆

بنیادی ضروریات کا تعین

نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کی ضروریات کا اہتمام کس طرح کیا جاتا تھا؟ اس کی تفصیلات میں جانے سے قبل راقم کے نزدیک ضروری ہے کہ اختصار کے ساتھ یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ شرعاً بنیادی ضروریات کیا ہیں؟ ان کی مقدار کیا ہے؟ شریعت محمدیہ میں ان کی کتنی اہمیت ہے اور اس معاملے میں حکومت کی ذمہ داری کیا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی بنیادی اور واقعی ضروریات زندگی یا فقہاء کی زبان میں "حوائج اصلیہ" جن کے بغیر آدمی کا زیادہ دیر زندہ رہنا عام حالات میں مشکل ہوتا ہے، بالعموم چار چیزیں شمار کی جاتی ہیں اور وہ ہیں: روٹی، پانی، لباس اور مکان۔(۱)

انہی کے ذیل میں چند اور متعلقہ چیزیں بھی فقہاء کے نزدیک "حوائج اصلیہ" میں داخل ہیں۔ مثلاً علاج معالجہ طبیب کا معاوضہ، دوا کی قیمت۔ بیمار کے لیے خادم، کھانے پینے کے برتن، چولہا، گیس، ایندھن، جوتے، کپڑوں میں سردی اور گرمی کا جوڑا، سالن پکانے کی متعلقہ اشیاء، گھر کا ضروری سامان، چارپائیاں، موسم کے مطابق بستر وغیرہ۔ کام کاج کے لیے خادم، سواری، کاریگروں کے لیے اس فن کے آلات، روشنی کے لیے دیا، علماء کے مطالعہ کے لیے کتابیں وغیرہ (۲) جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

بنیادی ضروریات کی مقدار

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ایک انسان کے لیے بنیادی ضروریات زندگی کی کتنی مقدار درکار ہوتی ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ بنیادی ضروریات زندگی یعنی کھانا

☆ یہ مقالہ فقہی علمی تحقیقی مجلہ "منہاج" لاہور شمارہ جولائی ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

پینا کپڑا اور مکان وغیرہ کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کسی متعین مقدار اور نوعیت پر کوئی نص نظر نہیں آتی۔ تاہم قرآن مجید نے بیویوں کے نفقہ اور دیگر احکام میں "بالمعروف" کا جامع لفظ استعمال کیا ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۳۳) یعنی اس نفقہ (روزینہ یا خرچہ) کی جزئیات و تفصیلات علاقہ، برادری یا لوگوں کے عام شریفانہ عرف اور دستور کے مطابق طے کی جائیں گی جو کسی قاعدہ شرعی کے خلاف نہ ہوں۔ مفسر قرطبیؒ نے بالمعروف کی تفسیر میں لکھا ہے:

ای بالمتعارف فی عرف الشرع من غیر تفریط و لا افراط ثم بین تعالی ان الانفاق علی قدر غنی الزوج و منصبها من غیر تقدیر مد و لا غیر بقوله تعالیٰ لا تکلف نفس الاوسعها (۳)

یعنی بیویوں کا نفقہ افراط تفریط کے بغیر عرف میں عام متعارف دستور کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ پھر آگے اللہ کریم نے "لاتکلف نفس الاوسعها" فرما کر وضاحت فرما دی ہے کہ خاوند کی مالی حالت اور اس کی بیوی کے حسب نسب (یا مشقت) کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی خاص مد (پیمانے) وغیرہ کے اندازے کے بغیر مناسب مقدار مقرر کی جائے گی۔

امام راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) نے معروف کا معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے:

المعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل او الشرع حسنه (۴)

معروف ہر اس فعل کا نام ہے جس کا حسن (اچھا ہونا) عقل یا شریعت سے معلوم کیا جائے۔

پھر آگے اخراجات اور خرچ میں میانہ روی اور احسان کو بھی معروف قرار دیا ہے کیونکہ یہ چیز عقل اور شرع دونوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہے۔ (۵)

علامہ آلوسیؒ نے سورۃ البقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ "بالمعروف" کا مطلب لکھا ہے:

ای بما لا یکون مستنکر اشرعا و مروءة (۶)

یعنی اتنا نفقہ جو شریعت اور انسانی مروت ہر اعتبار سے قابل قبول ہو۔

ہدایہ میں معروف کا معنی "الوسط" (اعتدال اور متوسط اندازے سے) سے کیا گیا

ہے۔(۷) امام سرخسیؒ نے معروف سے مراد "فوق التقتیر دون الاسراف" لیا ہے۔(۸)

ایک حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ضروریات حالات کی مناسبت سے اتنی مقدار میں لازم ہیں جتنی ایک آدمی کو بقدر ضرورت کافی ہو رہیں۔ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط، چنانچہ حضرت ابوسفیان بن حربؓ کی بیوی حضرت ہندہ نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی ﷺ میں جب یہ شکایت کی کہ ان کا خاوند کنجوس آدمی ہے، وہ کھانے کو اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور بچوں کے لیے کافی ہو رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خذی من مال ابی سفیان مایکفیک وولدک بالمعروف(۹)

تو ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچوں کے لیے دستور کے مطابق کفایت کر جائے۔

بخاری میں یہ روایت تھوڑے سے مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ اس کے حاشیے میں عینی کے حوالے سے "معروف" کا معنی ہے: "**وھو الذی یتعارفہ الناس فی النفقۃ علی اولادھم من غیر اسراف**" (وہ مقدار ہے جو لوگوں کے ہاں اولاد کے نفقہ کے بارے میں بغیر اسراف کے معروف ہو۔(۱۰)

تو یہ حدیث اس بات پر نص اور دال ہے کہ عورت کے نفقہ (روزینہ) کا اندازہ اس کی کفایت کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ علامہ کاسانیؒ نے یہی بات دوسرے قریبی لوگوں کے نفقہ کی مقدار بیان کرتے ہوئے یوں بیان فرمائی ہے۔

"نفقۃ الاقارب کی بالاتفاق اتنی مقدار واجب ہے جتنی کافی ہو رہے۔ یہ حاجت کے وقت اور حاجت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا اندازہ بقدر حاجت ہوگا۔ جتنی حاجت ہوگی اسی قدر واجب ہوگا۔ ہر وہ شخص جس پر کسی دوسرے قریبی کا نفقہ واجب ہو رہا ہے تو اس پر اس (منفق علیہ) کا کھانا پینا، کپڑا، رہائش واجب ہے اور اگر منفق علیہ دودھ پیتا بچہ ہے تو اس کی رضاعت کا خرچ بھی واجب ہوگا کیونکہ اس نفقہ کا وجوب ضروریات کے

لیے ہے اوران چیزوں کے بغیر چارہ کارنہیں اور اگر منفق علیہ کا کوئی خادم ہوتو اس کا نفقہ بھی منفق کے ذمہ ہوگا کیونکہ خادم بھی منفق علیہ کی جملہ ضروریات میں سے ہے۔(۱۱)

الغرض ضروریات میں اصولی چیز احتیاج کا لحاظ رکھنا ہے۔ جس آدمی کی جتنی احتیاج اور ضرورت ہوگی، اتنی ہی مقدار اس کے لیے لازمی ہوگی۔

بنیادی ضروریات کی اہمیت

اب رہی یہ بات کہ بنیادی ضروریات زندگی جن پر انسان کی بقاء کا انحصار ہے، کی شریعت اسلامیہ میں کتنی اہمیت ہے تو اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی جان کی حفاظت شریعت کے مقاصد خمسہ میں شامل ہے۔ امام شاطبیؒ نے ان مقاصد کو شمار کرتے ہوئے لکھا ہے:

وھی حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل (۱۲)

اور وہ ہیں دین کی حفاظت۔ نفس (انسانی جان) کی حفاظت، نسل کی حفاظت، مال کی حفاظت اور عقل کی حفاظت۔

ان مقاصد میں اولیت اگرچہ دین کی حفاظت کو دی گئی ہے تاہم ذرا غور کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اولیت صرف مذہبی اعتبار سے ہے۔ مگر عمرانی اعتبار سے فوقیت حفاظت نفس کو ہی حاصل ہے۔ انسانی وجود ہی اصل چیز ہے۔ انسان ہوگا تو دین بھی ہوگا اور نسل، مال اور عقل بھی۔ دنیا کی ساری آبادی چہل پہل اور رونقیں انسان کے دم قدم سے ہیں۔ انسان ہی کائنات کا گل سر سبد، ساری مخلوق کا مخدوم، مسجود ملائکہ، وجہ تخلیق کائنات، محترم تر و برا اور اشرف المخلوقات ہے۔ برتر از گردوں مقام آدم است

پھر نفس انسانی کی حفاظت، مال یا دوسرے لفظوں میں بنیادی ضروریات زندگی پر موقوف ہے۔ یہ ضروریات ہوں گی تو انسان اپنا وجود قائم رکھ سکے گا ورنہ نہیں۔

اسلام میں ان ضروریات زندگی کی کتنی زیادہ اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اسلام

کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن زکوۃ کی لازمی ادائیگی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جس کا انکار انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور جس کی عدم ادائیگی پر قرآن و سنت میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوۃ کا حکم "اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ" متعدد مقامات پر آیا ہے۔

اس فریضہ زکوۃ کا بڑا مقصد یہی ہے کہ معاشرے میں از خود بنیادی ضروریات زندگی پوری نہ کر سکنے والے غرباء و مساکین، اپاہج، مفلوک الحال، مقروض، بیوگان، یتیم، محتاج اور ضرورت مند لوگوں کی بنیادی ضروریات کو اغنیاء کے فاضل مال سے پورا کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو اس سلسلے میں انہیں ضروری ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:

> **فاعلمهم ان الله قد افترض عليهم صدقة فی اموالهم توخذ من اغنياء هم وترد فی فقراء هم (۱۳)**
>
> انہیں بتا دینا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ یعنی زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (مالدار) لوگوں سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔

شریعت اسلامیہ میں یوں ہی زکوۃ کو اسلام کا بنیادی رکن قرار نہیں دیا گیا۔ اس کے اندر بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ زکوۃ کا فائدہ صرف غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے اقتصادی منافع سے سارا معاشرہ اور خود زکوۃ دینے والے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ وہ یوں کہ جب زکوۃ ادا کی جاتی ہے تو وہ غرباء و مساکین میں قوت خرید پیدا کرتی ہے اور جب قوت خرید بازار میں آتی ہے تو اشیاء کی مانگ پیدا ہوتی ہے۔ مانگ کو پورا کرنے کے لیے سپلائی (Supply) کی ضرورت ہوتی ہے۔ سپلائی قائم رکھنے کے لیے زراعت اور مختلف قسم کی فیکٹریاں اور کارخانے وجود میں آتے

ہیں۔ یوں زکوٰۃ سے امر غریب اور مزدور و کارخانہ دار سب مستفید ہوتے ہیں۔ نظام زکوٰۃ ایک طرف روزگار مہیا کرتا ہے اور دوسری طرف دولت کو گردش میں لاتا ہے اور اکتناز و احتکار کا خاتمہ کرتا ہے۔ دولت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر ہی یہ ہے کہ وہ گردش میں رہنی چاہیے۔ نہ یہ کہ وہ محض چند مالداروں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن جائے جس سے سرمایہ دار تو مزے لوٹیں اور غرباء و مساکین نان جویں کو ترسیں۔

فرضیت زکوٰۃ میں اسلام نے کن مصالح کا خیال رکھا ہے؟ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا:

"واضح رہے کہ زکوٰۃ میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے۔

(۱) تہذیب نفس (۲) مدنی اجتماعی حاجات کا انسداد

تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ مال، بخل، خود غرضی، جنسی عداوت، جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور ان بداخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج انفاق یعنی حسبة لله صرف مال اور سخاوت ہے۔ اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت جنسی کی بجائے برادرانہ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاق کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملات کا خوگر بناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور اس کا نام تہذیب نفس ہے۔ اور زکوٰۃ مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لیے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط مالی نظام موجود نہ ہو تا کہ اس کے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنیٰ عمال اور رعایا کے مناسب حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ نیز فقراء و مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مند، دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل و خوار ہونے سے محفوظ رہیں اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اس طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی

آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصولی زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو۔(۱۴)

قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے(۱۵) اس کی رو سے زکوٰۃ کو صرف فقراء و مساکین، عاملین صدقات، مؤلفۃ القلوب، رقاب، قرض داروں فی سبیل اللہ اور مسافروں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی و اقتصادی سطح پر زکوٰۃ کا ادارہ معاشرہ میں ضرورت مند اور بے سہارا افراد کی مدد کرنے، تقسیم دولت نیز غربت، فقر و افلاس کو دور کرنے، معاشرتی عدل قائم کرنے اور افراد معاشرہ کی دینی دنیاوی و نفسیاتی اصلاح کے لیے ایک موثر ذریعہ تھا اور فی الحقیقت اس کو اس تاثیر کے ساتھ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفاءؓ میں استعمال بھی کیا گیا۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر (جیسا کہ آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تفصیل آئے گی) اسلامی ریاست نے اپنے کسی باشندے کو یہ محسوس تک نہ ہونے دیا کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اعلان عام فرما دیا تھا۔

انا ولی من لا ولی له(۱۶)

(میں ہر اس آدمی کا سرپرست ہوں جس کا کوئی والی وارث نہ ہو)

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر واجب اور نفلی صدقات، خیرات، مالی کفارات، ضرائب، خمس، خراج، جزیہ، قانون وصیت، قانون وقف اور تقسیم عفو وغیرہ سے بھی شریعت اسلامیہ کا مقصود یہی ہے کہ اسلامی حکومت کے اندر بسنے والے ہر شہری کی بلا امتیاز و تفریق کم از کم بنیادی ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں۔ اگر کوئی آدمی ان ضروریات سے بوجوہ محروم ہوگا تو حکومت کی ذمہ داری ہوگی (جیسا کہ آگے آتا ہے) کہ وہ اس کو یہ ضروریات مہیا کرے۔

حکومت کی ذمہ داری

بعد ازیں اس امر کی وضاحت کہ اس معاملے میں حکومت کی ذمہ داری کیا ہے؟ تو نصوص کے تتبع سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کی قلمرو میں بسنے والا کوئی

چھوٹا بڑا فرد چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان (ذمی) جب زمین میں پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے نہ اپنے ہاتھ سے اور نہ اپنے وسائل سے اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے اور نہ اسے اپنے اقرباء و دیگر باشندوں کی مالی امداد حاصل ہو تو اسلام حکومت کو اس بات کا پابند بناتا اور اس کی ایک اہم ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ ایسے ضرورت مند بندگان خدا کی بنیادی ضروریات کا اپنے حکومتی وسائل و اختیارات سے از خود معقول بندوبست کرے۔ محروم المعیشت لوگوں کو اپنی ضروریات کے لیے سرکاری دفاتر کے چکر نہ لگانا پڑیں۔ کیونکہ افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کا ایک قسم کا فرض ہے۔ اس کے عوض وہ افراد سے کسی خدمت یا معاوضے کی طالب نہیں ہوتی۔ اسلام بنیادی ضروریات کی فراہمی سودے بازی کی بنیادوں پر نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں اسلام اور سوشلزم (مرحوم) کے درمیان بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ سوشلزم بنیادی ضروریات فراہم کرتا ہے مگر افراد کی صلاحیت کار کی قیمت کے طور پر...... ان کو روٹی کپڑا اور مکان مہیا کرتا ہے مگر جانوروں کی طرح ان سے دن رات کام لے کر...... اس کے بالمقابل اسلام افراد معاشرہ کو بنیادی ضروریات ان کا انسانی حق سمجھ کر فراہم کرتا ہے اور ان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے صلاحیت کار کو جہاں چاہیں استعمال کریں اور پوری آزادی کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں حصہ لیں۔

اسلام میں حکمران (خلیفہ) یا حکومت (خلافت) فرمانروائے اعلیٰ (خداوند عرش) کی نمائندگی اور نیابت کا نام ہے۔

الخلافة نيابة فى حفظ الدين وسياسة الدينا (۱۷)

خلافت (حکومت) لوگوں کے دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست (دنیوی امور چلانے) میں (اللہ کریم کی) نیابت کا نام ہے۔

ظاہر ہے نائب یا قائم مقام یا خلیفہ کے فرائض اور ذمہ داریوں میں وہ تمام ذمہ داریاں شامل ہوں گی جو اس کا اصل یعنی خلیفہ بنانے والا سرانجام دیتا ہے۔ تو رب العالمین

جس نے حکومت یا حکمران کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، نے ازراہ شفقت وکرم ایک بات یہ بھی اپنے ذمہ لے رکھی ہے کہ:

ومامن دابة فی الارض الاعلی اللہ رزقھا (سورہ ھود:۶)

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو۔

تمام مخلوق کے رازق اللہ کریم کے ہونے سے متعلق قرآن مجید میں متعدد ارشادات ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اسی چیز کو نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا:

الخلق عیال اللہ (۱۸) تمام مخلوق اللہ کا عیال (کنبہ) ہے۔

اور کسی کے "عیال" لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے نان نفقہ کی ذمہ داری اس کے سپر ہوتی ہے۔ تو جب ساری مخلوق اللہ کا کنبہ (عیال) قرار پائی اور ان کے نان نفقہ یا ضروریات زندگی کو پورا کرنا اس کی ذمہ داری ہوئی تو اللہ کے خلیفہ (حکومت) کی بھی ذمہ داری ہو گی کہ اس کی قلمرو میں کوئی متنفس بھوکا پیاسا نہ رہے۔ مشہور حنفی فقیہ سید علی زادہ نے امیر حکومت کے فرائض بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

ولا یدع فقیرا فی ولایته الا اعطاه ولا مدیونا الا قضی عنه دینه ولا ضعیفا الا اعانه ولا مظلوما الا نصره ولا ظالما الا منعه عن الظلم ولا عاریا الا کساه کسوة (۱۹)

وہ اپنی مملکت کے اندر کوئی ایسا فقیر نہ چھوڑے جس کو عطا نہ کرے اور کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دے اور کوئی کمزور نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کر دے اور کوئی مظلوم نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس مدد کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور کوئی ننگا نہ چھوڑے جس کو پہنا وانہ دے۔

المختصر اسلامی نقطہ نگاہ سے دو باتیں انتہائی قابل لحاظ ہیں۔ اول تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے دوسرے تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ اب وہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نچلے طبقہ کے۔ اللہ ان کا پروردگار اور فرمانروا ہے اور وہ اس کے بندے اور رعایا ہیں۔

(الخلق کلھم عیال اللہ ۔الحدیث) (۲۰) اور "فالناس شریفھم ووضیعھم فی ذات اللہ سواء اللہ ربھم وھم عبادہ" (۲۱)

اسلامی حکومت معاشرتی زندگی کے دائرہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے۔ ایک تو اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ رہے دوسرے اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر کا سمجھا جائے۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھے گی تو انسانیت کے بلند درجے سے گر جائے گی اور اخروی باز پرس میں ماخوذ ہوگی۔

خلفاء کا احساس ذمہ داری

غالباً اسی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا:

لو مات جمل ضیاعا علی شط الفرات لخشیت ان یسألنی اللہ عنہ (۲۲)

اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس فرمائے گا۔

ایک روایت میں یوں ہے:

لو ماتت شاۃ علی الفرات ضائعۃ لظننت ان اللہ سائلی عنھا یوم القیامۃ. (۲۳)

اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے

بارے میں مجھ سے جواب طلبی فرمائے گا۔

المختصر اسلام میں خلیفہ ان تمام لوگوں کی بنیادی ضروریات کا ذمہ دار اور کفیل ہے۔ جن کا معاشرے میں اور کوئی ذمہ دار یا کفیل نہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ و رسولہ مولی من لا ولی لہ (۲۴)

اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہر اس آدمی کا مددگار یا سرپرست ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

ایک حدیث میں فرمایا:

السلطان ولی من لا ولی لہ (۲۵)

بادشاہ (یا حکومت) ہر اس آدمی کی سرپرست ہے، جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

انا ولی من لا ولی لہ (۲۶)

میں ہر اس شخص کا والی (سرپرست) ہوں جس کا (اس دنیا میں) کوئی والی نہیں۔

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے۔

''ملک ایک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان (اہل حاجت) کے لیے اتنے مال کا انتظار کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں۔ اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ (۲۷)

اسی طرح امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''سلطان پر واجب ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ اور مصیبت سے دوچار ہو تو ان کی مدد کرے۔ بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانہ میں۔ کیونکہ ایسے حالات

میں لوگ کسب معاش میں ناکام رہتے ہیں اور گذر اوقات کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور ان کے خزانے سے انہیں مال دے کر ان کی حالت بہتر بنائے" (۲۸)

امام جصاص نے سورہ یوسف کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسفؑ کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانہ میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں"۔ (۲۹)

دور نبوی ﷺ میں ضروریات زندگی کا انتظام

مہاجرین کی رہائش وخوراک کا بندوبست

بنیادی ضروریات کی فراہمی میں اسلامی حکومت (خلیفہ) کی اہم ذمہ داری کی قدرے وضاحت کے بعد اب ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ خود اسلامی حکومت کے بانی اور مؤسس اول نبی اکرم ﷺ نے اپنے وسائل کے اندر کس خوبصورتی سے ضرورت مند لوگوں کی بنیادی ضروریات کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں چھوٹی اور محدود سی اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو ایک انتہائی اہم اور فوری حل طلب مسئلہ جو آپ ﷺ کو درپیش آیا وہ ان مہاجرین گھرانوں کی رہائش وخوراک کا تھا جو اللہ ورسول ﷺ کے ساتھ بے مثال وفا کا مظاہرہ کرتے ہوئے دین وایمان کی خاطر اپنے گھربار، کاروبار اور منقولہ وغیر منقولہ جائیدادیں چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔

ادھر حکومت کے پاس ابھی اتنے وسائل نہیں تھے کہ سرکاری طور پر ان مہاجرین

کی آبادکاری، رہائش اور کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا۔ اس کے باوجود اس نوزائدہ اسلامی حکومت کا حکمران اول (ﷺ) گھبرایا نہیں۔ مہاجرین کو اپنے حال پر یا کسی کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا بلکہ آپ ﷺ نے اس اہم، پیچیدہ اور وسائل طلب مسئلے کو ایسی فراست، دور اندیشی، عقل مندی، اتنی خوبصورتی اور اتنی آسانی سے سلجھایا کہ دنیا آج تک محو حیرت ہے۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے رہنے والے مسلمانوں جنہیں قرآن ''انصار'' کے خوبصورت لقب سے یاد کرتا ہے، اور مہاجرین کے درمیان باہمی ہمدردی وغم خواری کا ''عقد مواخاۃ'' قائم فرما کر مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کو یوں حل فرما دیا کہ یہ مسئلہ اب کوئی مسئلہ ہی نہ رہا۔ انصار نے اپنے مہاجر اسلامی بھائیوں کے لیے ایسی محبت ایثار اور اخوت کا مظاہرہ کیا کہ دنیا نے آج تک سگے بھائیوں کے درمیان بھی ایسی محبت واخوت نہیں دیکھی ہوگی۔

انصار زراعت پیشہ اور کھجوروں کے باغات کے مالک تھے۔ ہر صاحب زمین جانتا ہے کہ انسان اپنی زمین اور باغات سے کتنی محبت رکھتا ہے۔ مگر میرے خیال میں اس وقت فرشتے بھی ورطہ حیرت میں پڑ گئے ہوں گے۔ جب ایثار پیشہ انصار نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے یہ پیشکش کی کہ:

اقسم بیننا وبین اخواننا النخیل (۳۰)

آپ ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ان باغات کو (برابر برابر) تقسیم فرما دیں۔

مگر آپ نے ان کی اس مخلصانہ پیشکش اور تجویز سے اتفاق نہ فرمایا کیونکہ کسی مخلص بھائی کو اس کے پونجی سے محروم کر دینا اور اس پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالنا بھی کوئی عقل مندی نہیں۔ اب انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ پھر مہاجرین کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں ہم انہیں پیداوار میں شریک کرلیں گے تو غیور مہاجرین نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور یوں

وہ ایک دوسرے کے شریک کار بن گئے۔(۳۱)

انصار کی طرف سے یہ پیشکش صرف زمینوں اور باغات تک نہیں تھی بلکہ وہ عقد مواخات کے بعد مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنا سارا اثاثہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہے حتیٰ کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں۔ اس نے مہاجر بھائی کو ایک بیوی کی بھی پیشکش کر دی کہ جس کو چاہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔(۳۲)

المختصر یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آبادکاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرما دیا۔ انصار میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرین کو دے دیے۔ مگر کچھ مدت بعد مہاجرین اپنے مکانوں اور جھونپڑوں میں منتقل ہو گئے۔ یہ مکانات اور جھونپڑے ان قطائع (پلاٹوں) پر بنائے گئے تھے۔ جو رسول اکرم ﷺ نے انہیں انصار مدینہ کی موہوبہ اراضی یا افتادہ زمینوں سے عطا کئے تھے۔

مدینہ میں مسلمانوں کے لیے پانی کا انتظام

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آئے تو اس وقت جو اہم مسائل سامنے آئے ان میں ایک مسئلہ پانی کا بھی تھا۔ پورے شہر میں بیر رومہ کے سوا کوئی میٹھا پانی نہ تھا۔ صرف یہی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا۔ اس نے اس خداداد نعمت کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔ اب حضور ﷺ کے پاس ابھی تک حکومتی وسائل تو تھے نہیں اس لئے آپ نے مخیر حضرات کو مسلمانوں کے لیے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: جو آدمی یہ کنواں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دے گا اللہ کریم اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عنایت فرمائے گا۔(۳۳)

یہ سعادت حضرت عثمان غنیؓ کی قسمت میں لکھی تھی۔ وہ سارے کنویں کو خرید کر

مسلمانوں کے لیے وقف کردینے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک صرف نصف حصہ فروخت کرنے پر رضامند ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے کنواں مخصوص رہے گا۔ جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے باقی نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور یوں سارے مسلمانوں کے لیے میٹھے پانی کا انتظام ہو گیا۔ (۳۴)

بیکسوں کی کفالت کا عام اعلان

سورۃ الاحزاب کی آیت ۶ (النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم) کے تحت علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اور قرطبی نے الجامع لاحکام القرآن میں بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مال غنیمت آنے لگا تو آپ نے مذکورہ آیت کا حوالے دیتے ہوئے اعلان عام فرمایا:

من مات و ترک مالا فلیرثه عصبته من کانوا فان ترک دینا اوضیا عافلیاتنی فانا مولاہ (۳۵)

جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) چھوڑ کر مرا یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ دین اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی اس کا والی ہوگا۔ یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے الفاظ ہیں:

فایکم ترک دینا اوضیعة فادعونی فانی ولیه. الخ (۳۶)

(تم میں سے جو آدمی دین یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ (اطلاع

کرو) بیشک دین اور بچوں کے معاملے میں میں اس کا ولی ہوں۔ اور اگر مال چھوڑ کر مرا ہے تو وہ اس کے قریبی رشتہ داروں کا ہے)

حضور اکرم ﷺ کا یہ اعلان آج کے کسی مطلب پرست، خود غرض، ابن الوقت اور مصنوعی خیر خواہ سیاستدان کا نہ تھا جو ووٹ کی خاطر دوران الیکشن طرح طرح کے سبز باغ دکھاتا اور پر کشش وعدے اور اعلان کرتا ہے۔ مگر جب غریب کے ووٹ سے اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد اس منافق اور مفاد پرست کی حالت کچھ یوں ہوتی ہے کہ تو کون اور میں کون۔ مندرجہ بالا اعلان یا بیان اس لجپال، غریب نواز اور یتیم پرور و غریب پرور رسول ﷺ کا تھا جو زبانی دعوؤں کا نہیں بلکہ عمل اور صرف عمل کا قائل تھا۔ وہ ایک فیصد کہتا تھا اور سو فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ اس پر عمل کرتا تھا۔

اللہ کریم نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین اور رؤف و رحیم بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ مخلوق خدا کی ہمدردی، غمگساری، خیر خواہی اور شفقت و رحمت آپ ﷺ کی طبیعت ثانیہ تھی، کیسے ممکن تھا کہ آپ ﷺ ضرورت مندوں، محتاجوں، غریبوں، مسکینوں، کمزوروں اور بھوکوں کی معاشی فلاح کا کوئی انتظام نہ فرماتے۔ آنجناب ﷺ کی ذاتی غمخواری اور درد مندی کا یہ عالم تھا کہ جب تک بھوکے کو کھانا نہ کھلا لیتے، ننگے کو کپڑا مہیا نہ فرما لیتے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور نہ فرما لیتے، پریشان حال کی پریشانی کا علاج نہ فرما لیتے، ضرورت مند کی ضرورت پوری نہ فرما لیتے محتاج کی احتیاجی کا بندوبست نہ فرما لیتے، مشکل میں پھنسے ہوئے کو مشکل سے نہ نکال لیتے، درد سے کراہنے والوں کو چپ نہ کرا لیتے، مظلوم کو ظلم سے نجات نہ دلوا لیتے، خوف زدوں کا خوف دور نہ فرما لیتے، مقروض لوگوں کی ادائیگی قرض کا کوئی انتظام نہ فرما لیتے، یتامی و بیوگان کی دیکھ بھال کی کوئی صورت پیدا نہ فرما لیتے، بے آسرا اور بے سہارا لوگوں کے لیے کوئی آسرا اور سہارا نہ ڈھونڈ لیتے، مسافر و اجنبی کو ٹھہرا نہ لیتے، نہ کما سکنے والوں کی زیست کی کوئی شکل نہ بنا لیتے، اس وقت تک آنجناب ﷺ کی ذات گرامی کو چین

نہ آتا۔ یہ محض لفاظی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ حضور ﷺ کی اس شفقت علی الخلق ﷺ اور انسانیت کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کے طبعی جذبہ کی طرف قرآن نے یوں اشارہ کیا ہے۔

عزیز علیه ماعنتم حریض علیم بالمؤمنین رؤف رحیم

(سورۃ توبہ: آیت ۱۲۸)

(لوگو!) تمہارا کسی مشقت میں پڑنا میرے رسول ﷺ پر بہت گراں گزرتا ہے وہ تمہاری خیر خواہی اور بھلائی کا حریص ہے۔ خصوصاً مومنین کے حق میں تو بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

دکھ تمہیں ہوتا ہے، مصیبت میں تم مبتلا ہوتے ہو، درد تمہیں ہوتا ہے مگر اس درد کی ٹیس وہ محسوس کرتا ہے۔ مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے۔

''وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری ہر تکلیف خواہ جسمانی ہو یا روحانی اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے۔ وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت وسعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا۔ پھر اس کی محبت و شفقت تمہارے ہی لیے نہیں وہ تو تمام مومنوں کے لیے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے ''رؤف رحیم ہے''۔ ''رؤف'' کا لفظ رأفت سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری اور مصیبت پر جوش میں آئے۔ پس رأفت رحمت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے۔ دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثیر کے ساتھ واضح ہو گیا''۔ (۳۷)

آپ نے کبھی بھی محض وعظ و نصیحت اور غریبوں، کمزوروں، بھوکوں اور مظلوموں کے حق میں زوردار تقریر پر اکتفا نہیں کیا۔ صرف زبانی الفاظ اور جھوٹ موٹ کے ٹسووں سے غریب لوگوں کو کبھی بہلانے کی کوشش نہ فرمائی کیونکہ تقریر سے کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھرا کرتا نہ تقریر سے مصیبت زدہ اور مظلوم کی دادرسی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے آپؐ ہمیشہ زبان

سے زیادہ عمل کے ذریعے غرباء و مساکین کی ہر طرح سے امداد، ہمدردی، غمخواری اور دلداری فرماتے رہے۔ نبوت سے پہلے بھی آپ کی یہی عادت کریمہ تھی اور نبوت کے بعد بھی ساری زندگی یہی معمول رہا۔

دور نبوی کی عام مالی پالیسی

عہد نبوت میں مالیات سے متعلق عام طور پر حضور اکرم ﷺ کی ذاتی اور سرکاری پالیسی یہی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ کبھی "الذی جمع مالا وعدده" (سورۃ الہمزہ: آیت۲) کا مصداق نہیں بنے۔ جو کچھ آتا جب تک خرچ نہ کر دیا جاتا اس وقت تک آپ ﷺ کو چین نہ آتا اور وہ فوری طور پر ضرورتمندوں اور حقداروں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اس چیز کی تائید خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی صحیح بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ:

بحرین سے خراج اور جزیے کا مال بارگاہ نبویؐ میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی حضور ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا۔ (۳۸) جب آپ ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو (اپنی طبعی سیر چشمی اور غنائے نفس کی وجہ سے) مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپؐ مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے (اس کی ضرورت کے مطابق) عنایت فرما دیتے...... چنانچہ آپ اس وقت تک نہ اُٹھے جب تک کہ سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔

ایک دوسری روایت میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ حضور ﷺ کے وصال تک کی مبارک زندگی میں (آپؐ کے گھر میں) سب سے زیادہ مال کب آیا؟ ایک مرتبہ رات کے پہلے حصے میں آپؐ کے پاس ایک تھیلی آئی جس میں آٹھ سو درہم اور ایک پرچہ تھا، وہ تھیلی آپ ﷺ نے میرے پاس بھیج دی۔ اس رات

میری باری تھی۔ آپؐ عشاء کے بعد گھر واپس تشریف لائے اور حجرہ شریف میں اپنی نماز کی جگہ میں نماز شروع کر دی۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے اور اپنے لیے بستر بچھایا ہوا تھا۔ آپ کا انتظار کرنے لگی لیکن آپ بہت دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ نماز کے بعد آپ اپنی نماز کی جگہ سے باہر تشریف لائے اور پھر وہیں واپس چلے گئے اور نماز شروع کر دی۔ اس طرح بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ آپ نے مسجد میں جا کر نماز پڑھائی اور پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا: وہ تھیلی کہاں ہے جس نے آج ساری رات مجھے پریشان کیے رکھا؟ چنانچہ تھیلی منگوائی اور اس میں جو کچھ تھا وہ سب تقسیم فرما دیا۔ (۴۰)

حکومت نبویؐ میں عطاء و بخشش کا معیار

دنیا میں عام حکومتوں اور حکومت نبوی کی مالی پالیسیوں میں فرق بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

''عام سلطنتوں میں محاصل کی عطاء و بخشش شاہانہ تقرب اور عیش پسند امراء کے موروثی استحقاق اور سعی و سفارش کی بنا پر ہوتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دولت مندوں کی دولت مندی اور فقراء کی محتاجی میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے احکام الٰہی کے تحت جو اسلامی نظام قائم فرمایا اس میں دولت مندی اور تقرب نہیں بلکہ حاجت اور ضرورت کو معیار قرار دیا گیا، کیونکہ ضعفاء کا حق اقویاء کے مقابلہ میں زیادہ توجہ کے قابل تھا۔ عرب میں لونڈیوں اور غلاموں کا کوئی حق نہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے حقوق میں ان کو بھی آزاد لوگوں کے ساتھ حصہ دیا۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک تھیلی لائی گئی جس میں کچھ یمنی مہریں تھیں۔ آپؐ نے ان کو لونڈیوں اور آزاد عورتوں پر تقسیم کر دیا۔ وظیفے جب تقسیم ہوتے تو آزاد شدہ غلاموں کو سب سے پہلے ان کا حصہ دیا جاتا''۔ (۴۱)

محاصل کی آمدنی۔رعایا کی ضرورت کے لیے

سلطنت کی آمدنی اور محاصل کو دیگر بادشاہوں کے برعکس آپ ﷺ کس طرح امانت تصور فرماتے اور کس طرح عام مسلمانوں کی ضرورت میں خرچ فرماتے؟ اس کا اندازہ بھی سید سلیمان ندوی کے اس تجزیہ سے فرمایئے!

''سلطنت کے مفتوحات ومحاصل کو دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملک سمجھا اور اپنے ذاتی وخاندانی عیش وآرام کے سوا ان کا کوئی دوسرا مصرف ان کا نہ تھا اور اگر وہ اس میں سے دوسروں کو کچھ دیتے تھے تو اس کو اپنا احسان سمجھتے تھے۔لیکن جو نظام سلطنت اسلام نے قائم کیا تھا۔اس میں سلطنت کے سارے محاصل مال اللہ یعنی اللہ کا مال کہلاتے تھے اور صرف بیت المال کی ملکیت تھے اور مسلمانوں کے لیے تھے۔زکوٰۃ،صدقہ،خراج اور جزیہ جو کچھ وصول ہوتا تھا وہ اگرچہ بحیثیت امیر سلطنت سب کا سب آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آتا تھا۔لیکن آپ ﷺ نے اس کو اپنی نہیں بلکہ باختلاف شرائط عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا اور کبھی اس کو اپنے شخصی تصرف میں نہیں لائے۔زکوٰۃ کی ساری رقم اپنے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان بنوہاشم پر حرام فرمادی اور اس کو بحکم الٰہی عام غرباء اور اہل حاجت کا حق قرار دیا اور اس کو اعلانیہ ظاہر فرمایا۔ابوداؤد میں ہے:

قال مااوتیکم من شیء وما امنعکم ان انا الاخازن اصنع
حیث ما امرت (ابوداؤد:ج۲،ص۱۵ کتاب الخراج والامارۃ)

فرمایا: میں اپنی صوابدید پر کوئی چیز تمہیں دیتا ہوں نہ روکتا ہوں۔میں تو صرف (اللہ کریم کا) خزانچی ہوں۔جس موقع پر صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں۔

دوسرے موقع پر فرمایا: انما انا قاسم و اللہ یعطی
(میں تو صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے)۔

غنیمت کا مال بھی مجاہدوں ہی کو دے دیا جاتا تھا اور حضور ﷺ کو صرف ایک خمس یعنی پانچویں حصے پر تصرف کا اختیار ہوتا تھا۔ اس تصرف کے معنی یہ ہیں کہ اس حصے سے حضور ﷺ اپنے اہل بیت کے علاوہ ان نادار اور محتاج مسلمانوں کو دیا کرتے تھے۔ جن کو جنگ کے قواعد کی رو سے مال غنیمت سے نہیں مل سکتا تھا۔ اسی طرح لڑائی کے بغیر جو علاقہ اسلام کے تصرف میں آتا تھا وہ حضور ﷺ کے تصرف میں گو براہ راست دے دیا جاتا تھا۔ لیکن اس تصرف کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ حضور ﷺ اس کی آمدنی اپنی صوابدید سے اپنی خانگی ضروریات میں صرف فرمانے کے بعد اسلام کی ضروریات ہی میں صرف فرماتے تھے اور اعلان فرمایا تھا کہ یہ مسلمانوں کی ضروریات ہی میں صرف ہوگی"۔ (۴۲)

خمس کے مصارف کو قرآن نے متعین کر دیا ہے (آغاز پارہ: ۱۰) یعنی خمس (کل مال غنیمت کا 1/5 حصہ) اللہ کے لیے، رسول کے لیے قرابت داروں کے لیے، مساکین اور مسافروں کے لیے، مختص ہے۔ اس سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پہلے پہلے جب بیت المال قائم ہوا تو ابتدائی آمدنی کے وقت سے ہی غریب و مسکین اور نادار لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مزید برآں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المال کے خمس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملت ہی کے مفادات و مصالح اور ضرورت مندوں کی اعانت و امداد پر صرف ہوتا تھا اور کل غنیمت کے 1/5 (خمس) کا 1/5 یعنی غنیمت کا صرف پچیسواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی مصرف میں آتا تھا۔ (۴۳)

امام ابو یوسفؒ نے تصریح کی ہے کہ خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ ایک اللہ و رسول ﷺ کے لیے دوسرا قرابت داروں کے لیے، تیسرا یتیموں کے لیے، چوتھا مسکینوں کے لیے اور پانچواں مسافروں کے لیے ہوتا تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں خمس کا جو پانچواں حصہ آتا تھا۔ آپ ﷺ اس کو بھی تین حصوں میں بانٹ دیتے تھے۔ یعنی:

۱۔ اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔

۲۔ قوم میں حضور ﷺ کا جو نائب ہوتا تھا اس کو بھی اس میں سے دیتے تھے، پھر جب مال زیادہ ہو گیا تو۔

۳۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔

ان تحصیلات کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا کہ:

"لیس لی من مخنکم الاالخمس والخمس مودود علیکم" (۴۵)

تمہارے مال غنیمت میں میرے لیے صرف پانچواں حصہ ہے اور یہ بھی تمہیں لوگوں پر واپس لوٹا (تقسیم کر) دیا جاتا ہے۔

رعایا کی ضروریات پوری کرنے کا عام اسلوب

عہد نبوی ﷺ میں باقاعدہ وزارتیں اور مختلف محکمے وجود میں نہیں آئے تھے۔ اس لیے ہر سائل براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا اور اپنی حاجت پیش کرتا۔ اب دیکھتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ ضرورت مند لوگوں کی ضروریات عام طور پر کس طرح پوری فرماتے تھے اور کس طرح ان کی ضرورتوں پر خرچ کرتے تھے؟ تو اس کی تفصیل اس خوش نصیب آدمی کی زبانی سنتے ہیں۔ جنہیں مؤذن رسول ہونے کے علاوہ بعثت سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک آپ ﷺ کے خزانچی ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔ چنانچہ حضرت بلال ؓ فرماتے ہیں کہ:

"جب حضور اکرم ﷺ کے پاس کوئی مسلمان آدمی آتا اور اسے ننگا (یا بھوکا) دیکھتے تو مجھے اس کے لیے کپڑے مہیا کرنے کا حکم فرماتے۔ میں جا کر قرض لیتا اس کے لیے کپڑے اور متعلقہ چیزیں خریدتا۔ اسے کپڑے پہناتا اور کھانا کھلاتا (۴۶) حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کا سلسلہ اس طرح چلتا رہتا۔ ایک دن مجھے ایک مشرک آدمی ملا اور کہنے لگا بلال! "میرے پاس بڑی وسعت ہے۔ میرے علاوہ کسی سے قرض نہ لیا کرو" چنانچہ میں اس سے قرض لینے لگا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک دن میں وضو کر کے اذان کے لیے کھڑا ہوا تو وہ

مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آدھمکا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا "یا حبشی" (اے حبشی) میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ (بدتمیزی سے) مجھ پر جھپٹا اور ایک سخت بات کہی (یقیناً گالی دی ہوگی) پھر کہنے لگا "جانتے ہو مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا مہینہ ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا "مہینہ ختم ہونے میں صرف چار دن باقی ہیں اگر تو ادائیگی نہیں کرتا تو تجھے اپنی اس رقم کے عوض گرفتار کرلوں گا جو تیرے ذمہ ہے۔ میں نے تمہیں جو کچھ دیا تھا وہ تیرے یا تیرے صاحب (پیغمبر علیہ السلام) کی بزرگی کی وجہ سے نہیں دیا تھا بلکہ اس لیے دیا تھا کہ اس بہانے تجھے اپنا غلام بنالوں اور تجھ سے اسی طرح بکریاں چرواؤں جس طرح اس سے پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا" میرے دل میں اس (دولت کے نشے میں مخمور مشرک) کی اس بات سے وہی چیز بیٹھ گئی جو ایسے مواقع پر لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جایا کرتی ہے۔ بہرکیف میں گیا اور اذان پڑھی۔ جب عشاء کی نماز پڑھ چکا اور حضور علیہ السلام نماز پڑھا کر گھر تشریف لے گئے۔ تو اجازت لے کر آپ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا "یا رسول اللہ علیہ السلام! (فداک ابی وامی) جس مشرک کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ میں اس سے قرض لیا کرتا ہوں اس نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ ادھر نہ آپ علیہ السلام کے پاس اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے اور وہ مجھے خواہ مخواہ ذلیل کرے گا۔ لہٰذا آپ علیہ السلام اجازت فرمائیں کہ میں (مدینہ منورہ سے باہر) بعض مسلمان قبائل کے پاس چلا جاؤں حتیٰ کہ اللہ کریم اپنے رسول علیہ السلام کو اتنا رزق عطا فرمادے جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے" یہ کہہ کر میں کاشانہ نبوی علیہ السلام سے نکلا اور گھر آیا۔ اپنی تلوار، نیزہ اور جوتے سر کے پاس رکھے اور صبح کی انتظار میں لیٹ گیا۔ جب بھی سونے کی کوشش کرتا فکر سے پھر آنکھ کھل جاتی اس طرح کرتے کرتے رات گزر گئی۔ اور صبح صادق طلوع ہوئی۔ میں گھر سے نکلنے ہی لگا تھا کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور پکارا کہ "اے بلال تمہیں حضور علیہ السلام بلا رہے ہیں۔ میں حضور علیہ السلام کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ کاشانہ نبوی علیہ السلام کے

باہر چار اونٹ بیٹھے ہیں اور ان پر سامان لدا ہوا ہے۔ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں خوشخبری ہو۔ اللہ کریم نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا انتظام فرمایا دیا ہے'' میں نے الحمد للہ پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا تم نے باہر بیٹھے ہوئے چار اونٹ نہیں دیکھے؟'' میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ ضرور دیکھے ہیں۔ فرمایا ''یہ اونٹ اور جتنا سامان ان پر لدا ہوا ہے وہ سب تیرا ہے۔'' ان اونٹوں پر کپڑے اور کھانے پینے کا سامان تھا جسے فدک کے رئیس نے حضور ﷺ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ فرمایا: ''یہ اونٹ اور سامان لے لو اور اپنا قرض اتارو۔'' حضرت بلالؓ فرماتے ہیں: میں نے اونٹوں سے سامان اتارا اور انہیں رسی سے باندھ دیا۔ پھر میں نے صبح کی اذان پڑھی۔ جب حضور ﷺ نماز پڑھا چکے تو میں بقیع کی طرف نکلا اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر زور زور سے اعلان کرنے لگا ''جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے قرض لینا ہے وہ آ جائے'' پس میں سامان بیچ بیچ کر قرض اتارنے لگا حتی کہ حضور ﷺ پر کوئی قرض باقی نہ رہا۔ سارا قرض اتارنے کے بعد بھی میرے پاس ڈیڑھ دو اوقیہ بچ رہے۔ اب میں مسجد میں آیا تو شام ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو دریافت فرمایا: ''تمہارے معاملے کا کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا ''اللہ کریم نے وہ سب کچھ ادا فرما دیا ہے جو حضور ﷺ کے ذمہ تھا اور اب کوئی قرض باقی نہیں رہا'' پوچھا ''کیا کوئی چیز باقی بچی ہے'' میں نے عرض کیا ہاں۔ دو دینار بچے ہیں۔ فرمایا: ''دیکھو! انہیں خرچ کر کے مجھے راحت پہنچاؤ۔ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ تو انہیں خرچ کر کے مجھے راحت نہیں پہنچاتا'' حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ اتفاق سے اس دن رات گئے تک کوئی آدمی نہ آیا تو حضور ﷺ نے رات مسجد میں ہی گزاری۔ دوسرے دن بھی مسجد میں ہی تشریف فرما رہے۔ حتی کہ شام کو دو مسافر سوار آ گئے۔ میں نے ان دو دینار کے کپڑے اور کھانا خرید کر انہیں پہنا دیا اور کھلا دیا۔ جب آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ چکے تو پھر مجھے بلایا اور پوچھا ''تیرے

معاملے کا کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا ''اللہ نے آنجناب ﷺ کو اس سے راحت پہنچادی ہے'' آپ نے اللہ اکبر کہا اور دو دیناروں ؓ کے خرچ ہونے پر اللہ کا شکریہ ادا کیا اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ آپ ﷺ کو اچانک اللہ کی طرف سے بلاوا (پیغام اجل) آجائے اور یہ دینار آپ کے پاس موجود ہوں۔ اب آپ ﷺ اٹھے اور ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف چلے۔ حضرت بلال ؓ کہتے ہیں میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ آپ ﷺ ایک ایک زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ہر ایک کو سلام کیا، پھر آخر میں اس حرم کے پاس پہنچے جن کے پاس رات گزارنے کی باری تھی۔ (۴۷)

آپ کا عام معمول بھی یہی تھا کہ اگر کوئی پیسہ آیا اور رات تک خرچ نہیں ہوا اور نہ ہی کسی مستحق کو دیا جا سکا تو رات کو دولت کدہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ایک رات ایک اوقیہ چاندی صدقے کی بچ رہی تو ساری رات نیند نہ آئی۔ (۴۸)

مفلوک الحال جماعت کی ضروریات کا اہتمام

اب ہم آپ کو بحر سیرت کے چند آبدار موتی اور گلشن سیرت کے چند عطر بیز پھول دکھانا چاہتے ہیں: جن کی چمک دمک اور روح پرور مہک سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ اسلامی ریاست کے مؤسس اول ﷺ نے کس کمال ذمہ داری، ہمدردی اور شفقت سے اپنی رعایا کے ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا فرمایا ہے۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت جریر ؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پریشانی میں آپ ﷺ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے

سامنے خطبہ دیا۔ خطبے میں آپ ﷺ نے سورۃ جن کی ابتدائی آیت کریمہ اور سورۃ الحشر کی آیت "یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد" پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ہر آدمی چاہے اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو ایک ہی کپڑا ہو، ایک صاع گندم کا یا ایک صاع کھجور کا ہو، اس میں سے صدقہ کرے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ ﷺ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کھڑے ہوئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں کپڑوں اور کھانے کے دو ڈھیر لگ گئے۔ صحابہ کرام کے اس جذبہ ہمدردی اور مواسات کو دیکھ کر دوسرے فقراء کی ضرورت کو اس طرح پورا ہوتے دیکھ کر:

رایت وجه رسول الله ﷺ یتهلل کانه مذهبة (۴۹)

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔

اسلام نے اس چیز کو ایمان کے ہی منافی قرار دیا ہے کہ ایک آدمی خود تو خوب سیر ہو کر کھالے اور اس کے پڑوس میں رہنے والا رات بھوکے ہی بسر کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

لیس المؤمن بالذی یشبع وجاره جائع الی جنبه رواه البیهقی فی شعب الایمان (۵۰)

"وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا ہو۔"

ایک حدیث میں فرمایا:

ایما اهل عرصة اصبح فیهم امرء جائعا فقد برءت منهم ذمة الله (۵۱)

جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا تو اسی بستی سے اللہ کی حفاظت ونگرانی کا وعدہ ختم۔

انسان جس طرح کا خود کھائے، پہنے، ایمان کا مطالبہ ہے کہ اسی طرح کا کھانا پینا اور پہننا اپنے ماتحت بنیادی ضروریات سے محروم لوگوں کو بھی دے۔

ایک بچے کو قمیص اتار کر دے دینا

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت: ۲۹، اور ۳۰ کے تحت متعدد مفسرین مثلاً زمخشری نے کشاف میں، ابوحیان اندلیسی نے بحرالمحیط میں، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں، شیخ اسماعیل حقی نے روح البیان میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں بیان کیا ہے کہ ایک خاتون نے ایک لڑکا قمیص کی درخواست کے ساتھ بارگاہ نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اس وقت تو کچھ نہیں پھر کسی وقت آ جانا۔ لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے دوبارہ اسے بھیجا اور کہا کہ حضور ﷺ سے کہو "اور قمیص نہیں تو آپ کے جسم پر تو ہے۔ یہی عنایت فرما دیں"، حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کے حوالے کر دی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھے رہے حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی باہر تشریف نہ لا سکے۔ صحابہ کو تشویش ہوئی۔ اندر گئے تو اصل صورت حال معلوم ہوئی اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا. ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انه کان بعباده خبیرا بصیرا.

(سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۲۹۔۳۰)

(اے پیغمبر! نہ تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لیں (کہ کسی کو کچھ دیں ہی نہیں) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیں کہ (بخل کی صورت

میں) ملامت زدہ اور (سب کچھ لٹا دینے کی صورت میں) حسرت زدہ ہو کر بیٹھ جائیں۔ بیشک آپ ﷺ کا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے۔ جس کے لیے چاہتا ہے ہاتھ تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خبر رکھنے والا اور ان کے حالات دیکھنے والا ہے۔ (لہٰذا آپ ﷺ کو ان کی تنگیٔ معاش کی اتنی فکر نہ ہونی چاہیے۔)

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی چونکہ سارے انسانوں کے واسطے ایک نمونہ ہے اور انسانوں کی اکثریت کا اپنی طبعی اور بشری کمزوریوں اور کم ہمتی کی وجہ سے بس کا روگ نہیں کہ وہ گھر کا سارا اثاثہ اور اپنے پاس موجود سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ اس لیے حضور ﷺ کو تعلیم امت کے واسطے انفاق میں میانہ روی کا حکم ارشاد فرمایا گیا ورنہ حضور ﷺ کی ذاتی طبیعت فطرت اور جبلت تو یہ تھی کہ سب کچھ خرچ کرنے پر حسرت یا افسوس کی بجائے اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک کہ خرچ نہ کر لیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ جبلی جود و کرم کے باعث "لا" (نہیں) کا لفظ آپ ﷺ کی ڈکشنری میں ہی نہیں تھا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے:

ماسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شی قط فقال لا (۵۲)

نبی اکرم ﷺ سے کبھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے "نہیں" فرمایا ہو۔

واقعہ ہذا کی معاشی تعلیمات

مندرجہ بالا واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے دور حاضر کے معرف ماہر معاشیات ڈاکٹر نور محمد غفاری مدظلہ نے اپنی "صدارتی ایوارڈ یافتہ" کتاب "نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی" میں لکھا ہے۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے ہمیں چار معاشی تعلیمات ملتی ہیں:

۱۔ والدہ کا اپنے بیٹے کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کرتہ لینے کے لیے بھیجنا، اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے کفالت عامہ کی جو ذمہ داری بحثیت رئیس دولت اسلامیہ قبول کر رکھی تھی اس کا علم اس محتاج عورت کو بھی تھا۔

۲۔ اس لڑکے کا آپ ﷺ کا کرتہ مبارک پکڑ کر کہنا کہ آپ ﷺ نے تو کرتہ پہن رکھا ہے مجھے نہیں دیتے۔ اس امر واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لڑکا بھی جانتا تھا کہ ننگوں کو کپڑا پہنانا آپ ﷺ کی...... بحثیت رئیس دولت اسلامیہ...... ذمہ داری ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کا اپنا کرتہ مبارک اتار کر اس لڑکے کو دیدینا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کو اعتراف تھا کہ ایسے بے کسوں اور بیواؤں کو کپڑا پہنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنا کرتہ تک اتار کر اس ننگے برہنہ لڑکے کے سپرد کر دیا۔

۴۔ قیامت تک آنے والے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کیونکر درست ہے کہ وہ خود تو اپنی ضروریات پوری کر رہے ہوں (مثلاً کپڑے پہن کر رہیں) اور ان کی رعایا کے محتاج اور بے کس برہنہ تن یا برہنہ پا یا پیٹ سے بھوکے پھریں۔

یورپ کو ناز ہے اس بات پر کہ اس نے کفالت عامہ (Social Security) کا تصور پیش کر کے عاجز و درماندہ اور محتاج انسانوں پر احسان کیا ہے۔ مگر شاید یورپ اور اس کے متاثرین یہ بھول گئے ہیں کہ یورپ نے اس کار خیر کا آغاز انیسویں صدی میں کیا اور اس کا سہرا برطانوی وزیر بیورج (Beveridge) کے سر باندھتے ہیں۔ جس نے ۱۹۴۱ء میں بیورج رپورٹ (Beveridge Report) پیش کر کے

محتاجوں کو کچھ دینے کی اپیل کی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کار خیر کا آغاز اس زمانے میں کیا جب دنیا کفالت عامہ کے تصور سے ہی خالی تھی۔ (۵۳)

ایک انصاری کو اپنا قمیص پہنانا

نبی رحمت ﷺ کو ضرورت مند لوگوں کا کتنا احساس تھا، آپ ﷺ کس طرح ان کی ضروریات پوری فرماتے اور کس طرح آپ ﷺ بے آسروں کی مدد اور ہمدردی فرماتے تھے۔ اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس مشاہدے سے لگایئے کہ:

نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر کو دیکھا تو اس سے چار دراہم میں ایک قمیص خریدی۔ اسے زیب تن فرما کر باہر نکلے تو اچانک ایک انصاری آپ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایک عدد قمیص پہنایئے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ کریم آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیص پہنائے۔ حضور ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیص تھی نہیں۔ وہی قمیص اتاری اور اس انصاری کو پہنادی۔ پھر دوبارہ دوکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لیے مزید ایک قمیص چار درہم میں خریدی۔ تاہم ابھی آپ ﷺ کے پاس دو درہم باقی تھے۔ دوکان سے نکل کر چلے تو راستے میں ایک باندی (لونڈی) کو روتے دیکھا۔ فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے گھر والوں نے آٹا خریدنے کے لیے مجھے دو درہم دیئے تھے وہ درہم مجھ سے ضائع ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے پاس بقیہ دو درہم اسے عنایت فرما دیئے۔ (فرمایا ان سے آٹا خرید لو) حضور ﷺ وہاں سے چلے تو وہ لونڈی بدستور رو رہی تھی۔ فرمایا اب کیوں روتی ہو جب کہ تمہیں دو درہم مل گئے ہیں؟ اس نے عرض کیا اس خوف سے کہ گھر والے شاید مجھے ماریں گے۔ (فرمایا چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چنانچہ) آپ ﷺ اس کے ساتھ اس کے گھر والوں کے پاس تشریف لائے۔ دروازے پر پہنچ کر اجازت لینے کے لیے آپ نے السلام علیکم کہا تو گھر والوں نے آپ کی آواز مبارک کو پہچان لیا (مگر جواب نہ دیا یا بالکل آہستہ دیا کہ سنائی نہ

دے) آپ ﷺ نے دوبارہ سلام فرمایا (تو دوسری دفعہ بھی انہوں نے جواب نہ دیا یا بالکل آہستہ دیا کہ سنائی نہ دیا) پھر آپ ﷺ تیسری مرتبہ سلام فرما کر لوٹنے لگے تو انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا اور حاضر خدمت ہوئے فرمایا: تم نے پہلی مرتبہ میرا سلام نہیں سنا تھا؟ وہ عرض کرنے لگے کیوں نہیں۔ یقیناً سنا تھا مگر ہم نے چاہا کہ اس بہانے آپ اپنی زبان سے مزید ہم پر سلام فرمائیں گے اور یوں ہمارا مدعا پورا ہو گیا۔ آپ ارشاد فرمائیے کہ آنجناب ﷺ نے کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا: تمہاری اس لونڈی کو ڈر تھا کہ کہیں تم اسے (دیر ہونے پر) سزا نہ دو۔ (اس لیے اسے کچھ نہ کہنے کی سفارش کرنے کے لیے آیا ہوں) اس لونڈی کے مالک نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مارنا تو بعد کی بات ہے آج سے ہمیشہ کے واسطے اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے کیونکہ آپ ﷺ اس کے ساتھ چل کر تشریف لائے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس گھر والوں کو اس احسان پر نیکی اور جنت کی بشارت دی۔ (۵۴)

میرے نام پر قرض اٹھالو

نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کی ضروریات کا کتنا احساس تھا۔ اس کی ایک جھلک درج ذیل روایت میں دیکھئے:

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ حضور ﷺ فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آجائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ جو پاس ہی بیٹھے تھے، نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے، اللہ نے جب اس کا آپ ﷺ کو مکلف نہیں ٹھہرایا تو آپ ﷺ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے حضرت عمر کی اس بات یا

مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ بے دھڑک خرچ کرتے رہیے اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ کیجئے۔ انصاری کی یہ بات چونکہ آپ ﷺ کے دل کی آواز تھی اس لیے سن کر تبسم فرمایا اور خوشی سے چہرہ کھل اٹھا، پھر فرمایا: ہاں مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (۵۵)

فاقہ کشوں کی مہمان نوازی

فاقہ کشوں کی فاقہ کشی کا علاج حکومت کا بنیادی فرض ہے۔ دور نبوی ﷺ میں میں کوئی باقاعدہ وزارت خوراک تو نہ تھی تاہم آپ ﷺ نے اس فرض کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ خوراک کی فراہمی میں سب سے زیادہ کردار آپ کے اپنے گھرانا کا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مسند امام احمد کا ایک روح پرور اور ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت مقداد بن الاسودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت بھوک نے میرے دو ساتھیوں کو اور مجھے آلیا۔ حتیٰ کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں میں اندھیرا ہونے لگا۔ جب کوئی اور چارہ کار نظر نہ آیا تو ہم نے سوچا کہ اصحاب رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں شاید کسی کی طرف سے کھانے کی دعوت مل جائے۔ چنانچہ ہم لوگ سب صحابہؓ کے پاس باری باری گئے۔ مگر ان سب کے ہاں بھی تو افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی ایک نے بھی ہم سے "صلح" نہ ماری اور کوئی ہمیں ٹھہرانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اب در رسول ﷺ پر جانے کے علاوہ بچنے کی کوئی شکل دکھائی نہ دیتی تھی، اس لیے ہم حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور فرمایا یہ چار بکریاں ہیں خود بھی دودھ پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو۔

ہم کئی دن تک حضور ﷺ کے گھر میں رہے۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ بکریوں کا دودھ دوہ کر اس کے چار حصے کرتے۔ ایک حصہ حضور ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے اور باقی ہم اپنے اپنے حصے کا پی کر سو جاتے۔ حضور ﷺ عموماً رات کو دیر سے گھر تشریف لے آتے اور

اتنی آواز سے سلام کہتے کہ جاگنے والا تو سن لیتا اور سوئے ہوئے کی نیند میں خلل واقع نہ ہوتا۔ بعد ازاں تھوڑی دیر نوافل پڑھتے اور پھر دودھ کے برتن کے پاس آ کر دودھ نوش فرما لیتے۔ ایک دن شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا کہ "حضور ﷺ انصار کے ہاں گئے ہیں۔ آپ وہاں سے کھا پی لیں گے۔ اس گھونٹ دودھ کو آپ ﷺ کیا کریں گے۔ لہٰذا تجھے خود یہ دودھ پی لینا چاہیے" اس وسوسے کو وہ میرے دل میں القاء کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اٹھا اور حضور ﷺ کے حصے کا دودھ ہڑپ کر گیا۔ پینے کو تو پی لیا مگر اب انتہائی ندامت محسوس ہوئی۔ میں اپنے آپ سے کہنے لگا "افسوس تو نے کیا کر دیا؟ تو نے حضور ﷺ کا دودھ پی لیا۔ جب آپ تشریف لائیں گے اور دودھ نہیں دیکھیں گے تو تیرے لیے بددعا فرما دیں گے اور یوں تیری دنیا و آخرت خراب ہو جائے گی۔" میں نے ادھر ادھر بہت پہلو بدلے مگر اس پریشانی کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی۔ میرے دوسرے دونوں ساتھی سو چکے تھے۔ اتنے میں حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے حسب معمول آہستہ سے سلام کیا پھر مسجد میں نماز پڑھی اور دودھ کے برتن کے پاس تشریف لائے۔ ڈھکنا ہٹایا تو اس میں کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ میں نے سمجھا اب شامت آئی۔ حضور ﷺ بددعا فرمائیں گے۔ مگر آپ ﷺ نے یوں دعا کی۔

"اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی"

(اے اللہ! تو اس شخص کو کھانا کھلا جو مجھے کھلائے اور اس شخص کو پلا جو مجھے پلائے)

یہ سن کر میں نے چادر اوڑھی چھری پکڑی اور بکریوں کی طرف گیا کہ ایک کو آپ ﷺ کے واسطے ذبح کرتا ہوں۔ بکریوں کے پاس جا کر دیکھا تو سب کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ جلدی جلدی ایک برتن میں دودھ دوہا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے دودھ پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پی لیا اور باقی مجھے دیدیا۔ میں نے عرض

کیا حضور! اور پیجئے آپ ﷺ نے تھوڑا سا مزید پی کر باقی مجھے عنایت فرمادیا اور میں نے پی لیا۔ جب میں نے یقین کرلیا کہ آپ سیر ہو گئے ہیں اور آپ کی مذکورہ دعا کا بھی میں مستحق ہو گیا ہوں تو مجھے خوب ہنسی آئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا مقداد کیا بات ہے؟ میں نے سارا قصہ کہہ سنایا تو فرمایا: یہ دودھ اللہ کی طرف سے خصوصی رحمت تھی مگر اس بات کا دکھ ہے کہ تو نے اپنے ساتھیوں کو نہیں جگایا وہ بھی پیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ ﷺ نے نوش فرمالیا تو باقی لوگوں کی کوئی پروا نہیں۔ (۵۶)

حضرت ابو ہریرہؓ اور چند دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلانا

اسی طرح ایک اور ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہؓ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک دن بھوک نے مجھے ستایا تو مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں چند اور صحابہ سے ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے اے ابو ہریرہؓ! اس وقت کہاں؟ (غالباً وہ وقت عام لوگوں کے سونے کا ہوگا) میں نے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا: مجھے اس وقت گھر سے نکلنے پر بھوک نے مجبور کیا ہے۔ وہ کہنے لگے قسم بخدا۔ ہمارا بھی یہی معاملہ ہے ہمیں بھی بھوک ہی نے اس وقت گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ہم سب مل کر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا بھائی اس وقت تم سب کیسے؟ ہم نے صاف عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت بھوک ہمیں آپ کے پاس لائی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کے نورانی مکھڑے پر ان فقیروں کے بے وقت آدھمکنے اور آرام میں مخل ہونے کے کوئی ناگوار اثرات ظاہر نہیں ہوئے بلکہ فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگوایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا۔ یہ کھالو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج کے دن تمہارے لیے کافی ہو رہیں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھالی اور دوسری کو بچا کے گود میں رکھ لیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ ابو ہریرہؓ! تو نے کھجور

کیوں بچا کر رکھی ہے؟ میں نے عرض کیا اپنی امی کے لیے۔ فرمایا تم کھاؤ تمہاری ماں کے لیے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ میں نے وہ کھجور نوش کرلی اور والدہ کے لیے حضور ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔ (۵۷)

حضور ﷺ کے گھروں میں فاقے کی وجہ

حضور ﷺ کے گھروں میں اکثر فاقوں اور اہل بیت کے کمال صبر و شکر کی جو متعدد روایات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ تو ابن سعد نے ان فاقوں کی ایک وجہ بتائی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ (جنہیں دن رات حضور ﷺ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوتا تھا) نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ اکثر بھوکے رہتے تھے۔ سننے والے راوی اعرج نے دریافت کیا اس بھوک کی وجہ کیا تھی؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ:

لکثرة من یغشاہ و اضیافه و قوم یلزمونه لذا فلایا کل طعام ابدا الامعه اصحابه و اهل الحاجة یتتبعون من المسجد (۵۸)

کثرت سے آپ ﷺ کے ہاں آنے والے مہمانوں اور ان مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ آپ ﷺ جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ اور وہ اہل حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے ہی آپ کے پیچھے آ جاتے۔

ابو بصرہؓ غفاری کا بیان ہے کہ میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ آپ ﷺ نے اس بکری کا دودھ دوہ کر مجھے پلا دیا جو گھر والوں کو ملا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کے اہل و عیال بھی کوئی ہمارے اہل و عیال نہ تھے۔ صبر و شکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ سب کہنے لگے: ہم آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے

جس طرح کل رات بھوکے گزاری تھی۔

حضور ﷺ کے ہاں مہمان نوازی میں اپنے پرائے اور مسلم وغیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ جو بھی مہمان کا شانہ نبوی ﷺ میں آتا آپ اس کی بھرپور خاطر تواضع فرماتے۔ ابوبصرہ مذکور کی بھی حسب عادت آپ نے خاطر تواضع فرمائی۔ مہمان کو سیر ہو کر کھلایا مگر سب گھر والوں نے رات بھوکے گزار دی۔ حضور ﷺ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار اپنا اثر کر چکا تھا۔ ابوبصرہ حضور ﷺ کی اس ایثار نفسی سے اتنا متاثر ہوئے کہ صبح ہوتے ہی کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (۵۹)

یہی وجہ تھی کہ شاہ دوسرا علیہ التحیۃ و الثناء اور آپ کا سارا گھرانا رات کو اکثر بھوکا سو رہتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا و اھلہ لا یجدون عشاء و کان اکثر خبزھم خبز الشعیر (۳۰)

(رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے کئی کئی متواتر راتیں بھوکے گزار دیتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب کبھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔)

اصحاب صفہ کا خیال اور خبر گیری

اصحاب ان فقراء و مساکین صحابہ کو کہا جاتا تھا جن کا مدینہ منورہ میں کوئی گھر بار نہ تھا۔ نہ ہی انہیں گھر بار اور مال و متاع کی چنداں خواہش تھی۔ دنیا کے نہ ہونے پر انہیں کسی قسم کا غم نہ تھا۔ وہ اپنے فقر اور عقبی کی ان عظیم نعمتوں پر راضی تھی، جن کی حضور ﷺ نے انہیں خبر دی تھی۔ ہمہ وقت بارگاہ نبوی ﷺ میں رہ کر تعلیم حاصل کرنا ان کا سب سے بڑا مشن تھا۔ ان ''اضیاف الاسلام'' کے لیے حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے ایک کونے میں ایک سایہ دار چبوترہ بنوا دیا تھا وہ اسی میں سوتے اور دن رات رہتے تھے۔ ان کے فقر و فاقہ اور

افلاس کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات کھڑے ہونے کی سکت نہیں رکھتے تھے اور دوران نماز ہی گر پڑتے تھے۔(٦١)

حضرت ابو ہریرہؓ جو خود بھی اصحاب صفہ میں داخل تھے، اصحاب صفہ کی تنگ دستی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ایسے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی پوری چادر نہ تھی۔ ان کے پاس یا تو صرف تہہ بند ہوتا تھا یا کمبل جسے انہوں نے گردنوں کے ساتھ باندھ رکھا ہوتا تھا۔ وہ کمبل بعض حضرات کی نصف پنڈلیوں اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچتا تھا۔ وہ کمبل کو اس خوف سے پکڑے رہتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔ (٦٢)

جب تک فتوحات کا دروازہ نہیں کھلا تھا اور عام خوشحالی کا آغاز نہیں ہوا تھا حضور ﷺ نے ان کی معاش کا یہ انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو بعض صاحب حیثیت صحابہ پر انہیں تقسیم فرما دیتے۔ وہ ایک ایک دو دو چار چار اور بعض حضرات اس سے بھی زیادہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔ (٦٣)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ پھر بھی دس کے لگ بھگ جو آدمی بچ جاتے حضور ﷺ ان کو اپنے کھانے میں شامل فرما لیتے (٦٤) در نبوی پر پڑے ہوئے ان شیدایان اسلام اور خدایان رسول کے متعلق حضور ﷺ کا اپنا عمومی رویہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی قسم سے کوئی چیز آتی تو سب کی سب ان کی طرف بھیج دیتے اور خود اسے ہاتھ تک نہ لگاتے اور جب کوئی ہدیہ آ جاتا تو اس سے خود بھی تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی شریک کرتے۔ (٦٥)

علاوہ ازیں انصار حضرات اصحاب صفہ کے لیے کھجوروں کے خوشے بھی مسجد میں لٹکا دیتے جن سے وہ حسب خواہش کھا لیتے۔ (٢٢)

اہل صفہ کو آل رسول ﷺ پر ترجیح

اس کے علاوہ بھی عموماً یہی ہوتا کہ پہلے اصحاب صفہ کو کھلاتے بعد میں خود نوش فرماتے۔ حضور ﷺ کو اصحاب صفہ کی ضروریات کا کتنا خیال تھا اور انہیں کس طرح اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر ترجیح دیتے تھے اس کا اندازہ ابن سعد کی اس روایت سے لگایئے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات حضور ﷺ اپنے گھر سے نکل کر ہماری طرف تشریف لائے۔ مجھے فرمایا کہ سب اصحاب صفہ کو بلالاؤ (۶۷) اس وقت سب سو چکے تھے بہر کیف میں نے ایک ایک کر کے سب کو جگایا اور ہم سب حضور اکرم ﷺ کے دروازے پر آ گئے۔ اجازت لے کر اندر گئے تو آپ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھ دیا جس میں جو سے تیار کردہ ایک کھانا تھا۔ فرمایا: بسم اللہ پڑھو! ہم نے اس میں سے حسب منشا کھایا پھر ہم نے ہاتھ کھینچ لیے۔ پیالہ ہمارے سامنے رکھتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آج محمد ﷺ کے گھر میں اس کھانے کے سوا جسے تم دیکھ رہے ہو، کوئی چیز نہیں۔ دست نبوی ﷺ لگنے سے کھانے میں اللہ نے اتنی برکت ڈال دی تھی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پیالہ ابھی جوں کا توں تھا۔ (۶۸)

اصحاب صفہ کو پہلے دودھ پلانا

حضور اکرم ﷺ کو اصحاب صفہ کی ضرورتوں کو کس قدر مقدم رکھتے اس کا اندازہ درج ذیل ایمان افروز واقعہ سے لگایئے:

حضرت ابو ہریرہؓ تسمیہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو تھامے زمین پر گرا پڑا رہتا۔ مجھے شدت بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتا۔ چنانچہ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ گزرتے تھے (تاکہ کوئی دعوت دے دے اور کھانے

کی "صلح" مارے مگر کسی نے بھی میرا مقصد نہ سمجھا) بالآخر میرے پاس سے حضور ﷺ گزرے تو آپ ﷺ نے مجھے یوں بیٹھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور جو کچھ میرے چہرے پر اور میرے دل میں تھا اسے پہچان لیا۔ فرمایا ابو ہریرہؓ میرے ساتھ آ جاؤ۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ ﷺ اپنے دولت خانہ میں داخل ہوئے پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا۔ آپ ﷺ نے گھر والوں سے دریافت فرمایا: یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے بتایا: فلاں صاحب نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور سب کو میرے پاس بلا لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ یہ لوگ اپنے اہل و عیال اور کسی قسم کا مال نہیں رکھتے تھے۔ نہ ہی کسی دوسرے آدمی کے پاس ٹھہرتے تھے۔ بلکہ مستقل مسجد میں ہی رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو سیدھا ان کے پاس بھیج دیتے۔ اس میں سے خود کوئی چیز تناول نہ فرماتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو ان لوگوں کو بلاتے اس میں سے خود بھی کھاتے اور انہیں بھی شریک فرماتے۔ اصحاب صفہ کو بلانے والی بات مجھے اچھی نہ لگی۔ میں نے دل میں کہا یہ تھوڑا سا دودھ تمام اہل صفہ کو کیا کرے گا۔ اس کے پینے کا تو میں زیادہ حقدار تھا۔ جب وہ سب آ جائیں گے تو امید نہیں ہے کہ میرے واسطے بھی کوئی چیز بچے۔ بہر کیف اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ میں اصحاب صفہ کے پاس آیا اور سب کو بلا لایا۔ سب لوگ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہؓ یہ پیالہ پکڑو اور سب کو پلاؤ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے پیالہ پکڑا اور سب کو باری باری پلانے لگا۔ جب ایک آدمی سیر ہو جاتا تو میں پیالہ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھما دیتا۔ میں پلاتے پلاتے آخر میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ دودھ میں اللہ نے اتنی برکت ڈالی کہ میرے اور آپ ﷺ کے سوا سب نے سیر ہو کر پی لیا تھا۔ اب آپ ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ

پر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا: ابو ہریرہؓ! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا صرف میں اور تو باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے صحیح فرمایا: ہے۔ فرمایا تو پھر بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور ایک مرتبہ دودھ پیا۔ فرمایا دوبارہ پیو میں نے پھر پیا۔ آپ ﷺ برابر مجھے فرماتے رہے کہ پیو پیو حتی کہ میں نے کہا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اب کوئی گنجائش نہیں۔ فرمایا: تو پھر مجھے دو میں نے پیالہ آپ ﷺ کے حوالے کیا۔ آپ ﷺ کے حوالے کیا آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھی اور بچا کھچا دودھ نوش فرمایا۔ (۶۹)

اول درویش بعد خویش

نبی اکرم ﷺ کو اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ الزہراءؓ سے جتنا تعلق خاطر تھا۔ جتنی ان کی خاطر داری فرماتے تھے۔ جتنی ان سے محبت رکھتے تھے اور تعلیم امت کے لیے جتنا ان کا احترام فرماتے تھے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ صرف ایک روایت امام بخاریؒ کی پڑھ لیجئے۔ امام فرماتے ہیں:

سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ جب بھی حضور ﷺ کے ہاں تشریف لاتیں تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ بیٹی کو خوش آمدید کہتے۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔ پھر انہیں اپنی نشست پر بٹھاتے اور جب کبھی حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی بڑھ کر استقبال کرتیں۔ مرحبا کہتیں ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اس کے بعد اپنی نشست پر بٹھاتیں۔ سیدہ فاطمہ حضور ﷺ کی مرض الوفات میں آئیں تو آپ نے انتہائی علالت اور کمزوری کے باوجود انہیں مرحبا کہا اور بوسہ لیا۔ (۷۰)

اس روایت سے آپ ﷺ نے اس گہرے اور محبت بھرے تعلق کا کچھ اندازہ کر لیا ہوگا۔ جو حضور ﷺ کو اپنی اس نیک بخت بیٹی سے تھا۔ اس کے باوجود سیدہ کے گھر میں افلاس کا یہ عالم تھا کہ گھر کا سارا کام کاج خاتون جنت کو خود کرنا پڑتا تھا۔ چکی خود پیستیں، پانی

خود بھرتیں، کھانا خود پکاتیں، کپڑے خود دھوتیں۔ چھوٹے بچوں کے نہلانے دھلانے کا کام اس کے علاوہ تھا۔ مالی اعتبار سے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ہاں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ سیدہ کو کم از کم ایک خادم ہی رکھ دیں۔ ایک مرتبہ مال غنیمت میں بہت سے غلام اور کنیزیں آئیں تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے سیدہ سے کہا حضور سب لوگوں کو غلام اور کنیزیں عنایت فرما رہے ہیں تم بھی ایک خادم کا مطالبہ کرو۔ سیدہ فاطمہؓ نے درخواست پیش کی تو فرمایا:

لا اعطیک وادع اهل الصفة تطوی بطونهم من الجوع۔(۷۱)

(ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ بھوک سے ان کے پیٹ اکٹھے ہوئے جا رہے ہیں)

زرقانیؒ کی صراحت کے مطابق آپ ﷺ نے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ بیٹی! میرے پاس ان اہل صفہ پر خرچ کرنے کو کوئی چیز نہیں۔ میں ان غلاموں کو فروخت کر کے یہ پیسہ ان فقراء پر خرچ کروں گا۔(۷۲)

بیٹی واپس چلی گئیں تو حضور رات گئے دلجوئی کے لیے تشریف لائے اور فرمایا بیٹی! ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کی تسبیح کر لیا کرو یہ خادم سے کہیں بہتر ہے۔(۷۳)

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ان چار چیزوں کے بنیادی ضروریات ہونے کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) سورۃ طہٰ:۱۱۸، سورۃ البقرۃ:۲۳۳، سورۃ الطلاق:۶۱

(ب) جامع ترمذی (ابواب الزہد) ص:۳۳۹، طبع نور محمد، کراچی

(ج) مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص:۴۴۲، طبع سعید کمپنی، کراچی

(د) ابوبکر کاسانی: بدائع الصنائع:۴:۳۸، طبع مصر

(ہ) امام غزالی، احیاء علوم الدین، :۳:۲۲۵، طبع قاہرہ

(و) ابوعبداللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۱۱:۲۵۳ طبع بیروت

(ز) مرغینانی: عین الھدیہ (اردو ترجمہ ہدایہ):۲:۳۳۲، قانونی کتب خانہ لاہور

(ح) ابن حزم: المحلی، ۳:۴۵۲، (مسئلہ نمبر ۷۲۵) طبع مصر

(ط) شمس الائمہ سرخسی: المبسوط:۳۰:۲۶۴، طبع مصر

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) مرغینانی: ہدایہ (اردو ترجمہ)۱:۹۴۵، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(ب) الکاسانی، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ)۲:۳۶۱، دیال سنگھ لائبریری لاہور

(ج) ابن عابدین شامی، ردالمحتار (کتاب الزکوۃ):۲:۷۶، طبع مصر

(د) زیلعی: تبیین الحقائق:۱:۲۵۳، طبع مصر، ۱۳۱۳ھ

(ہ) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ص:۸۱۵ طبع جدید ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

(و) شھاب الدین احمد رملی: نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج :۶:۱۹۴، طبع مصر

(ز) ڈاکٹر وھبہ الزھیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ:۷:۶۵، طبع دمشق ۱۹۸۹/۱۴۰۹ھ

۳۔ ابوعبداللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۳:۱۶۳، طبع مصر ۱۹۶۳ء

۴۔ المفردات فی غریب القرآن، ص:۳۳۱، طبع مصر

۵ المفردات فی غریب القرآن، ص:۳۳۱، طبع مصر

٦ علامہ آلوسی۔روح المعانی: ج۲ تحت آیت

۷ ہدایہ (اردو ترجمہ): ۲: ۳۳۳، (باب النفقہ) مطبوعہ قومی کتب خانہ، لاہور

۸ المبسوط: ۵: ۱۸۱ (باب النفقۃ) طبع بیروت

۹ (الف) الکاسانی، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ۴: ٦٦، دیال سنگھ لائبریری لاہور ۱۹۹۳ء

(ب) ابوعبداللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸: ۱۷۱، طبع مصر ۱۹٦۳ء

(ج) المبسوط للسرخسی،، ۵: ۱۸۱

۱۰ بخاری: ۲: ۸۰۷ طبع سعید کمپنی کراچی

۱۱ الکاسانی، بدائع الصنائع (اردو ترجمہ): ۴: ۱۰۲، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۱۲ الشاطبی، الموافقات: ۲: ۴، طبع مصر

۱۳ صحیح بخاری، ۱: ۱۸۷، طبع کرزن پریس دہلی رکراچی

۱۴ حجۃ اللہ البالغہ (ابواب الزکوۃ): ۲: ۳٦۱ تا ۳٦۳ (اردو) قومی کتب خانہ، لاہور

۱۵ سورۃ التوبہ: ٦۰

۱٦ زغلول: موسوعۃ اطراف الحدیث تحت ''انا''

۱۷ مقدمہ ابن خلدون، بحوالہ اسلام کا نظام حکومت، از مولانا حامد انصاری، ص: ۱۷۰، دفعہ نمبر۹ طبع مکتبہ الحسن لاہور۔

۱۸ مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۲۵، طبع کراچی

۱۹ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص: ۱۲۹۔۱۳۰، طبع ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء

۲۰ مشکوۃ المصابیح ص: ۴۲۵

۲۱ ابن کثیر البدایہ والنھایہ: ۷: ۳۵

۲۲ (الف) طبقات ابن سعد: ۳: ۳۰۵ طبع بیروت

(ب) تاریخ طبری، تحت حوادث ۲۳ھ

۲۳ ابن جوزی: سیرت عمر بن الخطاب، ص: ۱٦۱ طبع مصر ۱۳۵٦ھ

۲۴ جامع ترمذی (ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث المال)

۲۵ (الف) جامع ترمذی (ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی)

(ب) سنن ابی داؤد (کتاب النکاح باب الولی)

۲۶ زغلول: موسوعۃ اطراف الحدیث تحت "انا"

۲۷ ابن حزم، المحلی، ج:۳، ص:۴۵۲ طبع مصر

۲۸ امام غزالی: التبر المسبوک، ص:۹۴

۲۹ جصاص، احکام القرآن، ج:۳: ص:۱۷۶

۳۰ صحیح بخاری: ۱:۳۱۲ طبع سعید کمپنی کراچی

۳۱ صحیح بخاری: ۱:۳۱۲ طبع سعید کمپنی کراچی

۳۲ دیکھیے (الف) صحیح بخاری (باب اخاء النبی بین المھاجر والانصار)، ج:۱، ص:۵۳۳

(ب) بخاری (باب کیف آخی النبی بین اصحابہ)، ج:۱، ص:۵۶۱

(ج) ابن کثیر البدایہ والنھایہ (اردو ترجمہ): ۳:۲۸۱۔۲۸۲، طبع نفیس اکیڈمی، کراچی

۳۳ (الف) صحیح بخاری (باب مناقب عثمان)، ج:۱، ص:۵۲۲، طبع کراچی

(ب) مشکوۃ المصابیح (باب مناقب عثمان)، ص:۵۶۱ کراچی

۳۴ ابن عبدالبر: استیعاب: ۲:۴۸۸ تحت ترجمہ عثمان بن عفان

۳۵ دیکھیے (الف) صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض باب الصلوٰۃ علی من ترک دیناً

(ب) بخاری، کتاب النفقات باب قول النبی من ترک کلا اوضیاعا فالی

(ج) ترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء من ترک مالا فلورثتہ

(د) روح المعانی: ۱۲:۱۵۱ طبع بیروت

۳۶ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص:۶۱، طبع قاہرہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

۳۷ رسول رحمت (مقالات مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، ص:۱۳۶، طبع لاہور

۳۸ محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے۔ (عینی)

۳۹ صحیح بخاری: ۱:۶۰ (کتاب الصلوٰۃ) طبع کراچی

۴۰ (الف) الہیثمی، مجمع الزوائد: ۱۰:۳۲۵، قاہرہ/بیروت

(ب) مولانا یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ (اردو) ۲:۲۷۷، کتب خانہ فیضی، لاہور

سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی: ۷: ۴۹۔۵۰ طبع الفیصل، لاہور

۴۲۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی: ۷: ۴۷۔۴۸ طبع الفیصل، لاہور

۴۳۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص: ۳۲۴۔۳۲۵ فتوی نمبر ۸۳۱

۴۴۔ کتاب الخراج، ص: ۲۰

۴۵۔ بخاری و مسلم، بحوالہ اسلام کے معاشی نظریے، از ڈاکٹر یوسف الدین، ج: ۲ ص: ۸۱۹

۴۶۔ شیخ عبدالحی کتانی، نظام الحکومۃ النبویہ، ج: ۱، ص: ۴۴۱۔۴۴۲، طبع بیروت

۴۷۔ دیکھیے (الف) صحیح ابن حبان، ج: ۷، ص: ۸۹، طبع سانگلہ ہل، شیخوپورہ

(ب) بیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۴۹، طبع مکتبہ اثریہ، لاہور

(ج) شیخ علی متقی ہندی، کنز العمال: ۷: ۱۲۲ تا ۱۲۴، طبع حیدر آباد دکن

۴۸۔ (الف) الماوردی: اعلام النبوۃ، ص: ۲۱۲، طبع ازھر

(ب) علامہ یوسف نبہانی، جواہر البحار: ۳: ۶

۴۹۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ، ج: ص: ۳۲۵، طبع کراچی

۵۰۔ مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص: ۴۲۴، طبع کراچی

۵۱۔ مسند احمد، حدیث نمبر ۴۸۸۰ (جدید ایڈیشن)

۵۲۔ (الف) بخاری (کتاب الادب) ج: ۲، ص: ۸۹۲، کراچی

(ب) صحیح مسلم: ۲: ۲۵۳، طبع کراچی

۵۳۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص: ۳۰۸۔۳۰۹، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور

۵۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ: ۶: ۴۱: ۴۲، طبع بیروت

۵۵۔ شمائل ترمذی (مع جامع ترمذی)، ص: ۵۹۶۔۵۹۷، طبع نور محمد کراچی

۵۶۔ (الف) ابن کثیر، سیرۃ النبویہ: ۴: ۶۶۶۔۶۶۷، طبع بیروت، لبنان

(ب) احمد عبدالرحمٰن البناء: الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۲: ۳۲۔۳۳

۵۷۔ طبقات ابن سعد: ۴: ۳۲۹، طبع بیروت

۵۸۔ (الف) ابن سعد: الطبقات: ۱: ۴۰۹

(ب) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو): ۱: ۳۳۱

۵۹۔ مسند احمد: ۶: ۳۹۷، طبع مصر قدیم

۶۰ جامع ترمذی، ص:۳۴۱، طبع نور محمد کراچی

۶۱ (الف) سمہودی: وفاء الوفاء:۲: ۴۵۳، طبع بیروت ۱۹۷۱ء

(ب) ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء:۱: ۳۳۹ طبع مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۶۲ (الف) صحیح بخاری (کتاب الصلوٰۃ باب نوم الرجال فی المساجد) ج:۱، ص:۶۳

(ب) ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء:۱: ۳۴۱، طبع مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۶۳ ملاحظہ ہو: (الف) طبقات ابن سعد:۱: ۲۵۵

(ب) ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء:۱: ۳۳۸، طبع مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

(ج) ابن حزم، المحلی:۳: ۴۵۴

(د) کتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ:۱: ۴۷۵، مصر

۶۴ وفاء الوفاء للسمہودی، ج ۲ ص ۲۵۲

۶۵ ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء:۱: ۳۴۱، طبع مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۶۶ کتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ:۱: ۴۷۹ طبع مصر

۶۷ اصحاب صفہ کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ تیس سے لیکر چار سو اور ایک روایت کے مطابق نوسو تک رہی (نظام الحکومۃ النبویۃ:۱: ۴۸۰)

۶۸ طبقات ابن سعد:۱: ۲۵۶

۶۹ ملاحظہ ہو: (الف) مستدرحاکم:۳: ۱۵۔۱۶، طبع حیدرآباد دکن

(ب) سمہودی، وفاء الوفاء:۲: ۴۵۴، بیروت ۱۹۷۱ء

(د) نووی، ریاض الصالحین، ص:۲۲۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۷۰ دیکھیے: (الف) امام بخاری: الادب المفرد، ص:۱۴۳، طبع بیروت

(ب) جامع ترمذی (ابواب المناقب) ص:۵۵۰، کراچی

۷۱ (الف) صحیح بخاری:۱: ۴۳۹، کراچی

(ب) قسطلانی: المواہب اللدنیہ:۲: ۲۷۳

۷۲ زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ:۴: ۳۰۲، طبع مصر ۱۳۲۷ھ

۷۳ ایضاً

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کا ذریعۂ معاش☆

صابر و قانع طبیعت

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کریم نے اپنی شاہکار تخلیق، اپنے آخری نبی اور اپنے حبیب علیہ التحیۃ والتسلیم کو تمام انسانوں کے لیے ہر پہلو ہر زاویے ہر جہت ہر اعتبار ہر لحاظ اور ہر حوالے سے ایک کامل، مثالی اور منفرد نمونہ بنانے کے لیے جہاں بے شمار خاندانی نسبی، جسمانی، روحانی، ظاہری، باطنی، علمی، اخلاقی اور صوری و معنوی کمالات عنایت فرمائے وہاں اس نے آنجناب ﷺ کو عام لوگوں کے برعکس کھانے پینے اور بھوک پیاس کے معاملات میں بھی بچپن سے غیر معمولی اور فوق العادت صبر و قناعت، قوت برداشت، دنیا سے بے رغبتی، سیر چشمی اور غنائے نفس کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کی صابر و قانع طبیعت کے متعلق آپ ﷺ کی بچپن کی دایہ اور گھریلو باندی وخادمہ سیدہ ام ایمن ''برکۃ'' جو آپ کو اپنے والد گرامی کے ترکہ میں ملی تھیں۔(۱) اور جنہیں آپ ازراہ احترام ''امی بعد امی'' (میری ماں کے بعد دوسری ماں) فرمایا کرتے تھے۔(۲) نے آپ کی ایک بڑی ایمان افروز عادت کریمہ بیان کی ہے۔ فرماتی ہیں:

''ما رایت النبی ﷺ شکا صغیرا و لا کبیرا جوعاً و لا عطشاً''(۳)

(میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے بچپن میں یا بڑے ہو کر کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت کی ہو)

آگے فرماتی ہیں: بسا اوقات یوں ہوتا کہ صبح کے وقت آپ آب زم زم نوش فرما لیتے جب کھانا پیش کیا جاتا تو فرماتے: میں پہلے ہی سیر ہوں اب کھانے کی حاجت نہیں۔(۴)

کھانے پینے میں صبر و قناعت اور برداشت کے اس معمول کے متعلق ام المؤمنین سیدہ عائشہ کی یہ عینی گواہی بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ

☆ یہ مقالہ مجلّہ ''فقہ اسلامی'' کراچی شمارہ مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

''کان اذا دخل قال هل عندکم طعام؟ فاذا قیل لا قال انی صائم''(۵)

جب آپ گھر تشریف لاتے تو پوچھتے کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ اس کے جواب میں اگر یہ عرض کیا جاتا کہ کوئی شے نہیں تو فرماتے۔ پھر میں روزہ دار ہوں (روزے کی نیت کرتا ہوں)

انہی ام المؤمنین سے دوسری ایک روایت میں یہ معمول بھی لکھا ہے کہ ''جب آپ اپنے اہل خانہ میں تشریف فرما ہوتے تو بسا اوقات کھانے پینے کے متعلق کچھ پوچھتے ہی نہیں تھے اگر گھر والوں نے کوئی چیز کھانے پینے کو دے دی تو چپ کر کے کھا پی لی'' (ورنہ کوئی لمبا چوڑا تقاضا نہیں ہوتا تھا)(۶)

یہ تو بھوک پیاس اور کھانے پینے کے معاملے میں آپ کی انتہائی قوت برداشت اور صبر و قناعت کی ایک ہلکی سی جھلک تھی۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ جب آپ کی ذات گرامی پر ملکوتی و نورانی صفات کا غلبہ ہوتا اور آپ قرب الٰہی و فنافی اللہ کی انتہائی منازل پر فائز ہوئے تو ظاہری طور پر کھانے پینے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک موقعہ پر نبی اکرم ﷺ نے وصال کے روزے (مسلسل روزے جن کے درمیان کھانا پینا نہیں ہوتا تھا) رکھنے شروع کیے تو حضورؐ کی اقتداء میں اتباع نبوی کے سچے اور عملی طور پر دلدادہ صحابہ کرامؓ نے بھی وصال کے روزے رکھنے شروع کر دیے۔ حضور ﷺ کو اپنے غلاموں کی اس اقتداء اور روش کا پتہ چلا تو ازارہ شفقت و رحمت اور از راہ تخفیف و سہولت ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس پر عاشقان رسولؐ نے جب یہ محبت بھرا اشکال پیش کیا کہ آخر آپ بھی تو صوم وصال رکھ رہے ہیں؟ (پھر ہم اس سنت سے کیوں محروم رہیں) اس اشکال کے جواب میں اللہ کے روف رحیم نبی نے فرمایا:

"میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ میرا حال تو یہ ہے کہ میں رات اپنے پروردگار کے پاس گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" (۷)

کھانے پینے کے بشری تقاضے

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کھانے پینے کی اور دیگر انسانی و معاشی ضروریات سے بالکل مبرا تھے۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج ضروریہ کی تکمیل کے لیے آپ کی سعی پر تو قرآن مجید کی نص موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی صراحت کے مطابق اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے جب یہ اعتراض کیا کہ

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ" (سورۃ الفرقان:۷)

اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

تو اللہ کریم نے تھوڑا سا آگے چل کر اس فضول اعتراض کا جواب اور حضور ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الاسواقِ" (الفرقان:۲۰)

(ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے بھی تھے۔)

علاوہ ازیں صحاح ستہ اور اکثر کتب حدیث میں موجود کتاب "کتاب الاطعمۃ" اور سیرت و شمائل الرسول کی کتابوں میں آپ کے مرغوب کھانوں اور مشروبات کی فہرست اور جب بشری تقاضے غالب ہوتے تو کھانا طلب کرنا اور بھوک محسوس فرمانا اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ بھوک پیاس اور دیگر بشری تقاضوں سے مبرا نہ تھے۔ (۸)

دوسرے آپؐ کے اہل بیت اطہار بھی حد درجہ صابر و قانع ہونے کے باوجود آخر

انسان تھے۔ دیگر انسانوں کی طرح انہیں بھی کھانے پینے کپڑے لتے، علاج معالجہ روزمرہ کی دیگر ذاتی معاشی معاشرتی وسماجی ضروریات اور انسانی خواہشات کو ایک باعزت باوقار مناسب اور معقول انداز میں پورا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔

تیسرے اہل وعیال کے ضروری اخراجات اور حوائج ضروریہ کی فراہمی میں آپؐ نے اپنی امت کے عیالدار لوگوں کے لیے ایک نمونہ بھی چھوڑنا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی گزربسر کس طرح ہوتی تھی اور آپ خانگی ضروریات کی فراہمی وتکمیل کس طرح فرماتے تھے؟ آسان لفظوں میں آپ کا ذریعہ معاش یا ذریعہ آمدن کیا تھا؟ تو آئندہ سطور میں ہم یہی چیز معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے گرامی قدر سیرت نگاروں نور اللہ قبور ہم نے اگرچہ بالعموم اس چیز کو مستقل عنوان کے تحت ذکر نہیں کیا تاہم حدیث کی کتابوں میں متفرق مقامات پر حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ معاش کا سراغ مل جاتا ہے۔ چنانچہ اہل علم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب جوانی میں قدم رکھا تو ذریعہ معاش کے لیے عام شرفاء مکہ اور اپنے آباؤاجداد کے پیشہ تجارت کو اختیار فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ نے چچا جان کے ہمراہ شام کا تجارتی سفر اور پھر سیدہ خدیجہؓ کا تجارتی مال لیکر کئی ممالک کا سفر کیا (۹) اور اپنی دیانت و امانت اور خداداد ذہانت وفطانت سے دوسرے تاجروں سے کہیں زیادہ نفع کمایا۔ (۱۰)

پھر پچیس سال کی عمر میں جب آپ سیدہ خدیجہ کے "رفیق تجارت" سے بڑھ کر ان کے "رفیق حیات" بن گئے تو آنحترمہ نے زوجہ محترمہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد اپنے خداداد مال اپنے ایثار، اپنے خلوص ومحبت اور اپنی کمال وفاشعاری کے باعث حضور ﷺ کو مالی تفکرات اور بال بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داریوں سے مستغنی کر دیا تھا سیدہ خدیجہؓ کے اس ذاتی خلوص ومحبت وفاشعاری اور مالی ایثار وقربانی کا اعتراف خود حضور ﷺ کو بھی تھا (۱۱) اور اللہ کریم نے بھی بطور احسان یاد دلا دیا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی (سورۃ والضحیٰ:۸)

اور اس نے آپ کو نادار پایا تو (سیدہ خدیجہؓ سے نکاح کے ذریعے) غنی کر دیا۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سات ماہ تک معروف صحابی حضرت ابوایوب (خالد) انصاری کو مہمانی کا عظیم شرف بخشا (۱۲) ظاہر ہے اس عرصے میں آپ ﷺ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے اور دیگر گھریلو اخراجات کے لیے کسی کام اور محنت کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت ابوایوب کی سعادت اور خوش نصیبی تھی کہ دیگر جاں نثار اور وفا شعار انصار کی زبردست خواہش اور حد درجہ تمنا کے باوجود اللہ کریم نے انہیں نبی پاک ﷺ کی ''مہمان نوازی'' کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ (۱۳) تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضور ﷺ کی خاطر تواضع اور مہمانداری کر کے دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل نہ کرتے۔ وہ اگرچہ کوئی امیر کبیر آدمی نہ تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک رات پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو پانی کے نیچے حضورؐ کے کمرے میں ٹپکنے کے اندیشے کے باعث انہیں اپنے ہی لحاف کے ذریعے اس پانی کو جذب کرنا پڑا تھا گھر میں اتنا کپڑا (تولیہ وغیرہ) نہ تھا کہ اس سے پانی کو جذب کر سکتے۔ (۱۴)

اس کے باوجود ام ایوبؓ روزانہ بڑی فرط عقیدت اور چاہت سے کھانا تیار کرتیں اور پہلے بارگاہ نبوی میں لے آتیں جو کھانا بچ رہتا، اسے میاں بیوی بطور تبرک بڑے شوق سے کھاتے اور برتن کی اسی جگہ سے کھاتے جہاں حضور ﷺ کے دست مبارک کے نشان لگے ہوتے تھے۔ (۱۶)

حضرت ابوایوبؓ تو مہمان نوازی کے طور پر ''ماحضر'' بارگاہ نبوی میں پیش کرتے ہی تھے، اس دوران کئی دوسرے انصار بھی روزانہ حضور ﷺ کے لیے کھانا اور دیگر تحائف پیش کرنے میں ابوایوب سے پیچھے نہیں تھے۔ علامہ سمہودی نے حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ حضرت ابوایوب کے گھر جلوہ افروز ہو گئے تو سب

سے پہلا آدمی جو ہدیہ لیکر حضور علیہ کی رہائش گاہ میں داخل ہوا وہ میں تھا۔ گندم کی روٹی سے تیار کی گئی ثرید کا پیالہ کچھ گھی اور دودھ آپ کے سامنے رکھتے ہوئے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ پیالہ (کھانا) میری والدہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے اس پر مجھے "بارک اللہ فیہا" کے الفاظ سے برکت کی دعا دیتے ہوئے اپنے تمام ساتھیوں کو بلالیا اور سب نے مل کر کھالیا۔ میں (زید بن ثابت) ابھی دروازے سے نہیں ہٹا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ (رئیس الانصار) کا غلام سر پر ایک ڈھکا ہوا پیالہ رکھے ہوئے آ گیا۔ میں نے ابوایوب کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس پیالہ کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو اس میں ثرید تھی جس کے اوپر گوشت کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ غلام نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر وہ پیالہ پیش کر دیا۔ زید بن ثابت مزید فرماتے ہیں کہ کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی جس رات ہم نبی مالک بن النجار میں سے تین چار آدمی باری باری حضور علیہ کی خدمت میں کھانا پیش نہ کرتے ہوں حتیٰ کہ آپ علیہ اپنے دولت کدہ میں منتقل ہو گئے۔ (۱۶)

انصار کے ہدیے

جب آپ علیہ حضرت ابوایوب کے گھر سے اپنے دولت کدہ منتقل ہو گئے تو شروع شروع میں ہمیں آپ کا کوئی ذریعہ معاش نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ انصار مدینہ خصوصاً پڑوسی انصاریوں نے اپنے خلوص و محبت عقیدت و ارادت اور جذبہ ایثار کے باعث آپ علیہ کو اہل بیت نبوی کے کھانے اور دیگر اخراجات کے سلسلے میں چنداں متفکر نہیں ہونے دیا (۱۷) انصار کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرد اور عورتیں مختلف ہدایا (کھانے پینے کی چیزیں) بھیج کر رسول مقبول علیہ کا قرب حاصل کرتے اور نظر التفات چاہتے تھے۔ حضرت انس کی والدہ ام سلیم کے پاس ہدیہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ تھی انہوں نے یہ حسرت اپنا بیٹا بارگاہ نبوی میں خدمت کے لیے پیش کر کے پوری کی (۱۸) آپ کے ننھیالی عزیز اور صاحب حیثیت حضرت سعد بن عبادہ حضرت سعد بن معاذ اور اسعد

بن زرارہ کی عقیدت کا تو یہ عالم تھا کہ روزانہ بلاناغہ ان کے کھانے کا پیالہ دولت کدہ نبوی میں پہنچتا تھا(۱۹) انصار کی اس پر خلوص محبت کی تائید صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں موجود ام المؤمنین سیدہ عائشہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ

قد کان لرسول اللہ ﷺ جیران من الانصار و کانت لھم منائح فکانوا یرسلون الی رسول اللہ ﷺ من البانھا فیسقیناہ(۲۰)

رسول مقبول ﷺ کے چند پڑوسی انصار میں سے تھے جن کے پاس اونٹنیاں تھیں وہ وازراہ محبت حضور ﷺ کے پاس ان کا دودھ بھیجا کرتے تو وہ دودھ آپ ﷺ ہمیں پلادیتے تھے۔

علاوہ ازیں مدینہ منورہ کے انصار جو کسان اور زراعت پیشہ تھے۔ ان میں سے صاحب ثروت حضرات نے اپنے اپنے باغوں میں ایک ایک درخت کونشان زد کر دیا تھا کہ اس کا پھل رسول اللہؐ کے لیے ہوگا۔ چنانچہ ہر سال کھجور کی فصل کٹنے پر اس درخت سے جتنی کھجوریں حاصل ہوتیں وہ سب حضور ﷺ کے گھر پہنچادی جاتیں۔(۲۱) آپ یہ کھجوریں قبول فرماتے رہے مگر جب سن ۴ ھ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے املاک اور زرعی زمینیں بطور "فئے" آپ کے زیر تصرف آئیں تو آپ ﷺ نے مخلصین انصار کے یہ باغات (درخت) ان کو واپس فرمادیے تھے۔(۲۲)

ذاتی بکریاں اور اونٹنیاں

نبی کریم ﷺ کی غیور، خوددار، ہاتھ سے کما کر کھانے والی بلکہ دوسروں کو کھلانے والی اور غنائے نفس کی دولت سے مالا مال ذات کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ نرا ان صحابہ کے تحائف وہدایا اور نذرانوں پر بھروسہ کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے۔ انصار کے یہ پر خلوص ہدیے اور نذرانے تو محض ان غلاموں اور عقیدتمندوں کی تسکین خاطر، عزت افزائی اور بلندی درجات کے لیے قبول کیے جاتے تھے۔ بنا بریں بلاذری اور دیگر سیرت

نگاروں کے مطابق آنجناب علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنے بال بچوں کی غذائی ضروریات کے لیے دودھ دینے والی کچھ بکریاں اور اونٹنیاں ذاتی طور پر خرید لی تھیں اور کچھ لوگوں نے بطور ہدیہ پیش کی تھیں (۲۳)

ان بکریوں اور اونٹنیوں کے لیے شہر مدینہ کے مضافات میں ایک چراگاہ متعین کی گئی جہاں ایک صحابی رضا کارانہ طور پر ان جانوروں کی نگہداشت کرتے، انہیں چرانے کا فریضہ سرانجام دیتے اور روزانہ دودھ اس مقام سے مدینہ منورہ لاکر رسول اللہ ﷺ کے ہاں پہنچایا کرتے تھے۔ اہل خاندان اس دودھ کو استعمال کرتے تھے۔ (۲۴)

مال غنیمت میں حصہ

رمضان المبارک ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا اور اس کے بعد بوجوہ غزوات کا ایک مستقل سلسلہ چل نکلا۔ دشمنان اسلام کے ساتھ بزور قوت ان جنگوں اور باقاعدہ لشکر کشی کے نتیجے میں دشمنوں کا جو مال اور ساز و سامان غنیمت کے طور پر ہاتھ لگتا اللہ کریم نے سابق انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے برعکس اس مال غنیمت کو حضور ﷺ کے لیے بطور خاص حلال قرار دیتے ہوئے (۲۵) ہے آپ کے لیے اور آپ کے غلاموں کے لیے ایک آمدن کا ذریعہ بنا دیا۔ قرآنی ہدایت کے مطابق جو کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا اس کا 1/5 حصہ (خمس) نائب الٰہی، سربراہ مملکت اور رسول خدا ہونے کی حیثیت سے آپ کی (سرکاری) تحویل میں آتا اور باقی 4/5 حصہ (منقولہ) مجاہدین اور غازیوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ کل مال غنیمت کے 1/5 حصہ میں اللہ کریم نے پانچواں حصہ یعنی کل کا 1/25 نبی کریم ﷺ کے لیے مختص فرما دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول و لذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل الخ

(سورۃ الانفال:۴۱)

(اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہو سو اس کا پانچواں
حصہ اللہ اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابتداروں کے لیے
اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے)

تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ نہ صرف شریک ہوتے بلکہ امیر لشکر بھی ہوتے تھے اس لیے مال غنیمت کا 4/5 حصہ جو مجاہدوں اور غازیوں میں پیدل اور سوار میں تھوڑے سے فرق (پیدل کے لیے ایک اور سوار کے لیے دو حصے)(۲۶) کے ساتھ تقسیم کیا جاتا تھا اس میں دیگر مجاہدین کے ساتھ حضور کو بھی برابر کا حصہ ملتا۔

یوں مال غنیمت سے ملنے والا حصہ نبی کریم ﷺ کی آمدن کا ایک معقول ذریعہ بن گیا۔ کیونکہ بعض غزوات میں کثیر مال بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ مثلاً صرف قبیلہ ہوازن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا اس میں واقدی اور ماوردی کی صراحت کے مطابق چھ ہزار غلام اور باندیاں، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ (۲۷)

حضرت مخیریق کا وقف

۳ھ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو اس میں اگرچہ مسلمانوں کو کوئی مال غنیمت نہیں ملا تھا تاہم اللہ کریم نے اپنے وعدہ: ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب (جو آدمی اللہ سے ڈرتا یعنی تقوی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ہر مصیبت سے نکلنے کا رستہ پیدا فرما دیتا اور اسے اس جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ سورۃ الطلاق: ۲۔۳) کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے اس موقعہ پر اپنے محبوب ﷺ کو ایک ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچایا جس کا بظاہر دور دور تک امکان اور کوئی گمان نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخین کا بیان ہے کہ مخیریق نامی یہودی بنونضیر میں ایک متبحر عالم تھا۔ غزوہ احد کے دن آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ اس کے پاس سات زمینیں یا سات باغات تھے۔ غزوہ احد میں حضور کے ساتھ شریک ہوا اور وصیت کی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو

میرے ساتوں باغات (بمع زمین) رسول اللہ ﷺ کے ہوں گے۔ چنانچہ وہ شہید ہو گیا تو اس کے سارے باغات حسب وصیت حضور ﷺ کی ملکیت میں آ گئے۔ (۲۸)

ظاہر ہے ان باغات کی آمدنی اب حضور ﷺ کی ذاتی آمدنی بن گئی تھی اس کے بعد قرین قیاس یہی ہے کہ آپ کے لیے کوئی مالی دشواری نہیں رہی ہو گی۔ ان باغات کے متعلق ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ نے اپنی طبعی فیاضی جود و سخا اور رحمۃ اللعالمینی کے باعث یہ باغات غرباء و مساکین کے لیے وقف کر دیے تھے (۲۹)

اموال واملاک فئے

مال غنیمت میں حصہ اور مخیریق یہودی کے مذکورہ سات باغات کے علاوہ ایک اور بہت بڑا ذریعہ آمدن یا ذریعہ معاش جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لیے پیدا فرمایا وہ ''مال فئ'' تھا۔ یہ وہ املاک و اموال تھے جن کے لیے مجاہدین اسلام کو کوئی جنگ اور لشکر کشی نہیں کرنی پڑی تھی بلکہ اہل حرب (یہود وغیرہ) کے ساتھ معاہدہ صلح کے بدلے میں حاصل ہوئے تھے۔ یہ مال فئے نبی کریم ﷺ کے لیے مختص تھا۔ آپ جیسے چاہتے اس میں تصرف فرماتے، اپنے لیے خاص کر لیتے یا جن میں چاہتے تقسیم فرما دیتے۔ مال غنیمت کے برعکس کل مال فے کو اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کے لیے مخصوص کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان (بنو نضیر وغیرہ) سے بطور فئے دلوایا، تو تم نے اس کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دے دیتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فئے دلوا دے تو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا''۔ (سورۃ الحشر: ۶۔۷)

اس سلسلے میں سب سے پہلا ''مال فئے'' جو ۳ھ یا ۴ھ میں آپ کے ہاتھ آیا وہ مدینہ منورہ کے نواح میں رہنے والے یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کے اموال تھے۔

حضورﷺ کے ساتھ ایک معاہدے کے مطابق یہ لوگ ہتھیاروں کے علاوہ جتنا منقولہ سامان لے جاسکتے تھے، اٹھا کر جلاوطن ہو گئے (۳۰) جس کے نتیجے میں ان کے کھجوروں کے نخلستان حضورﷺ کے زیر تصرف آ گئے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: بنونضیر کے اموال ان اموال میں داخل تھے جو اللہ کریم نے اپنے رسول مقبولﷺ کو بطور فئے عنایت فرمائے تھے۔ ان پر مسلمانوں نے کوئی باقاعدہ فوج کشی نہیں کی تھی (بلکہ یہ ایک معاہدے کے نتیجے میں ملے تھے) لہٰذا یہ اموال رسول اللہﷺ کی خصوصی ملکیت تھے۔ آپﷺ ان اموال (نخلستان) کی آمدن سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کا نفقہ لے لیتے اور باقی ماندہ آمدنی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی فراہمی میں خرچ فرماتے تھے۔ (۳۱)

بنونضیر سے حاصل ہونے والے مال فئی کے بعد ایک معاہدہ صلح کے نتیجے میں جو اموال بطور فئے حضورؐ کے ہاتھ آتے ہیں وہ خیبر کے دو قلعے اور فدک کی بستیوں کی آدھی زمین ہے۔ (۳۲)

مال فئی کے طور پر حاصل ہونے والی یہ املاک زمینیں اور باغات نبی کریمﷺ کے لیے مخصوص تھے آپ ان میں جس طرح چاہتے تصرف فرماتے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عمر فاروق کا یہ قول ہے کہ:

کانت لرسول اللہﷺ ثلث صفایا بنوا لنضیر و خیبر وفدک فاما بنوا لنضیر فکانت حبسالنوائبه و امافدک فکانت حبسالابناء السبیل واما خیبر فجزء ها رسول اللہﷺ ثلاثة اجزاء جزئین بین المسلمین وجزءاً لنفقة اهله فما فضل عن نفقة اهله جعله بین فقراء المهاجرین (۳۳)

بنونضیر، خیبر اور فدک کے تینوں اموال (باغات وغیرہ) رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص (چن لیے گئے) تھے۔ چنانچہ بنونضیر کے اموال سے آمدنی آپ کے ذاتی حوائج و حوادث (ناگہانی ضروریات) کے لیے اور فدک سے آمدنی مسافروں کے لیے مختص تھی جبکہ خیبر سے آمدنی کو آپ نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ (۳۴) دو حصے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیے اور ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے نان نفقہ کے لیے رکھ لیا۔ پھر اپنے اہل خانہ کے نفقہ سے جو بچ رہتا اسے بھی فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتے۔

ابن سعد نے متعدد ازواج مطہراتؓ کے تذکرے میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہیں خیبر کی آمدنی سے سالانہ اسی اسی وسق (۴۰۵ من) کھجور اور بیس بیس وسق (۱۰۱ من ۱۰ سیر) جو سالانہ عنایت فرماتے تھے۔ (۳۵)

درج بالا یہی وہ اموال فئے تھے جن کو حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے غلط فہمی میں سیدنا صدیق اکبرؓ سے بطور میراث لینے کا مطالبہ کیا تھا مگر خلیفہ اول کی زبانی جب حضورؐ کے ترکہ میں فرمان نبوی کے مطابق میراث جاری نہ ہو سکنے کی حقیقت معلوم ہوئی تو آنحضرت مہؓ خاموش ہو گئیں۔ بخاری میں ہے جب سیدہ فاطمہؓ نے ان اموال میں میراث کا مطالبہ کیا تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

"بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہم انبیاء کی مالی وراثت نہیں چلتی ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ (وقف) ہوتا ہے۔ البتہ آل محمد اس مال یعنی اللہ کے مال سے کھاتے رہیں گے۔ ان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کھانے پینے کی ضروریات سے زیادہ کا مطالبہ کریں۔ قسم بخدا نبی کریم ﷺ کے صدقات کا استعمال جس طرح آپ کے عہد میں ہوتا تھا میں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کروں گا۔ میں ان کے بارے میں ہر قیمت پر وہی کروں گا جو رسول مقبول ﷺ کیا کرتے تھے۔ (اس موقعہ پر) صدیق اکبرؓ نے یہ بھی فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا

مجھے اپنے اقرباء کی صلہ رحمی سے زیادہ عزیز ہے"۔ (مطلب یہ ہے کہ اہل بیت رسول کے مالی حقوق تو ادا کیے جاتے رہیں گے مگر ان اموال میں میراث جاری نہ ہوگی) (۳۶)

بادشاہوں اور وفود کے ہدیے

نبی کریم ﷺ کی معاش، گذر بسر اور آمدن کا ایک ذریعہ صحابہ کے ہدایا کے علاوہ مختلف ممالک کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے تحائف اور ہدیے بھی تھے جن کو آپ ان کی عزت افزائی اور تالیف قلبی کے لیے قبول فرما لیتے تھے۔ (۳۷) مثلاً مقوقس ملک القبط نے ایک دفعہ دو لونڈیاں، ایک جوڑا کپڑے اور ایک سفید خوبصورت خچر بھیجا جس کا نام دلدل تھا۔ فروہ بن عمر جذامی (عامل قیصر) نے ایک عمدہ خچر، گھوڑا، کپڑے، اور سندس کی قبا بھیجی۔ اسی طرح اکیدر دومۃ الجندل نے قیمتی ہدیے بھیجے۔ بادشاہوں کے علاوہ مختلف وفود جو ہدایا لاتے تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔ (۳۸)

درج بالا ظاہری و حسی ذرائع و وسائل معاش اور خاطر خواہ ذرائع آمدن موجود ہونے، باطنی طور پر زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہاتھ میں ہونے (۴۰) اور دس لاکھ مربع میل کا حکمران ہونے (۴۱) کے باوجود اگر شہنشاہ دوسرا تاجدار مدینہ اور نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے گھروں میں بقول ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ دو دو مہینے آگ نہیں جلا کرتی تھی (۴۲)

تو ظاہر ہے اس کا باعث معاشی و مالی مجبوری نہ تھی بلکہ اس کی وجہ ایک تو امت کے صاحب ثروت و دولت لوگوں کے لیے صبر و قناعت اور زہد و فقر کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔ دوسرے اس اختیاری زہد و فقر سے غرباء و مساکین امت کے لیے ڈھارس و حوصلہ کا سامان مہیاں کرنا تھا تیسرے اپنی طبعی رحمت و شفقت اور جبلی فیاضی و کریمی کے باعث اپنا سب کچھ خلق خدا پر خرچ کر دینا تھا جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ سچ کہا ہے فاضل بریلویؒ نے

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱ (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ج ۱ ص ۱۰۰ بیروت

(ب) عماد الدین ابو الفداء: کتاب المختصر فی اخبار البشر ج ۱ ص ۱۱۰ مطبع حسینیہ مصر

(ج) ابن کثیر: السیرۃ النبویہ: ۴: ۶۴۲ بیروت لبنان۔ اردو ترجمہ ج ۳ ص ۲۵۲ مکتبہ قدوسیہ

۲ (الف) نووی: شرح مسلم مع صحیح مسلم: ج ۲ ص ۲۹۱ (باب من فضائل ام ایمن) طبع کلاں کراچی

(ب) ابن کثیر: السیرۃ النبویہ: ۴: ۶۴۲ طبع بیروت۔ اردو ترجمہ ج ۳ ص ۲۵۳

۳ (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱: ۱۶۸ بیروت

(ب) مقریزی: امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء: ج ۱ ص ۷۔۸ قاہرہ

(ج) قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۱: ۳۶۷ طبع مصر

۴ (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱: ۱۶۸

(ب) مقریزی: امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء: ج ۱ ص ۷۔۸

۵ (الف) سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۳۳ (کتاب الصیام) طبع کلاں کراچی

(ب) امام سیوطی: الشمائل الشریفہ ص ۱۴۰ طبع جدہ، سعودی عرب ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

۶ قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج ۱: ص ۸۵ طبع مصر

۷ (الف) صحیح بخاری (کتاب الصوم باب الوصال) ج ۱ ص ۲۶۳ طبع کلاں کراچی

(ب) صحیح بخاری (کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من التعمق الخ ج ۲ ص ۱۰۸۴

(ج) صحیح مسلم مع شرح نووی (کتاب الصیام باب النہی عن الوصال) ج ۱ ص ۳۵۱۔۳۵۲

(د) سنن ابی داؤد (کتاب الصیام باب فی الوصال) ج ۱ ص ۳۲۲ طبع کلاں کراچی

۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (ا) شمائل ترمذی مجتبے مع ترمذی ص ۵۷۸۔۵۷۹ طبع کلاں

(ب) زاد المعاد لابن قیم الجوزیہ ج ۱ ص ۱۴۷ تا ۱۵۰ بیروت ۱۴۰۵/۱۹۸۵ء

(ج) شبلی نعمانی: سیرۃ النبی: ۲: ۱۲۴۔۱۲۵ طبع الفیصل لاہور

۹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱: ۱۲۱ تا ۱۳۱ بیروت

(ب) ابن جریر طبری: تاریخ طبری: ۲: ۲۷۸ تا ۲۸۲ مصر ۱۹۶۱ء

(ج) علامہ حلبی: سیرت حلبیہ: ۱: ۲۱۵ تا ۲۲۲ مصر

(د) ابن ہشام: سیرۃ النبی: ۱: ۲۵۱ تا ۲۶۰ مصر

۱۰ (ا) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ۱: ۱۳۰ بیروت

(ب) علامہ حلبی: سیرت حلبیہ: ۱: ۲۱۹ مصر

۱۱ (الف) عبدالرحمٰن البناء: الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۰: ۲۴۱ طبع قاہرہ

(ب) سہیلی: الروض الانف: ۱: ۲۷۷ طبع مصر

۱۲ (ا) سمہودی: وفاء الوفاء: ۱: ۱۹۰ طبع مصر ۱۳۶۶ھ

(ب) ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۴۸۱ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

۱۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الف) ابن کثیر: السیرۃ النبویہ: ۲: ۲۷۲ قاہرہ

(ب) علامہ حلبی: سیرت حلبیہ: ۲: ۲۴۸ مصر

(ج) سہیلی: روض الانف: ۲: ۲۲۸ مصر

(د) ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ: ۲: ۸۰-۸۱ طہران

(ھ) سمہودی: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱: ۲۵۶ بیروت - لبنان

(د) الصالحی الشامی: سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (سیرت شامی) ۳: ۳۹۰ قاہرہ

۱۴ (الف) سہیلی: روض الانف: ۲: ۲۳۹ مصر

(ب) سمہودی: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱: ۲۶۴ بیروت لبنان

(ج) ابن کثیر: السیرۃ النبویہ: ۲: ۲۷۷ قاہرہ

(د) ابن حجر: الاصابہ فی تمیز الصحابہ ذکر ابو ایوب (خالد) انصاری

۱۵ ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ: ۲: ۸۱ طہران

۱۶ (الف) سمہودی: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱: ۱۸۹-۱۹۰ مصر ۱۳۶۶ھ۔

(ب) ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۴۸۰-۴۸۱ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

۱۷ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ (اردو ترجمہ "طبقات کبیر") ج ۱ ص ۳۵۳ حیدر آباد دکن ۱۹۴۴ء

۱۸ سمہودی: وفاء الوفاء: ۱: ۱۹۳ مصر

۱۹ ایضاً ۱: ۱۹۰

۲۰ (الف) امام بخاری: صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶ طبع کلاں کراچی

(ب) امام مسلم: صحیح مسلم مع شرح نووی: ۲: ۴۰۱ طبع کلاں کراچی

(ج) ابن حبان: صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸

(د) ابن ابی شیبہ: مصنف: ۱۳/ ۲۴۹ کراچی

(ھ) ابن سعد: الطبقات الکبری (عن ابی ھریرۃ) ج ۱ ص ۱۰۴ بیروت

(و) البیہقی: دلائل النبوۃ: ۱: ۳۳۱ لاہور

۲۱ (الف) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور (خطبہ نظام مالیہ وتقویم ص ۲۷۵ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(ب) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۴۵ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۲۲ صحیح مسلم: ۲: ۹۶ طبع کلاں کراچی

۲۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البلاذری: انساب الاشراف: ۱: ۵۱۲ تا ۵۱۴ بیروت

۲۴ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور (خطبہ نظام مالیہ وتقویم) ص ۲۷۶ اسلامیہ یونیورسٹی لاہور

۲۵ ارشاد نبوی ہے "احلت لی الغنائم" میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں (جامع ترمذی ص ۲۴۳ طبع کلاں کراچی۔ مشکوۃ ص ۵۱۲ طبع کلاں کراچی) ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "فلم تحل الغنائم لاحدمن قبلنا ذلک بان اللہ رأی ضعفنا وعجزنا فطیبھالنا" "ہم سے قبل کسی کے لیے یہ غنیمتیں حلال نہ تھیں۔ بایں وجہ کہ اللہ نے ہماری کمزوری اور عجز کو دیکھا تو غنیمت کو ہمارے لے حلال کر دیا۔ (مسلم: ۲: ۸۵)

۲۶ (الف) علامہ کاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (اردو ترجمہ) ج ۷ ص ۳۲۵ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور۔

(ب) مرغینانی: ہدایہ (اردو ترجمہ عین الہدایہ) ج ۲ ص ۵۴۸، ۵۴۹ قانونی کتب خانہ لاہور

(ج) یحیٰی ابن آدم: کتاب الخراج ص ۱۴۰ دار المعرفۃ بیروت۔ لبنان ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۲۷ (الف) واقدی، محمد بن عمر بن واقد: کتاب المغازی: ۳: ۹۴۳ آکسفورڈ یونیورسٹی ۱۹۲۶ء

(ب) ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد: اعلام النبوۃ ص ۲۱۱ طبع ازھر ۱۹۸۱ء

۲۸ (الف) الماوردی: احکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) ص ۲۷۲ قانونی کتب خانہ لاہور۔

(ب) ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ۲: ۵۹ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

(ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور: ص ۲۷۷ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ

(د) ابن حجر: الاصابہ فی تمییز الصحابہ (تذکرہ مخیریق)

۲۹ ابن حجر: فتح الباری شرح صحیح بخاری: ۶: ۴۰ بحوالہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی ۲: ۱۱۴ الفیصل لاہور

۳۰ (الف) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ۱: ۱۱۹ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

(ب) اردو عربی تفاسیر تحت سورۃ الحشر ابتدائی آیات۔

(ج) ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ج ۲ ص ۱۱۲ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

۳۱ (الف) صحیح بخاری: ۱: ۴۰۷ (کتاب الجہاد باب المجن) نیز ج ۲ ص ۷۲۵ (کتاب التفسیر)

(ب) صحیح مسلم مع نووی: ۲: ۸۹ (کتاب الجہاد باب حکم الفیٔ) کراچی

(ج) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ۱: ۱۱۹ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

(د) علامہ کاسانی: بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ج ۷ ص ۳۰۱ دیال سنگھ لائبریری لاہور

(ھ) علامہ آلوسی: روح المعانی ج ۲۸ تحت سورۃ الحشر

(و) قاضی ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری (اردو ترجمہ) ج ۱۱ ص ۳۹۵ دارالاشاعت کراچی

(ز) ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم (اردو ترجمہ) پ ۲۸ ص ۲۳ نور محمد کراچی

(ح) ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ج ۲ ص ۱۱۷ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

۳۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (الف) ابوعبید: کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۱۲۱

(ب) کاسانی: بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) ج ۷ ص ۳۰۱

(ج) ماوردی: احکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) ص ۲۷۲ تا ۲۷۵ (نوٹ: ماوردی نے خاصی تفصیل دی ہے)

(د) یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج ص ۴۳ طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان۔

۳۳ سنن ابی داؤد ۲: ۴۱۳ (کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ باب صفایا النبی من الاموال)

۳۴ کیونکہ خیبر کے بعض قلعے بزور شمشیر فتح ہوئے اور بعض معاہدہ صلح کے نتیجے میں حاشیہ ابوداؤد ۲/ ۴۱۳ کراچی

۳۵ دیکھیے: ابن سعد: الطبقات الکبریٰ: ج ۸ ص ۸۰، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۱۹، ۱۲۷، ۱۴۰ طبع بیروت۔

۳۶ (الف) صحیح بخاری: ۱: ۵۲۶ (کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ رسول اللہ)

(ب) صحیح بخاری: ۲: ۵۷۶ (کتاب المغازی باب حدیث بنی نضیر)

نوٹ: ان اموال فئے کے فقہی اور تفصیلی احکام کے لیے ملاحظہ ہو۔

(ا) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۰۔۱۰۸۶

(ب) صحیح مسلم مع نووی: ۲: ۸۹

(ج) بدائع الصنائع للکاسانی۔ اردو ترجمہ: ۷: ۲۰۱

(د) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص ۲۳ تا ۲۷ بیروت

(ھ) کتاب الخراج لیحیی ابن آدم ص ۴۱ تا ۴۸ نیز ۱۷ تا ۲۲ بیروت

۳۷ جامع ترمذی ص ۲۴۷ (ابواب الجہاد باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین)

۳۸ شہاب الدین خفاجی: نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض: ۱: ۲۷۱ تا ۲۷۴ مصر ۱۳۲۵ھ

۳۹ قد اعطیت مقد تیح خزائن الارض۔ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئیں۔ (صحیح بخاری: ۲: ۹۵۱ طبع کلاں کراچی)

۴۰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۴۴ کراچی ۱۹۸۱ء

۴۱ دیکھیے: (ا) صحیح بخاری: ۲: ۹۵۶

(ب) صحیح مسلم مع ندوی: ۲: ۲۰۱

(ج) ابن ابی شیبہ: مصنف: ۱۳: ۲۴۹ کراچی

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نام محمد کی معنوی جامعیت وبلاغت ☆

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو جہاں خلق اور خُلق کے اعتبار سے بے حد وحساب فضائل وکمالات اور محاسن ومحامد سے نوازا ہے اور ہر جہت ہر زاویے اور ہر پہلو سے اولین وآخرین بلکہ پوری کائنات سے منفرد، ممتاز، یکتا، بے نظیر، بے مثل، کامل، مکمل، اکمل اور جامع بنایا ہے۔ وہاں نام کے اعتبار سے بھی آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام سمیت دنیا کے چھوٹے بڑے تمام انسانوں سے منفرد وممتاز بنایا ہے۔ جتنی جامعیت، وسعت اور فصاحت وبلاغت اسم محمد میں پائی جاتی ہے۔ جن وانس حتیٰ کہ ملائکہ میں سے بھی کسی کے نام میں نہیں پائی جاتی۔ جس طرح یہ فقط نام مبارک ہی معجزانہ انداز میں اپنے باکمال مسمّی کے تمام کمالات کا احاطہ کرتا ہے اس طرح کوئی دوسرا نام بالعموم اپنے مسمّی میں پائے جانے والے کمالات کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات تو اس میں اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبر اپنے اپنے زمانے میں موجود تمام ابنائے جنس سے ظاہری وجسمانی حسن اور باطنی وروحانی کمالات کے اعتبار سے ہزاروں گناہ زیادہ فوقیت رکھتے تھے کیونکہ وہ اللہ کی منتخب مخلوق تھے۔ اس کے باوجود جب ہم ان کے نامہائے مبارکہ کے لفظی معانی پر غور کرتے ہیں تو یہ معانی ان کی ذوات مقدسہ میں موجود فضائل وکمالات نبوت پر دلالت نہیں کرتے مثلاً سب سے پہلے انسان اور پہلے پیغمبر کا نام سیدنا ''آدم'' ہے اور آدم کا لفظی معنی گندم گوں ہے۔ اس طرح سیدنا ''نوح'' کے لفظ کا معنی آرام،

☆ یہ مضمون ماہنامہ ''فقہ اسلامی'' کراچی اور ماہنامہ ''نورالحبیب'' بصیر پور ہر دو پرچوں کے شمارہ اپریل ۲۰۰۶ء / ربیع الاول ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا۔

اسحاق کا معنی ضاحک، یعقوب کا معنی پیچھے آنے والا، موسیٰ کا معنی پانی سے نکلا ہوا، یحییٰ کا معنی عمر دراز اور عیسیٰ (علیہم السلام اجمعین) کا معنی ہے سرخ رنگ۔ ان تمام اسماء مبارکہ میں سے کوئی بھی اسم اپنے مسمیٰ کی نبوی عظمت ورفعت اور بلندیٔ مرتبت کی طرف اشارہ تک نہیں کرتا جبکہ نام محمد اپنے مسمی کے تمام اوصاف وکمالات کی طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ پوری دلالت کرتا ہے۔ ذیل کی سطور میں اسی اجمال کی قدرے تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے تمام ناموں کو دو قسموں۔ ذاتی نام اور صفاتی نام۔ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک صفاتی ناموں کا تعلق ہے تو آنجناب کی صفات وکمالات میں تعدد و کثرت کے باعث یہ اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اتنی کثرت دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے ناموں میں نہیں پائی جاتی۔ اور یہ ناموں کی کثرت بھی مسمی کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ ملا علی قاری نے حضورؐ کے اسماء گرامی کی بحث میں لکھا ہے۔

"ثم من القواعد المقررة ان كثرة الاسماء تدل على عظمة المسمى"(۱)

(پھر مسلمہ قواعد میں سے یہ قاعدہ بھی ہے کہ ناموں کی کثرت مسمی کی عظمت وبزرگی پر دلالت کرتی ہے)

بہرکیف آپ کے صفاتی نام عام طور پر تو ۹۹ مشہور ہیں مگر محدث نووی اور بعض دیگر محدثین نے قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی کے حوالے سے اسماء الٰہی کی طرح ان کی تعداد بھی ایک ہزار تک بتائی ہے۔ (۲)

جبکہ آپ کا ذاتی نام "محمد" اور "احمد" ہے۔ نام نامی "محمد" کا ذکر قرآن مجید میں چار جگہ (۳) اور "احمد" کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے حوالے سے ایک جگہ ہے (۴) پھر ان دو ناموں میں بھی نام "محمد" زیادہ مشہور ہے۔ (۵) اس سلسلے میں ملا علی قاری نے حضور ﷺ کے اسماء گرامی پر مشتمل امام جلال الدین سیوطی کے ایک مستقل رسالہ "البهجة السوية فى الاسماء النبوية" کی بھی نشاندہی کی ہے (۶) بہرکیف آئندہ سطور میں آپ

کے نام گرامی ''محمد'' کے معنوی اعجاز و حقیقت کے بارے میں چند معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

چنانچہ نام ''محمد'' کے حوالے سے سب سے پہلے حیرت انگیز بلکہ معجزانہ بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر حضور اکرم ﷺ کی ولادت تک ہزاروں سالوں پر مشتمل انسانی تاریخ میں جس طرح قرآن مجید کی صراحت کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا (۷) ٹھیک اسی طرح آپ کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل تک کسی بچے کا نام ''محمد'' نہیں رکھا گیا۔ اور ابن تیمیہ کے مطابق یہ بھی حضور کی نبوت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ کیونکہ کسی اور کا نام بھی ''محمد رکھا گیا ہوتا تو اس سے آپ کی نبوت و رسالت میں شبہ پڑ سکتا تھا۔ (۸)

البتہ آپ کی ولادت طیبہ سے تھوڑا عرصہ پہلے عرب میں چند آدمیوں کا نام ''محمد'' ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والدین نے کاہنوں اور یہود و نصاریٰ کے علماء سے سن رکھا تھا کہ عنقریب آخر الزماں پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام ''محمد'' ہوگا۔ اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے والدین نے ان کا نام ''محمد'' رکھا۔ مگر خالی نام رکھنے سے تو کوئی آدمی واقعی اصلی ازلی اور ابدی ''محمد'' نہیں بن سکتا۔ (الله اعلم حیث یجعل رسالته)

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرے مشیت ایزدی نے ایسا انتظام کیا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس مشیت ایزدی کے پیچھے یہی حکمت نظر آتی ہے کہ نام کے اشتباہ سے حضورؐ کی آخری اور دائمی و ابدی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا اشتباہ پیش نہ آئے۔ (۹)

بہر حال سوال پیدا ہوتا ہے کہ درج بالا استثنائی واقعہ چھوڑ کر جب پورے عرب میں نسلاً بعد نسل کسی کا نام ''محمد'' نہیں تھا اور نہ آپؐ کے آباؤ اجداد میں کوئی بزرگ اس نام سے موسوم تھے تو آپؐ کے دادا عبد المطلب اور والدہ ماجدہ کے ذہن میں یہ منفرد بالکل نیا

اور انوکھا نام رکھنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا؟ تو جزوی تفصیلات میں جائے بغیر اس کا جواب محدثین وسیرت نگاروں نے ایک تو یہ دیا ہے کہ یہ مبارک نام خالق کائنات کی طرف سے حضرت عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ کو مختلف ذریعوں سے الہام کیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ عمدہ خصائل وصفات کے پیکر تھے۔(۱۰)

دوسرے یہ نام نیک فال کے طور پر رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی کے ساتویں دن بعد عرب کے عام دستور کے مطابق جب حضور اکرم ﷺ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا تو کھانا کھانے کے بعد مدعوین نے پوچھا، اے عبدالمطلب تم نے جس پوتے کے لیے ہماری ضیافت کی ہے۔ اس کا نام کیا رکھا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ''محمد'' انہوں نے پھر سوال کیا: اپنے خاندانی ناموں سے ہٹ کر آپ نے یہ نام کیوں تجویز کیا؟ تو آپ نے کہا میری خواہش ہے کہ خالق کائنات آسمان میں اور مخلوق خدا زمین میں اس کی تعریف کرے۔(۱۱)

اب جہاں تک نام ''محمد'' کے معنوی اعجاز اور معنوی حقیقت کا تعلق ہے تو اس لفظ کا مادہ اشتقاق ''حمد'' ہے اور حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، کمالات جمیلہ اور فضائل ومحاسن کو محبت، عقیدت اور عظمت کیساتھ بیان کیا جائے۔ اسم پاک محمد مصدر تحمید (باب تفعیل) سے مشتق ہے اور اس باب کی خصوصیت مبالغہ اور تکرار ہے۔ لفظ محمد اسی مصدر سے اسم مفعول ہے اور اس سے مقصود وہ ذات بابرکات ہے جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات اور اصلی محامد کو عقیدت ومحبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔(۱۲)

غالباً نام محمد کی اسی معنوی حقیقت اور جامعیت کے پیش نظر آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب نے کہا تھا اور یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

وشق له من اسمه ليجله

فذو العرش محمود وهذا محمد (۱۳)

لہٰذا لفظ ''محمد'' کے اس مادہ اشتقاق اور اس کی معنوی حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نام مبارک کا عام اور سادہ سا ترجمہ (وہ ذات جس کی تعریف کی گئی ہو) کافی نہیں۔ کیونکہ آپ کے ان گنت فضائل و کمالات کے سامنے یہ ترجمہ ہیچ ہے۔ خالی تعریف تو بہت سارے لوگوں کی کی جاتی ہے۔ اسی لیے علماء لغت نے نام مبارک کی لفظی و لغوی تعریف ''الکثیر الخصال الحمیدہ'' الذی کثرت خصالہ المحمودۃ (۱۵) کے الفاظ میں بیان کی ہے۔ ان دونوں تعریفوں کا معنی ہے:

''وہ ذات جس میں ستودہ صفات قابل تعریف خصال و عادات کثرت سے پائی جاتی ہوں جبکہ صاحب قاموس نے لفظ ''محمد'' کو تحمید سے مشتق قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

التحمید حمد اللہ مرۃ بعد مرۃ ومنہ محمد کانہ حمد مرۃ بعد مرۃ (۱۶)

تحمید (حمد سے باب تفعیل کا مصدر) کا معنی ہے یکے بعد دیگرے اور بار بار اللہ کی تعریف کرنا۔ اور اسی مادہ سے ''محمد'' کا لفظ ماخوذ ہے تو گویا اس کا معنی ہوا وہ ذات جس کی یکے بعد دیگرے بار بار اور ہمیشہ تعریف کی گئی ہو۔

اور صاحب مفردات نے ''محمد'' کا معنی لکھا ہے۔

الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ۔ (۱۷)

وہ ذات جس میں تمام لائق تعریف خصال و عادات جمع کر دی گئی ہوں۔

معروف سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوری حضورؐ کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ''محمد، حمد سے مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں، زمرہ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضور کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سجایا و شیم کے مداح ہیں جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔ (۱۸)

معروف ادیب، سیرت نگار اور مفسر عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے: ''محمد'' عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہری طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لیے مجبور کیا جیسے صرف (اس نے پھیر دیا) یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا۔ اس طرح محمد کے معنی ہیں وہ ذات جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوت جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ بن سلام (اپنے زمانے کے معروف یہودی عالم) کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرہ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے: هذا ليس بوجه كذاب (یہ مبارک وروشن چہرہ کسی جھوٹے نبی کا چہرہ نہیں ہو سکتا) یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ کرادیا کہ جب کبھی اصلی صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبہ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کیے ہوئے ہے۔ کوئی جزء اس سے چھوٹا ہوا نہیں۔ چنانچہ استعمال میں آتا ہے ''قتله قتيلا'' یعنی اس نے اسے اچھی طرح قتل کیا (کہ مقتول کے ہر عضو پر اس کی زد پڑی) اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ ''محمد'' یعنی جس کا جزء جزء قابل تعریف ہے۔ اصلاح نفس، تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔ (۱۹)

نام نامی ''محمد'' کے لفظی ولغوی معنی کی گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذات ستودہ صفات جس کی ہمیشہ بار بار اور ہر جہت وزاویہ سے تعریف کی گئی ہو۔ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ چنانچہ خالق کائنات سے لیکر مخلوق تک، انبیاء کرام سے لیکر جن وملک

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مکتب امدادیہ ملتان ج ۱۱ ص ۷۰

۲۔ دیکھئے: (الف) نووی، یحییٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم (مع الصحیح) قدیمی کتب خانہ کراچی ج ۲ ص ۲۶۱

(ب) ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی سیرۃ خیر العباد، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۵ء ج ۱ ص ۸۸

(ج) حلبی، علی بن برہان، سیرت حلبیہ، مصطفیٰ حلبی مصر ۱۹۶۴ء ج ۱ ص ۱۲۸

(د) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح ج ۱۱ ص ۷۰

۳۔ ملاحظہ ہو: سورۃ آل عمران: ۱۴۴، سورۃ الاحزاب: ۴۰، سورۃ محمد: ۲، سورۃ الفتح: ۲۹

۴۔ سورۃ الصف: ۱۶

۵۔ ملاحظہ ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ج ۶ ص ۵۵۵

۶۔ مرقاۃ المصابیح ج ۱۱ ص ۷۰

۷۔ دیکھیے سورۃ مریم آیت نمبر ۷ (یزکریا انا نبشرک بغلم اسمه یحیی لم نجعل له من قبل سمیا)

۸۔ ملاحظہ ہو: ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح ج ۱۱ ص ۷۰۔

۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری (کتاب المناقب باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ) ج ۶ ص ۵۵۶۔۵۵۷۔

۱۰۔ دیکھیے۔ (الف) نووی، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۱۔

(ب) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ۱ ص ۱۴۹۔

(ج) حلبی، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۲۸

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

(الف) ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۱۴۸

(ب) حلبی، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۲۸

(ج) سیوطی، جلال الدین، الخصائص الکبری، دار الکتب الحدیثیہ مصر ج ۱ ص ۱۲۴

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ج ۱۹ ص ۱۴

۱۳۔ ابن کثیر، سیرۃ النبی (اردو) ج ۱ ص ۱۴۹

۱۴۔ لویس معلوف، المنجد تحت مادہ حمد۔

۱۵۔ لسان العرب اور محیط المحیط تحت مادہ حمد

۱۶۔ القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۹۹ طبع مصر (تحت مادہ حمد)

۱۷۔ راغب اصفہانی: المفردات فی غریب القرآن (تحت مادہ حمد)

۱۸۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین جلد سوم باب خصائص النبی خصوصیت نمبر ۱ (محمد رسول اللہ)

۱۹۔ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی (النصف الاول) تاج کمپنی لاہور ۱۹۵۲ ص ۱۷۶
(تحت آیت وما محمد الا رسول)

۲۰۔ حافظ ابن حجر، فتح الباری شرح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ج ۶ ص ۵۵۸

۲۱۔ (الف) صحیح بخاری (کتاب المناقب باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ) ج ۱ ص ۵۰۱ طبع کلاں کراچی
(ب) مشکوٰۃ المصابیح باب اسماء النبیؐ وصفاتہ

۲۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ دار صادر بیروت ۱۹۶۰ ج ۱ ص ۱۰۶

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ایمان بالرسول ﷺ مفہوم اور تقاضے ☆

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الرؤف الرحیم الکریم امابعد:

ہر مسلمان اور کلمہ گو اگرچہ ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول ﷺ یعنی اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد ہی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتا اور مؤمن و مسلم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ تاہم ایمان بالرسول ﷺ کے مفہوم و معنی اور اس کے اعتقادی و عملی تقاضوں کی طرف بہت کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔ جبکہ مشرکین مکہ اہل لسان ہونے کے ناطے ایمان بالرسول ﷺ کی حقیقت اور تقاضوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ ایمان بالرسول ﷺ کے تقاضوں سے اسی واقفیت و آگاہی کا نتیجہ تھا کہ وہ رسول مقبول حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی خاندانی عظمت، آباؤ اجداد کی بزرگی، انوکھے بچپن، منفرد لڑکپن، دور جاہلیت کے بے لگام معاشرے میں بھی بے داغ جوانی، مثالی پاکیزگی اخلاق و کردار اور چالیس سال کے شب و روز سے اچھی طرح واقف ہونے اور آپ ﷺ کی امانت و صداقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ابو جہل سمیت متعدد روساء مکہ منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود آخر دم تک اسلام نہ لائے اور حضرت ابو سفیان اور دیگر اہل مکہ فتح مکہ تک اسلام قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے رہے۔

اسلام جیسے آسان، انسانی عزت و حرمت کے پاسبان، انسانیت کی ہمہ پہلو ترقی کے ضامن اور فطری و عقلی دین کو قبول کرنے میں عرب کے بڑے بڑے دانشوروں کو جو اتنی دیر لگی تو راقم الحروف کے خیال میں اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ منافقانہ اور ظاہری و زبانی قسم کا ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں میں بیسیوں قسم

☆ یہ مضمون کس دینی پرچے اور کس شمارے میں شائع ہوا؟ نوٹ نہیں کیا جاسکا۔

کی اعتقادی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں پائی جاتی تھیں مگر کم از کم اس چیز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ سچے اور سچے لوگ تھے، وہ منافق نہیں تھے۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایمان بالرسول ﷺ کا زبانی اقرار و اعتراف بھی کریں اور عملی طور پر اس کے تقاضے لوازم اور مطالبے بھی پورے نہ کریں۔ وہ شاید علامہ اقبال کے الفاظ میں ''مشکلات لا الہ'' کو جانتے تھے۔ اسی وجہ سے سالوں تک اسلام قبول کرنے میں پس و پیش کرتے رہے۔

اس کے برعکس ہم عجمی مسلمانوں کا بالعموم طرز عمل اور سوچ اس بات کی غماز ہے کہ عملی طور پر چاہے ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے دینی، معاشرتی، تہذیبی، معاشی، کاروباری، معاملاتی، تعلیمی، اخلاقی، روحانی اور حکومتی تقاضوں میں سے کوئی ایک تقاضا بھی عملاً پورا نہ کریں۔ اس کے باوجود ہم پکے مؤمن اور سکہ بند عاشق رسول ﷺ ہونے کے دعویدار ہیں۔ شاید اسی صورت حال کے پیش نظر شاعر مشرق کو کہنا پڑا تھا:

زبان نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بہرحال ربیع الاول کی مناسبت سے تجدید ایمان اور اپنی ایمانی حالت کا جائزہ لینے کی خاطر ذیل میں ''ایمان بالرسول ﷺ'' کے مفہوم اور تقاضوں پر تھوڑی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یاد رہے ایمان بالرسول ﷺ کی فرضیت و وجوب کے نقلی و عقلی دلائل کو اختصار کے مدنظر زیر بحث نہیں لایا گیا۔ چنانچہ مشہور محدث و سیرت نگار قاضی عیاضؒ ایمان بالرسول ﷺ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والایمان بہ ﷺ ھو تصدیق نبوتہ ورسالۃ اللہ لہ وتصدیقہ فی جمیع ماجاء بہ وماقالہ ومطابقۃ تصدیق القلب بذالک شھادۃ اللسان بانہ رسول اللہ ﷺ فاذا

اجتمع التصديق به بالقلب والنطق بالشهادة بذالک باللسان تم الایمان به والتصدیق له"(۱)

اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ ﷺ اللہ کے منتخب رسول (پیغمبر) ہیں اور ان تمام حقائق و احکام کی جو آپ ﷺ (قرآن وسنت کی شکل میں) لائے اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا (آپ کی زبان سے نکلا) اس کی تصدیق کی جائے۔ پھر اس چیز کی قلبی تصدیق کے ساتھ ساتھ زبانی گواہی کی مطابقت بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جب آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار جمع ہوں گے تب آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی تصدیق کا مرحلہ مکمل ہوگا)

اس معنی و مفہوم کے اعتبار سے ایمان بالرسول ﷺ کے درج ذیل تین بڑے اور جامع قسم کے تقاضے مترشح ہوتے ہیں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق۔

۲۔ آپ ﷺ جو کچھ لائے اور جو کچھ زبان نبوت سے فرمایا، اس کو سچ سمجھنا۔

۳۔ نبوت ورسالت محمدی کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار

(۱) نبوت ورسالت محمدی کی صدیق

یہ بات اسلام کے مسلمہ اور بدیہی عقائد میں شامل ہے اور قرآن وسنت کی متعدد نصوص سے ثابت ہے کہ "نبوت ورسالت" انسانیت کی ہدایت اور بندگان خدا تک اللہ جل شانہ کی پیغام رسانی کا وہ عظیم منصب اور اتنی عظیم گراں اور اہم ذمہ داری ہے جس کے لیے اللہ کریم نے غیر معمولی صلاحیتوں اور انتہائی استعداد کے حامل لوگوں کا انتخاب فرمایا۔ یہ

منصب محض عطیہ وفضل الٰہی اور موہبت ربانی ہے۔ یہ کوئی کسبی وموروثی چیز نہیں کہ کوئی آدمی اپنی عبادت وریاضت اور مجاہدے یا دنیوی جاہ وجلال، مال ومنال اور حکومت واقتدار کے بل بوتے پر یا وراثت کے طور پر حاصل کر لے اور نہ ہر کس وناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اہل مکہ نے جب یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی اسی طرح کی آیات ومعجزات نہیں دیے جاتے جس طرح کے رسول مقبول ﷺ کو عنایت ہو رہے ہیں تو اللہ کریم نے واضح فرمایا:

"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" (سورۃ الانعام:۱۲۴)

اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ منصب رسالت کا اہل کون ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

"اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ" (سورۃ الحج:۷۵)

اللہ کریم بعض ملائکہ اور بعض انسانوں کو بطور رسول (پیغمبر) چن لیتا ہے۔

لہٰذا حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ آپ ﷺ کا دعوائے نبوت ورسالت سو فیصد سچ ہے۔ آپ ﷺ پر جو قرآن مجید نازل ہوا ہے وہ واقعی اللہ کریم کا کلام ہے، آپ ﷺ کا ہر نطق وحی الٰہی ہے اور آپ ﷺ واقعی اللہ کے منتخب مصطفیٰ مجتبیٰ محبوب اور آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے معاملے میں شک وتردد تو بہت دور کی بات ہے، آپ ﷺ کے کسی معاملے میں فیصلے کو بھی اگر شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور کوئی فریق اس فیصلے سے تنگ دل ہوگا اور پورے شرح صدر اور خندہ پیشانی سے اس کو قبول نہیں کرے گا تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ چنانچہ بڑی تاکید اور زوردار انداز میں اللہ نے فرمایا ہے:

ترجمہ: "سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں

ہو سکتے جب تک کہ یہ اس جھگڑے میں جوان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس سے اپنے دلوں یں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں'' (سورۃ النساء:۶۵)

فقہاء ومفسرین نے اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وفی ھذہ الآیة دلالة علی من رد شیئا من اوامر اللہ تعالی او اوامر رسول اللہ ﷺ فھو خارج من الاسلام سواء ردہ من جھة الشک او من جھة ترک القبول والامتناع من التسلیم'' (۲)

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلالت موجود ہے کہ جس آدمی نے اللہ کے اوامر یا رسول اللہ ﷺ کے اوامر (احکام) میں سے کسی چیز کو رد کیا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہ رد کرنا چاہے شک کی جہت سے ہو اور چاہے قبول نہ کرنے اور قبول کرنے سے رکنے کی جہت سے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابی سیدنا فاروق اعظمؓ سے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جوش ایمان میں اور ایمانی غیرت وحمیت کے باعث جب رسول مقبول ﷺ کے فیصلے یعنی آپ ﷺ کے قریش مکہ کی اہانت آمیز شرائط صلح کو قبول کرلینے پر تھوڑے سے تردد کا اظہار ہو گیا تو اس کی تلافی کے لیے مدتوں نوافل اور صداقات ادا کرتے رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی جو شرائط کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان طے پا رہی تھیں وہ بظاہر اہانت آمیز اور کمزوری کا مظہر تھیں مثلاً یہ کہ امسال مسلمان مکے میں داخل نہیں ہوں گے اور نہ عمرہ کریں گے بلکہ آئندہ سال عمرے کے لیے صرف تین دن مکہ میں ٹھہر سکیں گے۔ اسی طرح دس سالہ جنگ بندی کی مدت کے دوران اگر قریش میں سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں

میں سے اگر کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے گا تو اسے واپس نہ کریں گے۔ وغیرہ۔

ان شرائط میں اگرچہ ایک "فتح مبین" اور "خیر عظیم" پنہاں تھی مگر اس تک رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی نظر نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس لیے عرض کیا: "کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا "تو آخر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں اختیار کریں" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا مددگار ہے۔" حضرت عمرؓ سے بھی صبر نہ ہوا۔ جا کر یہی سوالات حضرت ابوبکرؓ سے کیے۔ انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے دیا تھا۔ اب حضرت عمر خاموش ہو گئے مگر بعد میں فرمایا کرتے تھے:

"فعملت لذلک اعمالا" میں نے (رسول اللہ ﷺ کے سامنے) اس گستاخی اور جرات کی تلافی کے لیے کئی اعمال (نفلی نماز، روزے، صدقات وغیرہ) کیے۔

رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعتقاد صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اس طرح جم گیا تھا جس طرح پتھر پر لکیر ہو۔ اس لیے وہ کسی حالت میں بھی اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال کا ظہور صلح حدیبیہ کے موقعہ پر یوں ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جب صلح نامہ کی عبارت لکھی اور اس میں لکھا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش مکہ کے درمیان طے پایا تو سفیر مکہ نے کہا۔ سارا جھگڑا تو "محمد رسول اللہ ﷺ" کا ہے۔ اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا کاہے کا؟ اس لیے "محمد بن عبداللہ" لکھا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے ازراہ حکمت و مصلحت یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا: محمد رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیں۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ حضور کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت علی المرتضیٰؓ کی ایمانی غیرت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ان الفاظ کو مٹا دیں اس لیے عرض کیا:

"لا واللہ لا امحوک ابدا" (۴)

نہیں اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کا نام نامی کبھی نہیں مٹاؤں گا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی اس ایمانی کیفیت اور ایمان بالرسالۃ میں حد درجہ شدت کے طبعی عذر کو ملاحظہ فرماتے ہوئے خود ان الفاظ کو مٹا دیا اور محمد بن عبداللہ لکھ کر معاہدہ صلح مکمل کرایا۔

(۲) رسول اکرم ﷺ جو کچھ لائے اور جو کچھ فرمایا، اس کی تصدیق

''ایمان بالرسالۃ'' کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے پیغمبر خدا ﷺ ہونے کے ناطے جن جن حقائق کی خبر دی ہے، چاہے وہ ہمارے ادراک و احساس سے ماوراء حقیقتیں ہی کیوں نہ ہوں، سب کچھ اس لیے ماننا اور تصدیق کرنا کہ ان کی خبر رسول مقبول ﷺ نے دی ہے مثلاً ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات، ملائکہ، وحی الٰہی، برزخ، عذاب قبر، یوم محشر، حیات بعد الممات اور جنت دوزخ کی خبر وغیرہ۔ کیونکہ دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں سے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کی حدود سے ماوراء ہوں، جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم و ہدایت اللہ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اور ان پر اعتماد کر کے اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کریں۔ پیغمبر ﷺ کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ پس آدمی کے مؤمن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ''کل ماجاء به الرسول من عند اللہ'' یعنی ان تمام چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے، کی تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔

جہاں تک ایمان بالرسالۃ کے لیے آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلی ہوئی کسی بھی بات کی تصدیق اور اس کو سچ جاننے کے تعلق ہے تو یہ وہ مسلمہ حقیقت ہے جس میں مسلمان تو درکنار کفار مکہ کو بھی ذرہ بھر شک نہ تھا۔ چنانچہ اعلان نبوت کے تین سال بعد اعلانیہ دعوت اسلام دینے کے لیے جوب رسول مقبول ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام

قبائل کو جمع ہونے کی آواز دی اور سب کے جمع ہونے پر پوچھا کہ "اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس وادی (پہاڑ) کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا اور شب خون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانوں گے؟ سب نے بیک آواز جواب دیا: ہاں کیونکہ ہم نے آپ کی زبان سے سچ کے سوا کبھی کوئی بات نہیں سنی ﴾ الخ (۵)

اسی طرح رئیس مکہ حضرت ابوسفیان بن حرب اموی سے (جبکہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ہرقل شاہ روم نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جب یہ سوال پوچھا کہ:

"فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ماقال" (۶)

کیا تم نے پیغمبر اسلام کے دعوائے نبوت سے پہلے کبھی انہیں جھوٹ بولتے سنا ہے؟ تو ابوسفیان کو کہنا پڑا کہ "لا" نہیں

صحابہ کرامؓ کے رسول اکرم ﷺ کے ہر قول اور آپ ﷺ کی زبان نبوت سے نکلی ہوئی ہر بات پر ایمان و یقین کا جو عالم تھا (جس کی متعدد مثالیں حدیث اور تذکرہ کی کتابوں میں ملتی ہیں) اس کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا تھا مگر حضور ﷺ کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اسی کمال درجہ کے ایمان بالرسالۃ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا خطاب دیا تھا۔ اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن کا احاطہ مقصود نہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سنن نسائی میں ہے: ایک بار حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ "اہل و عیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے" اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ "آدمی خراسان میں مر جائے اور اہل عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا؟" اس تکذیب نما سوال پر حضرت عمران بن حصین نے جوش ایمان میں فرمایا:

''صدق رسول اللہ ﷺ و کذبت انت''(۷)

رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔

۲۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں اسلام اتنی ترقی کرے گا اور پھیلے گا کہ تمہاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی۔ کوئی جماعت شام میں رہے گی، کوئی یمن میں اقامت پذیر ہوگی اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی''اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہؓ اس وثوق اور یقین کے ساتھ ایمان لائے کہ آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ''مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں، اس لیے آپ ﷺ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجیے''تو آپ ﷺ نے فرمایا''علیکم بالشام'' تمہارے لیے شام میں رہنا لازم ہے کیونکہ وہ اللہ کی پسندیدہ جگہ ہے جہاں اللہ کے پسندیدہ بندے کھچے چلے آئیں گے''۔(۸)

۳۔ ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لیے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس کو خرید لیا ہے، وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے، خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا''لینا ہو تو لے لیجیے ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں''آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، بولا''نہیں، اگر گواہ ہو تو لائیے''، حضرت خزیمہؓ بن ثابت اگرچہ بیع کے موقع پر موجود نہ تھے، تاہم کہا:''میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے'' حضور ﷺ نے پوچھا''تم نے کیوں کر شہادت دی''؟ عرض کیا''آپ کی تصدیق کی بناء پر'' اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کی اکیلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔(۹)

۴۔ صحابہ کرامؓ کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان

مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا، اس کے خلاف نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے خادم حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم کی ایک یتیم بچی کو از راہ مزاح فرمایا دیا ”تو بہت بڑی ہو گئی ہے۔ تیری عمر زیادہ نہ ہو“ وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیمؓ کے پاس آئی اور کہا ”آپ ﷺ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے۔ اب میرا سن ترقی نہ کرے گا“ وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ آپ ﷺ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دی۔ آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ”ام سلیم: تجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے یہ شرط کر رکھی ہے کہ (بارالہا) میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں، پس جس کو میں ایسی بددعا دوں، جس کا وہ مستحق نہیں تو یہ بددعا اس کے لیے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی۔ (۱۰)

(۳) نبوت ورسالت محمدی ﷺ کی قلبی تصدیق اور زبانی اقرار

ایمان بالرسالہ کی مذکورہ بالا تعریف کے مطابق اس کا تیسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی قلبی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار بھی کیا جائے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ تصدیق میں زبان اور دل کی ہم آہنگی تکمیل ایمان کا ذریعہ اور محمود ومطلوب حالت ہے جبکہ بدترین حالت یہ ہے کہ آدمی زبان سے تو آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے مگر اس کا دل اس شہادت کی تصدیق نہ کرے۔ اسی کیفیت کا نام شریعت کی اصطلاح میں نفاق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اذاجاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون“ (سورۃ المنافقون:۱)

جب آپ ﷺ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ

منافقین (اس زبانی دعویٰ میں) قطعاً جھوٹے ہیں۔

ایسے لوگ جو دل سے نبوت و رسالت کی تصدیق نہیں کرتے لیکن زبان سے اقرار کرتے ہیں تو عنداللہ ایسے لوگ کافر ہیں اور آخرت میں کفار کے ساتھ جہنم کے نچلے درجے میں جائیں گے۔ البتہ اسلام کا حکم ان پر باقی رہے گا کیونکہ انہوں نے اعلانیہ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کیا ہے۔ اسی بنیاد پر ان پر مسلمانوں کے تمام دنیوی احکام جاری کیے جائیں گے۔ کیونکہ انسان کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس کی مدد سے وہ لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کرلے اور نہ انسان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ دل کے ایمان کا کھوج لگائے۔ (۱۱)

(۴) دیگر تقاضے

محبت رسول ﷺ: ایمان بالرسالۃ کے دیگر اکمالی اور ضروری تقاضوں میں ایک تقاضا یہ ہے کہ آنجناب ﷺ کی ذات والاشان اور آنجناب ﷺ کی ذات سے تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز سے تمام قریبی رشتوں اور دنیا و مافیہا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت رکھی جائے۔ یہ وہ لازمی تقاضا ہے جس کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث کی بیسیوں نصوص، آثار صحابہؓ اور اقوال ائمہ مجتہدین گواہ ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ دوسرے اس والہانہ محبت رسول ﷺ کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوتی ہے نہ ایمان میں وہ حلاوت و لذت اور عزیمت و استقامت پیدا ہوتی ہے جو راہ اسلام میں پیش آنے والی صبر آزما مشکلات اور آزمائشوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں محبت رسول ﷺ ایمان کی روح ہے اور اس کے بغیر جملہ اعمال اور مقامات و احوال بے جان ڈھانچہ ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

مغز قرآں روح ایماں جانِ دیں   ہست حب رحمۃ للعالمین

تعظیم و توقیر نبوی ﷺ: اسی طرح رسول محتشم ﷺ اور آپ ﷺ کی طرف منسوب ہر

چیز کی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تعظیم وتوقیر بھی "ایمان بالرسالۃ" کا لازمی مطالبہ ہے۔ یہ ایسا لازمی تقاضا ہے کہ اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے تو تمام عبادات اور اعمال صالحہ کے اکارت جانے کا خدشہ وشائبہ ہی نہیں بلکہ یقینی امر ہے۔ اس کے دلائل سے بھی قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں جن کی تفصیل کی یہ مختصر تحریر متحمل نہیں ہوسکتی۔

اطاعت واتباع نبوی ﷺ: علی ہذا القیاس ہر حالت میں اور ہر قیمت پر سفر زندگی کے قدم قدم اور ہر موڑ پر نبی رحمت ﷺ کی اطاعت واتباع بھی ایمان بالرسالۃ کا بنیادی تقاضا ہے۔ قرآن وسنت اور فقہی اعتبار سے یہ وہ بنیادی تقاضا ہے جس کے بغیر نہ قرب الٰہی اور ولایت کا درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے نہ دنیا میں قلبی اطمینان وسکون اور ہمہ جہتی عزت و وقار حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ اخروی کامیابی پائی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں ایمان بالرسول ﷺ اور حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرنا اور معاملات زندگی میں رنگ وبوئے نبوی کی جھلک نہ آنا دین کے ساتھ ایک قسم کا مذاق اور دنیائے کفر کو اسلام سے متنفر اور مزید دور کرنے کا افسوسناک رویہ ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت مسلمان عوام سے لے کر سربراہان حکومت اور دین کے دعویداروں کی اکثریت (الا ماشاء اللہ) اسی دینی مذاق عملی منافقت اور دوغلی پالیسی کا شکار ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر سو ذلت وخواری، پستی وغلامی اور کمزوری امت مسلمہ کا مقدر بنتی جارہی ہے۔ معیشت، معاشرت، تجارت، مزارعت، معاملات، لین دین، خوشی غمی، تہذیب، تمدن، ثقافت، تفریح، حکومت، سیاست، سفارت، وزارت، صدارت، بین الاقوامی تعلقات ومعاملات سے لے کر عبادات، تصوف، روحانیت، تعلیم وتدریس، وعظ و نصیحت، امامت وخطابت اور مدارس وجامعات تک زندگی کا کونسا ایسا شعبہ اور پہلو ہے جس میں نبی رحمت ﷺ نے دینوی اور اخروی فلاح کا ضامن اسوہ حسنہ اور کامیابی کی ضامن تعلیمات وہدایات نہ چھوڑی ہوں مگر بدقسمتی اور سوئے اتفاق سے امت مسلمہ کی موجودہ

افسوسناک اور ناگفتہ بہ صورت حال یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق مسلمانوں کی اکثریت اگرچہ اس شعبہ میں تعلیمات و ہدایات نبوی ﷺ کی صداقت کا زبانی تو اقرار و اعتراف کرتی ہے مگر عملی طور پر ان کو اپنانے، قانون کا درجہ دینے، نظام حکومت کا حصہ بنانے اور مذہبی تقریبات و معاشرتی رسوم کی جگہ دینے کے لیے محض اس لیے تیار نہیں کہ تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی میں خواہشات نفس کی تکمیل نہیں ہوتی، حظ نفس حاصل نہیں ہوتا۔ نام نمود اور شہرت کے حصول میں فرق آتا اور ذاتی گروہی مسلکی مالی حکومتی اور سیاسی مفادات پر زد پڑتی ہے۔ ظاہر ہے اور یقینی بات ہے کہ امت مسلمہ کے عوام بالعموم اور علماء و مشائخ و حکمران بالخصوص جب تک نام نہاد مصلحت و حکمت پر مبنی اس بزدلانہ اور منافقانہ طرز عمل کو چھوڑ کر ڈنکے کی چوٹ اور ہر خوف و طمع سے بے نیاز ہو کر تعلیمات و ہدایات نبوی ﷺ کی تصدیق نہیں کرتے اور ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانے کی جرات نہیں کرتے۔ موجودہ من حیث الامت ذلت واہانت آمیز صورت حال سے نجات نہیں پائی جا سکتی۔ شاید ایسی ہی صورت حال کے لیے کہا گیا ہے:

ترجو النجاۃ ولم تسلک مسالکھا ان السفینۃ لاتجری علی الیبس

اے مخاطب: تو نجات کی امید رکھتا ہے مگر اس کے حصول کے متعین راستوں پر چلنے کی کوشش نہیں کرتا تو یاد رکھ تیری یہ امید کبھی پوری نہیں ہوگی کیونکہ کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔

یہ بات دعوائے ایمان و محبت بلکہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ آدمی اظہار محبت کے طور پر محافل جلسے جلوسوں، اشتہاروں سٹکروں اور نعروں جیسے آسان اور مباح درجہ کے طریقہ ہائے محبت پر تو بڑا زور لگائے مگر زندگی میں ہر موقعہ اور ہر قدم پر دل و جان سے حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے رنگ میں رنگے جانے کے فرض وواجب حکم پر عمل کرنے سے شرم و عار محسوس کرے یا کسی قسم کی نرمی سستی مداہنت اور چشم پوشی کا مظاہرہ

کرے۔اسی لیے کہا گیا ہے۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو　　　　میالا از زبان خود نام او

اسلام میں حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ و مقام العیاذ باللہ کسی ''بابائے قوم'' کا نہیں کہ اس کی ولادت و برسی پر بھرپور انداز میں خراج عقیدت پیش کر دیا جائے اور اس کے قصیدے پڑھ دیے جائیں۔بس اللہ اللہ خیر صلا۔ سچی بات یہی ہے کہ محبت نبوی میں ابھی کمی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ:

لو کان حبک صادقا لاطعته　　　　ان المحب لمن یحب مطیع

(اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو آپ ﷺ کی اطاعت کرتا کیونکہ محب ہمیشہ اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے)

علاوہ ازیں خالصتاً مادی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اسلامی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اللہ کریم نے ہر قسم کی عزت اور کامیابی و کامرانی اتباع نبوی ﷺ میں ہی رکھی ہے۔اس حوالے سے تمام نصوص و واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند وراہ مصطفیٰ رو

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱ قاضی ابوالفضل عیاض: الشفاء بتعریف حقوق مصطفیٰ، مکتبہ تجاریہ، مصر ج۲ص ۳

۲ ابوبکر جصاص رازی: احکام القرآن، ج۲ص ۶۰ مطبعہ بہیہ مصر ۱۳۴۷ھ (تحت آیت)

۳ (الف) صحیح بخاری (کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ۔ الخ) طبع کلاں کراچی، ج ص ۳۸۰

(ب) صحیح مسلم (باب صلح الحدیبیہ) طبع کلاں قدیمی کتب خانہ کراچی، ج۲ص ۲۶

۴ (الف) بخاری (کتاب الصلح باب کیف یکتب ھذا) ج۱ص ۳۷۲

(ب) صحیح مسلم: کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ

(ج) مشکوۃ المصابیح (باب الصلح) سعید کمپنی کراچی، ص ۳۵۵

۵ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(الف) صحیح بخاری طبع کلاں کراچی ج۲ص ۷۰۲

(ب) صحیح مسلم، طبع کلاں کراچی ج۱ص ۱۱۴

(ج) جامع ترمذی، طبع کلاں کراچی ص ۴۵۸

(د) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ طبع بیروت ۱۳۸۰ھ ج۱ص ۲۰۰

(ھ) بلاذری: انساب الاشراف، مطبوعہ مصر ج۱ص ۱۲۰۔۱۲۱

(و) ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ج۳ص ۳۸

۶ صحیح بخاری (باب کیف کان بدء الوحی) ج۱ص ۴

۷ سنن نسائی (کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت) ج۱ص ۱۸۹ طبع کلاں کراچی

۸ سنن ابی داؤد (کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام) ج۱ص ۳۳۶ طبع کلاں

۹ (الف) سنن ابی داؤد (کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شہادۃ الواحد الخ) ج۲ص ۵۱۸

(ب) ابن سعد، الطبقات ۴/۳۷۸۔۳۷۹

۱۰ صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ باب من لعنہ النبی او سبہ الخ) ج۲ص ۳۲۴

۱۱ تفصیل کے لیے دیکھئے: قاضی عیاض: الشفاء، ج۲ص ۴۔۵

☆☆☆

اسوۂ حسنہ رسول ﷺ ☆

اسلام صرف فلسفیانہ نظریات وتصورات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث بنائیں، اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں، مجالس مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک کہ ایک عملی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے محبوب ﷺ کو منتخب فرمایا تا کہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تا کہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینے سے لگالیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کو ایک مثالی نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ، ہر دور اور ہر حال کے اندر عبادات و معاملات اور معاشرت و عادات میں اسی نمونہ کے مطابق خود بھی بنیں اور دوسروں کو بنانے کی فکر کریں۔ آیت قرآنی "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کا یہی مطلب ہے۔

ابن کثیر نے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ "هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْكَرِيْمَةُ اَصْلٌ كَبِيْرٌ فِي التَّاَسِّيْ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْوَالِهٖ" یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال کی اقتداء کرنے میں بہت بڑا اساس ہے۔

☆ یہ مختصر مضمون زمانہ طالب علمی میں لکھا گیا تھا اور اب ماہنامہ "الجامعہ" (جامعہ محمدی شریف چنیوٹ) کے شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ / فروری، مارچ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔

اسی آیت کریمہ کے تحت علامہ الشیخ احمد الصاوی نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

بَلِ الْاِقْتِدَاءُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ واجِبٌ فی الاقوال والا فعال والاحوالِ لانہ لَا یَنْطِقُ وَلَا یَفْعَلُ عَنْ ھَوٰی بَلْ جَمِیْعُ اَفْعَالِہٖ وَاَقْوَالِہٖ وَاَحْوَالِہٖ عَنْ رَبِّہٖ وَلِذَاقَالَ الْعارِفُ

وخصّک بِالْھدی فی کُلّ اَمْرٍ
فَلَسْتَ تَشَاءُ اِلَّا مَایَشَاءُ

(بلکہ جملہ اقوال، افعال اور احوال میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا واجب ہے کیونکہ آپ اپنی خواہش سے نہ کوئی کلام فرماتے ہیں اور نہ کوئی کام۔ آپ کے جمیع اقوال، افعال اور احوال من جانب اللہ ہیں۔ بایں وجہ ایک عارف نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہر امر کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آپ ﷺ کو خاص فرمایا چنانچہ آپ وہی کچھ چاہتے ہیں جو رب کریم چاہتا ہے)

علامہ اسماعیل حقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں اسی آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے درج ذیل ایمان افروز چند اشعار نقل فرمائے ہیں۔

دریں بحر جز مرد ساعی نرفت
گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت
کسانے کزیں راہ برگشتہ اند
برفتہ بسیار و سرگشتہ اند
خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید
محال ست سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز برپئے مصطفیٰ

کے بعد صاحب روح البیان رقمطراز ہیں۔ ''فَمُتَابَعَةُ الرَّسُوْلِ يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ'' (حضور ﷺ کی اتباع ہر مومن پر واجب ہے)

علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھا ہے:

''وَهٰذِهِ الآيَةُ وَإِنْ كَانَ سَبَبُهَا خَاصًا فَهِيَ عَامَّةٌ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ''

اس آیت کریمہ کا سبب یا شان نزول اگرچہ خاص ہے تاہم یہ ہر چیز کو شامل ہے۔

مختصر یہ کہ ہر معاملہ میں خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، نماز روزہ اور دیگر عبادات سے ہو یا کاروبار زندگی سے، حکومت وسیاست سے ہو یا معاشیات سے، انسان کی ظاہری وضع قطع سے ہو یا باطنی احوال سے، کھانے پینے سے ہو یا کھلانے پلانے سے، اٹھنے بیٹھنے سے ہو یا چلنے پھرنے سے، جاگنے سے ہو یا سونے سے، گھریلو زندگی سے ہو یا باہر کی زندگی سے، سفر سے ہو یا حضر سے، جنگ سے ہو یا امن سے، مہمانی سے ہو یا میزبانی سے، ہنسنے سے ہو یا رونے سے، پہننے سے ہو یا اتارنے سے، خوشی سے ہو یا غمی سے، حضور اکرم شفیع معظم رحمت دوعالم ﷺ ہمارے سامنے ایک کامل واکمل نمونہ ومثال ہیں۔

تذکرہ آیت ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' میں مخاطب جملہ مسلمان یا قیامت تک آنے والے جمیع انسان ہیں اب سارے انسان نہ تو یقیناً ایک جیسے ہیں اور نہ ایک ہی شعبۂ حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان چاہے بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ عمر ہو یا بزرگ، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، بادشاہ ہو یا رعایا، فاتح ہو یا مفتوح، عابد وزاہد ہو یا تاجر وسوداگر، استاذ ہو یا شاگرد، امام وپیشوا ہو یا مقتدی ومرید، باپ ہو یا بیٹا، عیالدار ہو یا غیر عیالدار، مسافر ہو یا مقیم، دوست ہو یا دشمن، سب کے لیے حضور پرنور ﷺ ایک مشعل راہ ہیں۔ وہ اپنے سفر زندگی میں ہر مقام اور ہر مرحلہ پر آنجناب ﷺ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ ایک سراج منیر ہیں جس سے ہر سو، نور ہدایت کی کرنیں اور شعائیں نکل رہی ہیں (انک لتهدی الی صراط مستقیم) ہر فرد اپنی

صلاحیت واستعداد کے مطابق اس سے مستفید ہو رہا ہے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

درباغ لالہ روید ودر شور بوم خس

خالق کائنات نے وہ تمام اوصاف وکمالات جو پہلے انبیاء میں فرداً فرداً موجود تھے میرے آقا فداہ ابی و امی کی ذات اقدس میں اکمل واحسن صورت میں جمع فرما دیے ہیں

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بلکہ ہر پیغمبر کو جو وصف وخوبی اور کمال وشان ملی وہ میرے مولیٰ فداہ روحی کے توسط سے ملی۔

وَ کُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَام بِھا

فَـاِنَّـمَـا اتَّـصَـلَـتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِم

فَـاِنَّـہٗ شَـمْـسُ فَضْلٍ ھُمْ کَواکِبُھا

یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَم

حضور ﷺ کی ہستی ہی وہ کامل اور جامع ہستی ہے جو اپنی زندگی میں ہر نوع، ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہے۔ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا وعقبیٰ میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ ورنہ

تَرْجُو النَّجَاۃَ وَلَمْ تَسْلُکْ مَسَالِکَھا

اِنَّ السَّفِیْنَۃَ لَاتَجْرِیْ عَلَی الْیبَس

(تو نجات کی امید رکھتا ہے مگر اس کے مقررہ راستوں پر نہیں چل رہا بیشک یاد رکھو کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی)

والا معاملہ ہوگا۔

انٹرنیشنل غوثیہ فورم

جوہر آباد

انوارِ رضا

مالک محبوب الرسول قادری

2011

تحریک خلافت تحریک ترکِ موالات تحریک ختم نبوت تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد

بین الاقوامی شہرت یافتہ مسلم مبلغ و مصلح عالمی مبلغ اسلام خلیفہ سیدی امام احمد رضا

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے رفیقِ سفر اور معتمد دینی مرجع

حضرت مولانا

شاہ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

کی گراں قدر دینی، علمی، سماجی، ملی، قومی، روحانی خدمات

اور انتھک پُرخلوص جد و جہد

کے اعتراف میں اشاعتِ خاص

حضرت سفیرِ اسلام نمبر

صفحات 612

قیمت 550

E-mail:mahboobqadri787@gmail.com

اشاعتِ خاص
ایک اہم تاریخی
وصحافتی دستاویز
تعمیرِ ملّت کے لیے
جمعیت علماء پاکستان
کی سیاسی جدوجہد
چیدہ و چنیدہ کرنیں
صفحات 576
قیمت 550
ملک محبوب الرسول قادری
انوارِ رضا
انٹرنیشنل غوثیہ فورم
2012 کا چوتھا شمارہ

Quarterly
ANWAR-E-REZA
Jauhár Abad
Vol. 11, No.1 - 2017

کیمرے کی آنکھ میں

امامِ انقلاب نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، داعیٔ اتحاد امت، قائد اہل سنت

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی تنظیمی، تحریکی، جماعتی زندگی پر **ایک عکسی دستاویز**

عنقریب منظر عام پر آرہی ہے

جن احباب کے پاس تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تحریک بحالیٔ جمہوریت، تحریک تحفظ ناموسِ رسالت کے علاوہ مختلف ادوار کی تبلیغی، سیاسی جدوجہد کے حوالے سے یا کوئی بھی نادر تصاویر ہوں۔ وہ عنایت فرمائیں ای میل کردیں یا وٹس اپ کے ذریعے بھجوادیں .... تصویر کے ہمراہ سیاق وسباق، تاریخ یا اہم معلومات بھی مختصراً دی جائیں۔ تاکہ اس اہم کتاب کا حصہ بن سکیں

ملک محمد محبوب الرسول قادری
0300 / 0313 / 0321 9429027
زاویۂ قادریہ سیّدنا غوث اعظم سٹریٹ (نزد چونگی نمبر 1) سرگودھا روڈ جوہر آباد (41200)
mahboobqadri787@gmail.com